عدی کی لکشمی

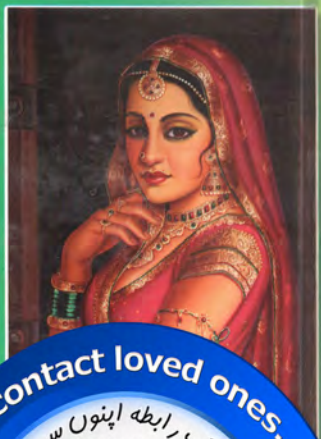

ابو جواد

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

علی کی لکشمی

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

ابو جواد

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول

مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور

کمپوزنگ ——— زبیر کمپوزنگ، لاہور

قیمت ——— 300 روپے

قیمت بیرون ملک ——— 15 پونڈ
20 ڈالر

اچھی اور خوبصورت کتاب چھپوانے کے لیے رابطہ کریں۔ Cell:03218807104

ملنے کے پتے

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

رشید نیوز ایجنسی
فریئر مارکیٹ، فریئر روڈ۔ کراچی

شمع بک ایجنسی
نزد مسجد مقدس، اردو بازار کراچی

شمع بک کارنر
امین پور بازار، فیصل آباد

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

ویلکم بک پورٹ
مین اردو بازار، کراچی

دعا پبلشرز
الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

کلاسک بکس
اندرون بوہر گیٹ، ملتان

شمع بک ایجنسی
نزد مسجد مقدس، اردو بازار کراچی

Azhar Enterprises
315, Dickenson Road, Longsight
Manchester, M13 ONR (U.K)

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
مین اردو بازار، کراچی

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور

علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

فرید پبلشرز
مین اردو بازار، کراچی

انتساب:

جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل کے نام!

جنہوں نے پاکستانی خفیہ اداروں کو نئے خطوط پر منظم کر کے انہیں جدید زمانے کی ضروریات سے ہم آہنگ کیا اور انہیں انتہائی مؤثر، باخبر اور کارگر بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

جن کی حب الوطنی اور اسلام سے محبت ایک علامت کی شکل اختیار کر گئی۔

ہم سہل طلب کون سے فرہاد تھے لیکن
اب شہر میں تیرے کوئی ہم سا بھی کہاں ہے

عرضِ مصنف:

اس حقیقت سے تقریباً ہر باخبر شخص آگاہ ہے کہ دورِ حاضر میں مختلف ممالک کی داخلی و خارجی پالیسیوں اور سیاسی و دفاعی منصوبہ سازی میں انٹیلی جنس ایجنسیز کا کردار بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ باقاعدہ رسمی جنگ تو آخری چارہ کار ہے جس کی نوبت اب کم کم ہی آتی ہے۔ عام طور پر اپنے اثر ونفوذ کو دوسروں کی سرحدوں میں داخل کرنے اور دوسروں کے اثر ونفوذ سے بچنے کی خاطر دفاعی حکمتِ عملی کے لئے ایک سرد جنگ کا ایک ہمہ گیر عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ پاکستان کی پالیسی روزِ اوّل سے ہی امن و آشتی اور بقائے باہمی کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہنے کی رہی ہے جس پر وہ آج بھی سختی سے قائم ہے لیکن بدقسمتی سے اسے چند ایسے ہمسائے میسر آئے ہیں جو شروع سے ہی پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس لئے انہوں نے وطنِ عزیز میں مختلف لسانی، گروہی اور فرقہ وارانہ تعصّبات کی سرپرستی کا گھناؤنا کھیل جاری رکھا ہوا ہے۔ اس مکروہ جارحیت کو روکنے کے لئے متعلقہ پاکستانی ادارے بھی غافل نہیں رہے اور انہوں نے ان عیارانہ کارروائیوں کے سدِباب کے لئے ہر ممکن سعی کی ہے۔ زیرِ نظر تحریر بھی ان ہی بے نام سرفروشوں کی داستان ہے جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود اپنے دفاعی جہاد کو جاری و ساری رکھا ہے۔

امریکہ کے مشہور ہفت روزہ ''ٹائم'' کے نمائندے ''لوئیس کرار'' نے 23 ستمبر 1965ء کے شمارے میں پاک بھارت لڑائی کے دوران چند جنگی محاذوں کا دورہ کرنے کے بعد لکھا تھا۔ ''میں پاک بھارت جنگ کو تو شاید بھول جاؤں مگر محاذ پر موجود پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کی مسکراہٹ کو کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔ یہ مسکراہٹ اس بات کا مظہر تھی کہ پاکستانی جوان کس قدر رنڈر اور دلیر ہیں۔ میں نے جوان سے جرنیل تک کو اس طرح آگ وخون سے کھیلتے دیکھا ہے جیسے گلیوں میں بچے کانچ کی گولیوں سے کھیلتے ہیں۔'' لوئیس کرار نے اپنی رپورٹ اس جملے سے شروع کی تھی۔ ''جو قوم موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنا جانتی ہو بھلا اسے کون شکست دے سکتا ہے۔''

اس امریکی وقائع نگار کا مشاہدہ اگرچہ حقیقت پر مبنی ہے مگر یہ مکمل نہیں کیونکہ اسے نہیں معلوم تھا

کہ پاک فوج کے جوانوں کی اس بے خوفی اور شجاعت کے پس پردہ کون سی قوت کارفرما ہے؟ وہ قوت میں نے دیکھی ہے، اسے محسوس کیا ہے۔ حریت پسندی کی اس رہ گزر پر اپنی بساط کی حد تک چند قدم چلا بھی ہوں جس راہ خارزار پر اللہ کا سپاہی چودہ سو سال سے سفر کرتا چلا آ رہا ہے۔ چودہ صدیوں پر پھیلی ہوئی یہ مسافت اس کے لہو کے چھینٹوں سے گل رنگ اور پُرنور ہے۔ میں نے سرحد کے اُس پار قیدِ برہمن میں نو سال کا طویل عرصہ گزارا ہے۔ یہاں میرا مقصد اپنے مصائب کا تذکرہ کرنا نہیں بلکہ اس سفر کے دوران مجھے پاک دھرتی کے جن بے نام سپوتوں کو انتہائی قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ان کا ذکر ہی میرا مطمع نظر ہے۔ ویسے تو یہ ایسا نازک موضوع ہے جس پر قلم اٹھاتے ہوئے بہت سی مصلحتیں دامن گیر ہو جاتی ہیں۔ کھل کر تذکرہ ممکن ہی نہیں مگر جناب الطاف حسن قریشی جن کی وطنِ عزیز سے محبت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، پاکستانیت ہی جن کی شناخت ہے، ان کی تحریک اور حوصلہ افزائی کے بعد میں نے اپنی یادداشتیں ''ارڈوڈ ایجسٹ'' میں لکھنا شروع کیں۔ ''انوپ گڑھ سے فرار'' کے نام سے یہ تحریر اب کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا غالب حصہ تو ''آپ بیتی'' پر مشتمل تھا جبکہ زیرِ نظر تحریر ''جگ بیتی'' ہے یہ چند دیگر مجاہدین کی داستان ہے جب میں بھارت کی اپنی ان یادوں کو قلمبند کرنے بیٹھا تو ذہن میں چند خاکے ہی تھے کچھ واضح نہیں تھا کہ بات کا سرا کہاں سے پکڑوں۔ وقت کے ساتھ بہت سی یادیں کسی قدر دھندلا گئی تھیں۔ کئی باتیں فراموش بھی ہو گئی ہیں۔ ان کے جو نقوش ذہن میں باقی ہیں وہ آپس میں بُری طرح گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اس لئے اگر قاری کو اس تحریر میں تسلسل کا فقدان اور واقعات و حالات کی صحت متنازعہ محسوس ہو تو مہربانی فرما کر اس کی نشاندہی کرنے کی زحمت کرے۔

ویسے بھی یہ کتاب نہ تو تاریخ نویسی ہے اور نہ کوئی تحقیق، اس میں بہت سی خامیاں موجود ہونا عین ممکن ہے۔ اسے معمولی درجے کی Oral History ہی سمجھا جائے۔ ویسے بھی ماضی قریب کے بہت سے حالات و واقعات کو بوجوہ ان کے صحیح تناظر میں پیش کرنا خاصا مشکل معاملہ ہے۔ البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس تحریر کو محض ایک افسانوی داستان قرار دینا بھی قرین انصاف نہیں ہوگا اور نہ ہی میں اسے ''مکمل سچ'' قرار دے سکتا ہوں۔ المیہ یہ بھی ہے کہ جو سچ مکمل نہ ہو اسے ''نامکمل سچ'' کہنا بھی مشکل ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ چند ''نامکمل سچائیاں'' مل کر ایک ''مکمل سچ'' کہلا سکتی ہیں یا نہیں اور دو نامکمل سچائیاں یا چند ادھورے جھوٹوں کے ملاپ سے تیسری سچائی ترتیب پائی ہے یا نہیں۔ ویسے تو تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ صرف ہماری قومی سطح پر ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی مجموعی طور پر زمین اس قدر بنجر ہو چکی ہے کہ اس میں ''مکمل سچائی'' کے پودے کا اگنا ہی محال ہے۔ حضرت انسان نے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت ''سچ'' کے لئے کوئی بھی موسم سازگار نہیں رہنے دیا اور کچھ ہمارا نظام ہضم بھی اتنا کمزور ہے کہ ''خالص'' چیز ہضم ہونا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

بہرحال یہ مختصر سی کتاب اُن خاموش مجاہدین کے کارناموں سے پورا انصاف تو نہیں کرتی البتہ اس سے اُن کی شخصیت کا خاکہ ضرور سامنے آتا ہے۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ کچھ مجاہد ایسے ہوتے ہیں جن کے کارنامے عسکری دستاویزات کی زینت بنتے ہیں ان کی جرأت و بہادری کی داستانیں رقم ہوتی ہیں لیکن کچھ گمنام سپاہی بھی ہوتے ہیں جن کی سرفروشانہ جدوجہد کوئی نہیں دیکھتا کیونکہ انٹیلی جنس کے کارنامے ہمیشہ صیغہ راز میں رہتے ہیں۔ اس لئے ان اداروں سے وابستہ افراد کی فردِ عمل ہمیشہ اعزازات سے خالی رہتی ہے۔ میں نے اپنی تحریروں میں ان ہی افراد کے مجاہدانہ شب و روز کی ایک دھندلی سی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہت سی زنجیریں ان بہادروں کی سچی تصویر کے خدوخال ابھارنے میں مانع ہیں۔ بہرحال سنا ہے کہ دیے جلاتے رہنا ایک اہم انسانی اور قومی ذمے داری ہے جس سے عہدہ برا ہونے کی سعادت جس کو بھی ملے یہ اس کی خوش بختی ہے۔ شکر خداوندی ہے کہ اس کارِ خیر میں اپنے حصے کی خدمت کا مجھے بھی موقع ملا۔

بقول شخصے ''جس سرحد کو اہل شہادت میسر نہ ہوں وہ مٹ جایا کرتی ہے۔'' خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کی سرحدوں کو قائم دائم رکھنے کے لئے سرفروشوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ یہ تمام نامور اور گمنام مجاہد اور شہید ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں۔ ان کی عزت اور محبت کو یاد کرنا ہماری قومی ضرورت بھی ہے۔ یوں تو کوئی بھی معرکہ کسی قوم کی اجتماعی کوشش ہی ہوتی ہے لیکن ہر اجتماعی عمل میں افراد کی ہمت و استقلال ہی کارفرما ہوتا ہے۔ اس لئے کسی بھی قوم کی تاریخ افراد کے کارنامے بیان کئے بغیر نامکمل ہوتی ہے۔ ان مجاہدوں کی یاد تازہ رکھنا ہمارا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہی نہیں بلکہ نئی نسل کے لئے ولولے اور جذبات کا ایک مستقل سرچشمہ بھی ہے۔ تحریک اور ترغیبِ جہاد ہمارے ملی اور قومی دفاع کے لئے خشت اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ کتاب بے نام مجاہدوں کی جرأتوں کی جنگ کی داستان ہے۔ ان گمنام افراد کے کارنامے کسی ایک جنگی چوکی، کسی خاص محاذ یا کسی ایک سپاہی کے معرکے کے کارنامے نہیں بلکہ یہ تو سالوں پر محیط ایسی کہانی ہے جو محاذ در محاذ لڑی گئی اور آج بھی لڑی جا رہی ہے۔ اس لڑائی کے دوران بعض ایسے مقام بھی آتے ہیں جن کے تصور ہی سے جھرجھری آ جاتی ہے۔ ان مقامات کا ہر لمحہ صبر آزما ہوتا ہے۔ ہر گھڑی قوت برداشت کی آزمائش ہوتی ہے۔ پھانسی کوٹھڑیوں کے مہیب سناٹے میں تنہائی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ وہاں پہنچ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے باقی دنیا سے انسان کا رشتہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا ہے اور اب وہ کبھی جیتی جاگتی دنیا میں واپس نہیں جا سکے گا۔ ایسے میں اپنے پیاروں کی یادیں شدت اختیار کر جاتی ہیں۔ وقتِ رخصت ماں کی آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسوؤں کا خیال آتا ہے تو دل ہچکولے کھانے لگتا ہے۔ جہاں بیوی کی جھکی نگاہوں میں بھرے اشکوں کا تصور دل کو تڑپاتا ہے۔ اپنے بچوں کی آوازیں ''ابو! کب آئیں گے، کب آئیں گے ابو!'' کانوں سے ٹکراتی

ہیں تو دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عام انسان کا حوصلہ گریز پا اور ہمت شکستہ گام ہے۔ دیکھنے والوں کی یہ ان نگاہیں خود اپنے آپ سے سوال کرتی ہیں۔

یہ لوگ بھی کیا لوگ ہیں مر کیوں نہیں جاتے

لیکن یہ مجاہد ہر ستم لوٹنے کے بعد ایک نئے عزم کو دل میں جگہ دے لیتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ لوگ اپنی بساط کے مطابق جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ کسی صلہ ستائش کی خاطر نہیں کرتے۔ مگر زندہ قوموں نے اپنے ان محسنوں کو پہچاننے، ان کے نام زندہ رکھنے اور آنے والی نسلوں کو ان کے مرتبہ اور مقام سے آگاہ کرنے کے لئے کچھ حوالے، کچھ پیمانے مقرر کر رکھے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان مجاہدوں کی کارکردگی ہی ان کے لئے اتنا بڑا اعزاز ہے جس کے سامنے باقی تمام اعزازات ہیچ ہیں۔ یہ لہو رنگ تمغہ جس سینے پر سجتے ہیں اس کے لئے اہلِ دنیا کے تحسینی کلمات اور اعترافِ خدمت کی سبھی دستاویزات بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ ''کفار کے مقابلے میں محاذ پر گزاری گئی ایک رات ہزار عبادتوں سے افضل ہے۔'' مگر اس کے باوجود زندہ قوموں کے اپنے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں۔ اس بات کی شدت کا احساس مجھے چند ماہ پہلے اس وقت ہوا جب گزشتہ اپریل کے دوران مجھے حیدر آباد جانے کا اتفاق ہوا اور تقریباً انیس سال بعد ڈاکٹر امتیاز الدین سے ملاقات ہوئی جو اس بے نام جہاد کے دوران میرے ساتھ بھارت کی جے پور جیل کی پھانسی کوٹھڑیوں میں رہے تھے۔ وہ پانچ سال 1969ء سے 1974ء تک برہمنی سلاخوں کے پیچھے بند رہے۔

ڈاکٹر امتیاز سے ملاقات ہوئی تو ایک لمحے میں گزرا ہوا وقت آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ڈاکٹر کو امتیاز کہوں یا ''مہیش'' کیونکہ موصوف اپنی گرفتاری سے پہلے جودھپور میں ڈاکٹر مہیش کی حیثیت سے ہی رہائش پذیر تھے۔ اردگرد کا ماحول چیخ چیخ کر امتیاز صاحب کی شکستہ حالی کی چغلی کھا رہا تھا۔ ان کی عمر تقریباً 65 سال ہے۔ اولاد سے قطعی محروم ہیں اور دونوں میاں بیوی بڑھاپے کی حد کو پار کر چکے ہیں۔ ان کے ساتھ لمبی نشست رہی۔ دورانِ گفتگو انہوں نے سرسری انداز میں اس بات کا ذکر کیا کہ انہوں نے بعد از مرگ اپنی آنکھیں عطیہ میں دینے کا اعلان کر رکھا ہے لیکن اس عطیے کو اس بات سے مشروط کر دیا ہے کہ آنکھیں صرف اسی شخص کو لگائی جائیں جو آنکھیں لگوانے کے بعد حج بیت اللہ کے لیے ضرور جائے۔ کیونکہ دیارِ حبیبؐ دیکھنے کی خواہش جو بوجوہ ان کی زندگی میں تو پوری ہوتی نظر نہیں آتی، ان کی ترستی آنکھیں ان کی موت کے بعد ہی اس مقدس سرزمین کو دیکھنے کی حسرت پوری کر لیں۔ ان کی یہ بات سن کر میں مجسم سوال بن کر رہ گیا تھا۔

علاوہ ازیں اسی دوران لطیف آباد (حیدر آباد) میں رہائش پذیر محمد احمد صدیقی سے بھی ملاقات ہوئی وہ بھی پاکستان کے مفادات کے لئے کام کرنے کے الزام میں تین برس 1976ء سے 1979ء تک بھارت کی قید بھگت چکے ہیں۔ ان کی اور ان کے بچوں کی حالتِ زار دیکھ کر سخت

افسوس ہوا۔ ان کے علاوہ ایک اور مجاہد عزیز خاں جو جے پور کی کال کوٹھڑیوں میں پیر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ وہ بھی کراچی سے خصوصی طور پر ملنے آئے وہ البتہ معاشی طور پر نسبتاً بہتر پوزیشن میں ہیں۔ بہر حال ان سبھی حضرات کو ملنے کے بعد ذہن عجیب سے وسوسوں کا شکار ہو گیا۔ کیا واقعی ہم ایک مردہ پرست قوم بنتے جا رہے ہیں۔ زندہ لوگوں کو گھاس نہیں ڈالتے مگر مرنے کے بعد تعریف و توصیف کے پل باندھ دیتے ہیں۔ بقول کسے

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات ہے دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

ان میں سے کئی صاحبان نے سوال کیا کہ اگر ملک کے اندر کوئی آدمی کسی بھی سیاسی جماعت کی خاطر چند ماہ یا چند برس سزا بھگت لے تو متعلقہ سیاسی پارٹی ہر لحاظ سے اسے سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے اپنا گزرا ہوا کل اس دھرتی، قوم اور ملک کے ''آج'' اور آنے والے کل کے لئے قربان کر دیا تھا۔ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ ان کا پرسان حال کوئی نہیں۔ اس سوال کا میرے پاس تو کوئی جواب نہ تھا اور نہ ہے۔ البتہ اس کتاب کی وساطت سے اس سوال کو تمام با اختیار حلقوں کے سامنے رکھنے کی سعی کر رہا ہوں۔

میری ان سبھی گمنام حضرات سے ملنے کی خواہش ہے جو وطن عزیز کی خاطر اس خاموش جہاد میں کسی بھی حیثیت سے بھارت میں مصروف عمل رہے ہیں تا کہ سبھی لوگ مل بیٹھ کر باہمی تعاون سے اپنے اجتماعی مسائل کی نشاندہی کر سکیں۔ ان میں سے کچھ حضرات کے نام تو ذہن میں محفوظ ہیں مثلاً کراچی کے سیّد زین العباء، حبیب الرحمان وہاڑی اور گجرات کے اقبال صاحبان۔ قصور کے محمد شفیع، پشاور کے سلطان خان، ایبٹ آباد کے قاضی اسلام، اوکاڑہ کے ساجد منصور اور بھی بہت سارے دوست۔ ان سبھی حضرات سے میری درخواست ہے کہ مجھ سے رابطہ کرنے کی زحمت فرمائیں۔ آخر میں ان سبھی احباب کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کو مکمل کرنے میں میری اعانت کی۔

اس کتاب کو تحریر کرنے کے دوران ہی 15 دسمبر 1992ء کو میرا بیٹا ''علی'' ایک حادثاتی موت کا شکار ہو کر ہم سے بچھڑ گیا تھا۔ اس جانکاہ المیے کے نتیجے میں اگرچہ اس کتاب کا متاثر ہونا ممکن تھا مگر میں اپنی اہلیہ کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن کی معاونت اور تعاون سے میں اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔

ابو جواد

باب: 1

اس کے سسر نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بیٹی! ابھی مزید ایک گھنٹہ باقی ہے۔'' وہ کوئی جواب دیئے بغیر ایک ٹک ان کے سپاٹ چہرے کو دیکھتی رہی۔ ان کے چہرے سے اندرونی کرب کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ غالباً وہ اس کے سامنے کسی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن کنول ان کی حالت سے بے خبر نہیں تھی۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ وہ بوڑھا شخص کتنی مشکل سے اپنے اوپر جبر کیے ہوئے ہے۔ خود اس کی روح کے دشت میں بھی ایک ہُو کا عالم طاری تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس بھرے پُرے شہر میں کوئی اسے بن باس دے گیا ہو۔ کتنی ہی دیر کمرے میں موت کا سناٹا طاری رہا۔ تبھی بزرگ شخص بولا۔

''چلو کنول بیٹی! اب چلنا چاہیئے۔'' وہ دونوں باہر آ کر پورچ میں کھڑی پرانے ماڈل کی ایمبسڈر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ بوڑھے شخص نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور گاڑی اس حویلی نما مکان سے باہر نکل آئی۔ کنول کا دل انجانے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا۔

چاروں طرف کھلونوں جیسے چھوٹے چھوٹے بنگلے اور کھیت پھیلے ہوئے تھے لیکن اس کی آنکھیں ان مناظر سے لطف اندوز نہیں ہو رہی تھیں کیونکہ جب انسان کے اندر کا موسم خوشگوار نہ ہو تو اسے کوئی چیز بھلی نہیں لگتی۔ اسے اپنے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے لاغر جسم میں سنسناہٹ سی پھیل گئی اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے، وہ سر تھام کر گاڑی کے کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اپنے سسر کے یہ الفاظ اس کے کانوں میں مسلسل گونجنے لگے۔ ''بیٹی! علی کی اپیل سپریم کورٹ سے بھی خارج ہو گئی ہے، اب کوئی معجزہ ہی اسے بچا سکتا ہے۔ شاید ہماری اس سے یہ آخری ملاقات ہو۔''

گاڑی سینٹرل جیل جے پور کے بھاری پھاٹک کے باہری کمپاؤنڈ میں جا کر رک گئی۔ سامنے جیل کا مرکزی گیٹ ہے۔ موٹی سیاہ فولادی چادروں کا بنا ہوا۔ اسے علم تھا اس پھاٹک کے اس پار اس کا ''علی'' اس کی زندگی کا محور اور اس کی آشاؤں کا مرکز، جانوروں سے بھی بدتر

زندگی گزار رہا ہے۔ بلکہ اب تو شاید اس کے جیون کے چند دن یا ہفتے ہی باقی رہ گئے ہوں۔ اس وقت اس کا بوڑھا سسر کمال الدین گاڑی سے اتر کر جیل کی ڈیوڑھی کے باہر موجود چھوٹے سے دفتر میں گیا اور واپس آ کر بتایا کہ ابھی ملاقات میں آدھ گھنٹہ باقی ہے۔ اس وقت اسے جیل کی بلند اور سنگلاخ دیواریں کسی ایسی بانجھ عورت کی طرح محسوس ہوئیں جو ممتا کے جذبات سے قطعی عاری ہوں قانون کی مانند اندھی اور لالچ کی طرح خوبصورت۔ جیل کی عمارت کسی بھوت بنگلے کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ پھاٹک کے اس پار بند اپنے جیون ساتھی کے پاس پہنچنے میں ایک لمحے کی دیر بھی نہ کرتی لیکن اُس بلند دروازے کی آہنی سلاخوں میں دل نام کی تو کوئی چیز نہ تھی۔ یہ ایسی بے حسی کی حالت میں نہ جانے کتنے زمانوں سے کتنی ہی بیواؤں کے اجاڑ جیون اور ناکام مسرتوں کو تکتے گزار چکا تھا اس کے علی کی مانند نہ جانے کتنے بے گناہ معصوموں کی بے نور آنکھیں اپنی تاریخ کے صفحات پر رقم کر چکا تھا۔ بے شمار روحیں اس کی دہلیز پر ماتھا رگڑ کر مٹ چکی تھیں۔ اس کی طرح سے کتنی بیوائیں محافظ ہندوؤں کے قدموں سے لپٹ لپٹ گئی ہوں گی لیکن ان کی پکار اہنسا کے دعوے دار دہلی کے حکمرانوں تک پہنچنے میں ناکام رہی ہوگی۔

اسے لگ رہا تھا کہ بھارت دیش، جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہیں اور یہ جہنم کا دوسرا روپ ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ویسے تو دنیا بھی ایک بڑی جیل ہے لیکن اس کے باشندوں نے اس بڑی جیل کے اندر بھی بے شمار چھوٹی چھوٹی جیلیں بنا رکھی ہیں۔ وطن، مذہب اور قوم کے نام پر بھارت ماتا کے باسی ہر وہ جرم کرنے میں آزاد ہیں جن کا نشانہ اقلیتیں خصوصاً مسلمان بنتے ہیں۔ دنیا کے اس خطے میں بے شمار نونہالوں کی ہڈیاں گل سڑ گئیں۔ بند دروازوں کے اُس پار انصاف کی صلیب پر نہ جانے کتنے ادھ کھلے پھول بھینٹ چڑھا دیئے گئے۔ دھرتی ماتا کی ان پُراسرار فضاؤں میں اَن گنت، بے بس اور کمزور مسلمانوں کا جیون رس سکھا ڈالا گیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا یہی ہے عدم تشدد پر مبنی ہندو دھرم؟ وہ بہت سارے سوالات پوچھنا چاہتی تھی لیکن اسے جواب کون دیتا؟ یہ اونچی دیواریں، یہ سنتری اور اس کا لٹا پٹا ہوا نصیب سبھی تو خاموش تھے۔ آج سبھی اسے کٹھور اور اٹل لگ رہے تھے۔

ساون کی سہانی صبح تھی کائنات کی ہری بھری گود میں چاروں طرف خوبصورتی بکھری ہوئی تھی اور ہر طرف اپنائیت کے رنگ بکھرے تھے۔ راستے میں وہ گاڑی کی کھڑکی سے دیکھتی آئی تھی۔ ہرے بھرے کھیت دھلے دھلے پتوں سے چھن کر آتی ہوئی مشرقی سمت کی ہوا۔ شفاف نیل گگن میں جگہ جگہ بدلیوں کے ٹکڑے تھکے ہوئے سے، ہارے ہوئے سے، اداس

دکھائی پڑتے تھے۔ وہ بیٹھی ہوئی اونگھنے سی لگی۔ تصویروں کے جھرنے کی مانند گزرا ہوا وقت ابھرتا ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

آج سے آٹھ برس پہلے کی بات تھی وہ کوشش کے باوجود بھی اس وقت کو نہیں بھلا سکتی تھی۔ وہ پنڈت رام منوہر اگنی ہوتری کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس وقت وہ کنول کی بجائے لکشمی تھی، لکشمی اگنی ہوتری۔ اس نے بی اے تک تعلیم حاصل کر لی تھی۔ ماتا پتا دونوں اسے ہتھیلی کا چھالا بنائے رہتے۔ اس کے منہ سے نکلنے والی ہر خواہش پوری کرنا وہ اپنا دین دھرم سمجھتے۔ مالی لحاظ سے کافی خوشحال تھے۔ ایم آئی روڈ جے پور پر ان کی مجسمہ فروشی کی بڑی سی دکان تھی۔ وہ بھی باپ کے ساتھ اکثر دکان پر جاتی اور کاروبار میں ہاتھ بٹاتی۔ لڑکپن میں لکشمی بڑی حد تک مذہبی خیالات کی حامل تھی۔ ہر منگل وار کو باقاعدگی سے برت رکھتی، بلا ناغہ مندر جاتی اور وشنو بھگوان کی آرتی اتارتی۔ پنڈت جی کافی بوڑھے ہو گئے تھے۔ آخری عمر کی اولاد تھی اس لئے اس کے بی اے پاس کرنے تک عمر کے اس حصے میں پہنچ گئے تھے۔ جہاں اکثر لوگ اپنی عاقبت سدھارنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے کاروبار پوری طرح لکشمی کو سنبھالنا پڑا۔

ویسے تو دکان میں تین سیلز مین لڑکے ہی گاہکوں کو ڈیل کرتے تھے لیکن پیسے کا حساب کتاب لکشمی کی ذمے داری ہی ٹھہری۔ روز روز بت فروشی کے دھندے نے اسے ہندو مذہب سے قدرے بیگانہ سا کر دیا۔ روز کوئی صاحب کرشن بھگوان کی مورتی خریدنے آ جاتے تو کوئی شیو بھگوان کی تیاری کا آرڈر دے جاتے۔ اکثر بیگمات اور سیٹھانیاں لکشمی دیوی کی خوبصورت شبیہیں خریدنے کو بے قرار رہتیں جبکہ کئی مہاشے درگا، مہادیوی اور پاربتی کے مجسموں میں دلچسپی کا اظہار کرتے۔ لکشمی ان کے آرڈر نوٹ کر لیتی اور چند روز بعد اپنے کاریگروں سے خریدار کا مطلوبہ بھگوان تیار کروا کے اس کے حوالے کر دیا جاتا۔ بھگوانوں کی اس خرید و فروخت نے اس کے ذہن پر عجیب سا اثر ڈالا تھا۔

وہ اکثر سوچتی کہ پتھر اور چونے سے تیار شدہ یہ بھگوان جو اس کے کاریگر پچاس روپے دیہاڑی (یومیہ اُجرت) لے کر تیار کر کے دیتے ہیں۔ یہ بھگوان کسی دوسرے کی حاجت روائی کیسے کر سکتے ہیں کیونکہ یہ مورتیاں تو خود شنکر یا چمار اور للولعل کمار کے ماہرانہ ہاتھوں کی کاریگری کی محتاج ہیں کیونکہ شنکر یا اور للولعل جس بھگوان کو چاہتے خوبصورت بنا دیتے جبکہ کسی وقت کسی کی آنکھیں اور دیگر اعضاء ان کی لاپروائی کی بدولت قدرے بھدی شکل اختیار کر لیتے۔ ان کی خوبصورتی کا دار و مدار گاہک کی قوتِ خرید پر منحصر تھا۔ بھاری جیبوں اور موٹی

تو ندوں والے سیٹھ بھگوانوں کی منہ مانگی قیمت ادا کرتے اس لئے ان کو بہترین مال سپلائی کیا جاتا۔ اسی دوران لکشمی کی ملاقات علی سے ہوئی تھی۔ وہ مقامی مان سنگھ کالج، میں آرکیالوجی کا پروفیسر تھا اور بڑی ہی نفیس طبیعت کا مالک۔ اس کی آمدورفت لکشمی کے یہاں بڑھتی چلی گئی اور دھیرے دھیرے یہ آشنائی اپنا رنگ دکھانے لگی۔ آپ سے تم اور تم سے تُو کے مراحل طے ہوتے چلے گئے۔ گل سے گل بداماں ہونے کا سفر بڑی جلدی طے ہوگیا اور باوجود مذہب کے فرق کے دونوں نے شادی کا فیصلہ کر ڈالا۔

لکشمی کے پتا پنڈت اگنی ہوتری اور ان کی پتنی نے کافی سخت احتجاج بھی کیا لیکن لاڈلی بیٹی کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنی رضامندی بھی دے ڈالی، علی کے والد کمال الدین نے بیٹے کو اس فیصلے کے مضمرات سے پوری طرح آگاہ کیا لیکن جب دیکھا کہ بات پند و نصائح سے بہت آگے بڑھ چکی ہے تو چپکے سے ہتھیار ڈال دیئے۔ قانونی طور پر شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ البتہ سماجی سطح پر دونوں اطراف کے عزیز و اقارب نے بھرپور مخالفت کا حق ادا کر دیا بلکہ ہر ایک نے حسبِ توفیق اس فیصلے کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی۔ اس وقت تو ایسا لگتا تھا کہ شاید اسی بنیاد پر جے پور میں ہندو مسلم فساد پھوٹ پڑیں گے لیکن کچھ سمجھدار لوگوں کی مداخلت سے معاملہ بہ آسانی طے ہوگیا اور لکشمی مسز علی بن کر دوسہ میں علی کی آبائی حویلی میں منتقل ہوگئی۔

کوئی فوری ہنگامہ تو نہ ہوا مگر جے پور اور دوسہ کے اکثر ہندوؤں نے ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے ہر قسم کا تعلق ختم کر لیا۔ شادی کے چند سال بعد پنڈت اگنی ہوتری اور ان کی دھرم پتنی سورگ سدھار گئیں۔ اسی دوران ان کے یہاں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا اضافہ ہوگیا۔ انہوں نے سوچا کہ انہیں دنیا کی تمام راحتیں میسر آ گئی ہیں۔ بیٹے کا نام عمر اور بیٹی کا کرن رکھا گیا۔ لکشمی نے اپنا نام بدل کر کنول رکھ لیا تھا۔ اگرچہ صرف نام بدلنے پر اس کا زیادہ وشواس نہ تھا لیکن پھر بھی وہ ہندومت سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لینا چاہتی تھی۔ حالانکہ اسے علم تھا کہ ہندو دیومالا میں بھی لکشمی نسائیت کی تمام اعلیٰ خوبیوں کی حامل سمجھی جاتی ہے۔

ہندو دھرم کے مطابق لکشمی دیوی کو اپنے شوہر وشنو بھگوان سے سچی محبت ہے اور وہ پوری طرح شوہر کی وفادار ہے۔ ہر وقت اس کے ساتھ رہتی تھی۔ اپنے پتی کے ساتھ تخت پر اس کے دائیں ہاتھ بیٹھی ہے۔ شوہر کی رفاقت اور شروع ہی سے ہر حال میں نبھاتی چلی آ رہی ہے۔

وشنو جب بھی کسی اوتار کے روپ میں زمین پر آتا لکشمی دیوی بھی ہر مرتبہ نسائی اوتار

بن کر دھرتی پر آتی رہی اور مختلف نسائی اوتاروں کی صورت میں شوہر کے دکھ سکھ میں شریک رہی۔ اس طرح وشنو اور لکشمی کی لازوال محبت انسانی پیکر اختیار کرنے پر بھی بدستور قائم رہی۔ جب وشنو ومن، اوتار کی شکل میں ظاہر ہوا تو لکشمی کنول کے ایک پھول سے پیدا ہوئی اس نسائی اوتار کی حیثیت سے لکشمی کا نام پدمایا کملا تھا۔ جب وشنو رام چندر کی شکل میں اوتار بن کر آیا تو لکشمی سیتا بن کر آئی۔ سیتا رام چندر کی بیوی تھی اور وشنو جب کرشن بھگوان کی حیثیت سے آیا تو لکشمی اس کی بیوی رکمنی اور کرشن کی محبوبہ ''رادھا'' بن کر اس کے ساتھ رہی۔ اس طرح اسی نے زنانہ اوتاروں کی صورت میں بیک وقت دو جنم لئے یعنی رکمنی اور رادھا ویسے ہندو عام طور پر سیتا کو ہی لکشمی کا اوتار خیال کرتے ہیں۔

ہندو اساطیری داستانوں کے مطابق لکشمی بے حد حسین ہے جس کے بدن کا رنگ سرخ ہے، لہراتی برق کی مانند ہر وقت جگمگاتی رہتی ہے۔ اس کے بدن سے پھوٹنے والی کنول کی خوشبو آٹھ سو میل کے فاصلے تک بسی رہتی ہے۔ تصویروں میں لکشمی کو خاتونِ زریں کی حیثیت سے دکھایا جاتا ہے۔ اسے عام طور پر کنول کے پھول پر بیٹھی دکھاتے ہیں جس کے ہاتھ میں بھی کنول کا پھول ہوتا ہے۔ کنول دراصل اس کی علامت ہے۔ چونکہ لکشمی بے حد شوہر پرست ہے۔ غالباً اسی لئے آرٹ کے نمونوں میں اسے شیش ناگ کی کنڈلیوں پر شوہر کے قدموں میں بٹھایا جاتا ہے۔ وشنو آرام کر رہا ہوتا ہے اور یہ محبت وعبودیت کے ساتھ اس کے پاؤں سہلا رہی ہوتی ہے۔ لکشمی کی شبیہ بھارت کے حکمران گپتا ہندو خاندان (275ء تا 550ء) کے بہت سارے سکوں اور مہروں پر ملتی ہے۔ لکشمی کی پوجا عام طور پر وشنو کے ساتھ کی جاتی ہے لیکن جب اسے تنہا پوجتے ہیں تو اسے ہستی اعلیٰ کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ فراوانی اور خوش بختی کی دیوی کی حیثیت سے اس کی پرستش ہوتی رہی اور اب بھی بدستور ہو رہی ہے۔

بہرحال وہ علی کے ساتھ ایک خوش وخرم زندگی گزار رہی تھی گو اس سارے عرصہ میں ان کے سماجی بائیکاٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا بلکہ دوسہ کے ہندوؤں کا رویہ ان کے ساتھ نفرت انگیز سا ہو گیا تھا۔ ان کی مالی خوشحالی اس نفرت میں مزید اضافے کا سبب بن رہی تھی لیکن ان دونوں میاں بیوی کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ ان کا گھر ہی ان کے لئے سب کچھ تھا۔ بچوں کی پیدائش کے بعد تو وہ گھر جنت کا نمونہ بن چکا تھا۔ البتہ کبھی کبھار کنول علی سے کہتی تھی۔ ''نہ جانے بعض اوقات میرا دل کیوں انجانے اندیشوں میں گھر جاتا ہے۔'' علی جواب دیتا۔

''کس بات کا اندیشہ؟''

کہتی۔ ''مجھے یوں لگتا ہے اتنی خوشیاں مجھے راس نہیں آئیں گی۔ مجھے یہ زندگی ایک

خواب سا لگتی ہے اور بعض اوقات اس خواب کی ادھوری تعبیر محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ ہر صبح دیکھ کر خوش ہوتی ہوں مگر احساس بتاتا ہے کہ یہ دھوپ شام کی بکل مار کر جدائی کی رسم یقیناً نبھا لے گی لیکن پھر شام اور رات کو گلے ملتا دیکھ کر سوچتی ہوں یہ اپنی شال پر جتنے چاہے چاند ستارے سجالیں آخر کو مشرق سے پھوٹنے والی ایک کرن ان سب کو مات دے دے گی۔ ایسا کیوں ہے؟ مجھے اس کی خبر نہیں۔''

یہ سن کر علی قہقہہ مار کر ہنس پڑتا۔ ''ارے بھئی! تم ضرورت سے زیادہ فلسفہ بگھارنے لگی ہو۔ آخر قنوطیت کی کوئی حد بھی ہوتی ہے۔ ایسی بیکار سوچوں کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دیا کرو۔ زیادہ سوچ بچار بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ خدا پر بھروسا رکھو۔ تم نے بلھے شاہ کا یہ شعر نہیں سنا۔

علموں بس کریں او یار
اکو الف تینوں درکار

کنول کے پلے کچھ نہ پڑتا لیکن خاموش ہو رہتی لیکن بعض اوقات کہتی۔ ''میرے پلے تو کچھ نہیں پڑتا۔ میرا خیال ہے ہم یہ مکان اور جائیداد وغیرہ بیچ کر کیرالہ کے دارالحکومت تری وندرم منتقل ہو جائیں۔''

علی سب کچھ جانتے ہوئے بھی حیرانی سے پوچھتا۔ ''کیوں شریمتی جی! تری وندرم ہی کیوں دہلی کیوں نہ شفٹ ہو جائیں؟''

کنول جھنجھلا کر جواب دیتی۔ ''آپ ہر بات کو مذاق میں مت ٹالا کریں۔ آپ کو اچھی طرح علم ہے کہ شمالی ہندوستان کے مقابلے میں جنوبی ہند میں مسلم دشمنی کی جڑیں زیادہ گہری نہیں۔ اس وجہ سے وہاں زیادہ تعصب نہیں ہے اور ویسے بھی کیرالہ میں تو مذہبی تعصب نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ میری چند عزیز ترین سہیلیاں جنوبی بھارت میں ''کمبھوڈ'' اور ''اواڈی'' میں بیاہی ہوئی ہیں۔ کسی برے وقت میں وہ ہماری معاونت کر سکتی ہیں۔''

لیکن اس کی باتوں کا علی پر کوئی اثر نہ ہوتا وہ کہتا۔ ''بھلا گلابی نگری (جے پور) بھی کوئی چھوڑنے کی شے ہے؟ جہاں ہم دونوں کا پیار پروان چڑھا جس سرزمین میں ہمارے بزرگوں کی ہڈیاں دفن ہیں اسے ہم کیوں چھوڑیں؟'' اسی بحث و تمحیص میں وقت گزرتا چلا گیا۔ آخر ہونی ہو کر رہی۔

غالباً 1978ء کے نومبر یا دسمبر ماہ کی بات ہے، بھارتی کرکٹ ٹیم سولہ سترہ سال کے وقفے کے بعد پاکستان کے دورے پر گئی ہوئی تھی۔ کراچی میں ہونے والا آخری ٹیسٹ میچ خلافِ توقع بڑے ڈرامائی طریقے سے پاکستان نے جیت لیا۔ بھارت کے اکثر مسلمانوں کی

طرح جے پور کے کچھ مسلمان نوجوانوں نے بھی کھل کر خوشی کا اظہار کیا اور مٹھائی تقسیم کی اور پٹاخے چلانے لگے۔ بس پھر کیا تھا اسی بات کو لے کر مسلم کش فسادات شروع ہو گئے۔ گنگا میا کے سپوتوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنی شروع کر دی۔ خونِ مسلم اتنا ارزاں ہوا کہ ایک ہی دن میں سو کے قریب مسلمان تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ جے پور کے گرد و نواح میں بھی کالی ماتا کے پجاری اس دھرم یدھ میں شامل ہو گئے۔ دوسہ میں دو روز کے اندر پچاس سے زیادہ معصوم افراد کو نذر آتش کر دیا گیا جن میں سے اکثریت خواتین اور معصوم بچوں کی تھی۔ بھارت کے مہان دیش میں مسلم اقلیت کو جرمِ ضعیفی کی سزا دی جا رہی تھی۔ لکشمی کا گھرانہ تو عرصہ دراز سے متعصب ہندوؤں کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ اردگرد کے مسلم گھروں کو نذر آتش کرنے کے بعد جنونی ہندو جے شیو شنکر کے نعرے لگاتے ہوئے ان کے گھر میں داخل ہو گئے۔ دونوں بچوں کو پکڑ لیا گیا۔ لکشمی جگر گوشوں کے اوپر لیٹ گئی اور رو رو کر رحم کی فریاد کرنے لگی لیکن شیطانی قہقہوں میں تیزی آتی گئی۔ ان پر مٹی کا تیل چھڑک دیا گیا قریب تھا کہ دیا سلائی جلا کر انہیں اگنی دیوی کے حوالے کر دیا جاتا، تبھی علی نے اپنے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا اور ان درندوں پر بے دھڑک گولی چلا دی۔ تین افراد کے مرنے کے بعد باقی تمام سورما چشم زدن میں غائب ہو گئے۔ بچے خوف کے مارے گنگ ہو گئے تھے۔ لکشمی کے چہرے پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ تبھی عوام کی محافظ پولیس اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے وارد ہو گئی۔ فوراً علی کو ہتھکڑیوں میں جکڑ لیا گیا۔ تھانے لے جا کر اس پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ جنونی ہندوؤں کا گروہ علی اور اس کے اہلِ خانہ کو نذرِ آتش کرنے پر تلا ہوا تھا۔ لیکن چند اعتدال پسند افسروں کی بدولت اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تین افراد کے قتل کا الزام معمولی نہ تھا۔

چند روز تھانے میں رکھنے کے بعد علی کو تہرے قتل کے الزام میں جیل بھجوا دیا گیا۔ لکشمی اور دونوں معصوم بچوں کے لئے دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ سر کا سایہ اٹھنے کے بعد لکشمی کا دماغ وقتی طور پر ماؤف ہو گیا تھا۔ بوڑھے سسر کے علاوہ مکمل طور پر بے یار و مددگار تھی لیکن چند روز بعد اسے احساس ہوا کہ اگر اس نے بھی حوصلہ ہار دیا تو ان معصوم پھولوں کا کیا بنے گا۔ اس کے علاوہ اسے علی کے بچاؤ کی جنگ بھی تنہا لڑنی تھی۔ اس نے اپنی دُکان، ماں باپ کا چھوڑا ہوا مکان اور زیورات سبھی کچھ داؤ پر لگا دیا اور راجستھان کے سب سے اچھے وکیل جگن ناتھ مشرا کو وکیل صفائی مقرر کیا۔ اس نے اسے کہا۔ ''مشرا جی! پیسے کی پروا کئے بنا علی کو بچانے کی کوشش کریں۔'' وکیل نے حتی المقدور کوشش بھی کی۔ استغاثہ کے گواہوں سے بڑی اچھی

طرح جرح کی جس سے امید کی ہلکی سی کرن بھی پیدا ہوگئی تھی۔ استغاثہ کے گواہوں کی ایک لمبی فہرست تھی۔ انہوں نے عدالت میں بھگوان کی سوگند کھا کر مقدور بھر جھوٹ بولا۔ ان کی گواہی مکمل ہونے کے بعد ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج جے پور شری مہندر بھوشن شرما نے ملزم علی سے پوچھا۔

''تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟'' تب عدالت کے پُرسکون ہال میں بیٹھے ہوئے سبھی افراد کی نگاہیں کٹہرے کی طرف اٹھ گئیں، موت کا سناٹا چھا گیا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں جھنجھنا اٹھیں۔ محافظ سپاہی چونک پڑے اور مستعد نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ عدالت میں اس کی پاٹ دار آواز ابھری۔

''میں دفعہ 302 کا قابلِ نفرت ملزم ہوں۔ میں نے اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے قتل کیا ہے۔ ہاں میں قاتل ہوں زمانے بھر کی دھتکار کے دوران کسی روز پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جاؤں گا۔ ایسی حالت میں انصاف سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا لیکن کیا مجھے اس نفرت انگیز حرکت پر مجبور کرنے کا اپرادھی کوئی دوسرا نہیں؟ میں کسی خاص شخص کی بات نہیں کرتا۔ البتہ میں نے چند سنگدل افراد کی ہتیا کی ہے۔ انہیں کتے کی موت مارا ہے۔ میرے دامن پر لہو کے چھینٹیں ہیں۔ مگر کیا میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے معصوم بچوں کو قتل ہونے دیتا۔ کیا اس بے رحم ہندو معاشرے کے لئے قانون کی کتاب میں کوئی سزا نہیں ہے۔ تعزیرات ہند کی کوئی دفعہ نہیں ہے؟ ان جرائم کے جنم داتا کون ہیں۔ سوچئے ..... معاشرہ ..... یہی بے رحم ہندو معاشرہ۔ ہم جیسے اقلیتی افراد کے لئے یہ سماج ایک قبر ہے۔ جہنم سے بھی ..... یہ بھارتی سماج ..... یہ سیکولر بھارت۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ لکشمی کے وکیل مسٹر مشرا نے اپنی پیشانی پکڑ لی، وہ دھیرے سے بولے۔

''اس اقبال جرم کے بعد یہاں سے تو سخت ترین سزا ملے گی ہی ..... ساتھ ہی آگے کی امید پر بھی پانی پھر گیا ہے۔''

اگلے روز 17 دسمبر 1979ء کو انہیں موت کی سزا دی گئی۔ جج کے قلم نے لکشمی کی قسمت کی لکیروں پر بھی سیاہی پھیر دی۔ اس کے قلم کی ننھی سی نوک نے اس خاتون کی تمام آشاؤں اور مسکراہٹوں کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ جج سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اس نے اور اس کے بچوں نے کیا جرم کیا ہے۔ اگر وہ علی کو ان کے درمیان رہنے دیتے ..... جینے دیتے ..... اس ٹوٹی ہوئی ناؤ کے پتوار کو تباہ نہ کرتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا؟ مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ پائی تھی۔ تبھی وہ خیالات کی دنیا سے باہر نکل آئی۔ اس کے سسر نے بے چینی سے گھڑی پر نگاہ دوڑائی وہ ان

سے وقت پوچھنا چاہتی تھی مگر اپنے اندر اتنا حوصلہ نہ کر پائی۔ نگاہ دوسری طرف اٹھ گئی۔ ایک درخت کے نیچے تین چار عورتیں بیٹھی ہوئی رو رہی تھیں، ایک چھوٹا بچہ گھاس پر بیٹھا کھیل رہا تھا۔ ایک عورت روتی ہوئی بولی۔ ''45 منٹ باقی ہیں ... ہے ماما'' سمے کے اس پینتالیسویں قدم پر ایک بے آسرا پریوار کی تباہی پھانسی کی پتلی رسی کے ایک ہی جھٹکے کی محتاج تھی۔

لکشمی اپنا دکھ بھول کر اس عورت کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے کسی اپنے کو بھی آج پھانسی دی جانے والی تھی اور غالباً یہ عورتیں لاش کے انتظار میں باہر بیٹھی ہوئی تھیں۔ تبھی دھیرے دھیرے اس عورت کے کچھ رشتے داروں کی ٹولیاں آ رہی تھیں۔ وہ عورت دوسری عورتوں کو کہنے لگی۔ ''یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ کیا ہمدردی جتانے آئے ہیں... اپنا پن دکھلانے آئے ہیں؟ جب میں تن تنہا حالات کے تھپیڑوں کا مقابلہ کر رہی تھی اس وقت یہ احباب کہاں تھے؟ اس وقت تو ان موٹی توندوں والوں کی ایک جھلک بھی نظر نہیں آئی تھی۔ آج یہ خوبصورت پہناوے پہن کر اس کی بربادی کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔''

اب لکشمی اپنا دکھ بھول کر پوری طرح اس طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ وہ ادھیڑ عمر عورت آنے والے عزیز و اقارب سے کہہ رہی تھی۔ ''دوزخ کے کیڑو میری نظر سے دور ہو جاؤ۔ جب میرے بے گناہ خاوند کے خلاف تم جھوٹی گواہیاں دے رہے تھے اس وقت تمہاری انسانیت کہاں سو گئی تھی؟'' روتی ہوئی عورت کی حالت بتاتی تھی کہ قید خانے کے پُراسرار ماحول میں اس کے جیون کا کوئی انگ بھی بند ہے جسے آج تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔ اس کا چھوٹا سا بچہ سب سے بے نیاز مٹی کے گھروندے بنا رہا تھا۔ ماں رو رہی تھی مگر وہ معصوم نہیں جانتا تھا کہ ان پر کون سی قیامت گزرنے والی ہے۔ اس بچے کو دیکھ کر لکشمی کو ننھی کرن اور عمر شدت سے یاد آئے جنہیں وہ مٹھائی لانے کا لالچ دے کر گھر چھوڑ آئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کاش کوئی ایسا فرشتہ مل جائے جو اپنی اَن دیکھی روحانی شکتی کے زور پر علی کو جیل سے باہر لے آئے۔ اس عورت کے چاروں طرف کچھ تماشائی جمع ہو گئے تھے۔ ایک غیر واضح سی بھنبھناہٹ گونج اٹھی، کسی نے کہا۔ ''بے چاری رو رہی ہے۔'' اور کسی نے کہا۔ ''صبر کرو، اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔'' ایک معمر شخص اسے صبر کی تلقین کر رہا تھا۔

وہ سوچنے لگی۔ ''کسی بھی چیز کی تلقین کرنا کتنا آسان کام ہے۔ کیا ہمدردی کے اس ہوائی مرہم سے گھاؤ بھر جاتے ہیں؟''

تھوڑی دیر بعد دوسری عورت کے پتی کی لاش جیل سے باہر لا کر اس کے حوالے کر دی گئی اور چند کاغذات پر لاش کی وصولی کے دستخط کروا لئے گئے۔ اس وقت اس عورت کی حالت دیدنی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کی بات تھی، ہاں تھوڑی دیر پہلے کی مگر یوں لگ رہا تھا مانو زمانہ گزر گیا ہو..... جیسے پچھلے جنم کا کوئی دھندلا خواب ہو۔ کچھ دیر پہلے وہ سہاگن تھی اس کی مانگ میں سیندور کی لال لکیر چمک رہی تھی اور کلائیاں چوڑیوں سے بھری ہوئی تھیں لیکن چند لمحوں میں اس کم نصیب نے صدیوں کا سفر طے کر لیا تھا۔ بیوی سے بیوگی تک کا لامتناہی فاصلہ، اس کا مستقبل، اس کا جیون، اس کا سہاگ اور بچوں کا مستقبل ہر چیز کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔

لکشمی سوچ رہی تھی ایک ایک لمحہ خود اس کے سہاگ کو پیچھے چھوڑتا ہوا تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اس کلموہی گھڑی کے حساب سے وہ بھی چند دنوں یا ہفتوں کے بعد لٹ جائے گی۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ کاش! وقت تھم جائے اور یہ چند روز کا سفر جیون بھر پورانہ ہو۔ اُف! یہ تصور کتنا سہانا تھا مگر تلخ حقائق کچھ اور کہہ رہے تھے۔ وہ انہی خیالات میں گم تھی کہ سرکاری حکم ملا۔ بان سے مل سکتے ہو.....

غالباً یہ آخری ملاقات ہوگی۔ اس نے سوچا آخری وقت بچوں کو بھی اپنے باپ سے ضرور ملنا چاہئے۔ اس نے اپنے سسر سے کہا۔ ''ابا! آپ جا کر کرن اور عمر کو لے آئیں، ذرا جلدی سے۔''

کمال الدین جلدی سے گاڑی میں بیٹھے اور تقریباً آدھ گھنٹے کے اندر کرن کو لے کر آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ عمر گہری نیند سویا ہوا تھا اس لئے میں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے کرن کی انگلی پکڑی اور جیل کی ڈیوڑھی میں پہنچ گئی۔ جیلر نے کہا۔

''بڑے میاں! آپ یا اس خاتون میں سے صرف ایک ملزم سے مل سکتا ہے۔''

کمال الدین نے کہا۔ ''بیٹی! تم کرن کے ساتھ مل آؤ۔ میں باہر انتظار کرتا ہوں۔ ویسے بھی مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ علی کو دیکھ سکوں۔''

لکشمی جانتی تھی کہ اب یہ سب کچھ اوپری دل سے کہہ رہے ہیں ورنہ وہ جتنا علی کو چاہتے تھے اس کا اندازہ بھی کرنا مشکل ہے لیکن وہ چاہتے تھے کہ لکشمی ان کی بجائے علی سے مل آئے۔ بہرحال لکشمی جیل کے اندر داخل ہوگئی، ساتھ ہی جیلر تھا اور گود میں بچی۔ کئی دروازوں سے گزرتی ہوئی ایک کال کوٹھڑی، کوٹھڑی کیا جہنم کے دروازے پر کھڑی کر دی گئی۔ موٹی موٹی سلاخوں کے اس پار وہ تھے۔ داڑھی اور سر کے لمبے بالوں میں ان کا چہرہ چھپا ہوا

تھا۔ جسم سوکھ کر کانٹا ہو چکا تھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ وہ دروازے کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ لکشمی اس پار کھڑی روتی رہی۔ جیلر نے کہا۔

''تیس منٹ ٹھہرنا ہوگا، باتیں کرلو۔''

وہ کیا باتیں کرتی، جن سے رات رات بھر باتیں کرتے جی نہیں بھرتا تھا ان سے اس وقت کوشش کے باوجود بات نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا بات کرے؟ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب انسان کی یہ حالتِ زار...... جس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان تھا اور اس نے بھارت کے سیکولر معاشرے میں ایک ہندو لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ کس قدر بڑا جرم تھا...... انہوں نے ہی سکوت توڑا۔

''عمر کیسا ہے، ساتھ کیوں نہیں لائیں؟''

اس نے بتایا۔ ''باہر پھاٹک پر ہے۔''

دوبارہ سوال کر ڈالا۔ ''ابا کیوں نہیں آئے، ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

اس نے کہا۔ ''وہ بھی باہر موجود ہیں، اندر آنے کی اجازت نہیں ملی۔'' پھر سناٹا، وہ چپ چاپ کھڑی روتی رہی۔ ان کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔ پھر علی نے حوصلہ کر کے کہا۔

''چھی...... روتی ہو...... اس جنم میں پھر ملنا ہو گا۔'' وہ آواز کے ساتھ رونے لگی۔ دھیرج کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بولے۔ ''مجھے آخری وقت مزید دکھی نہ کرو۔ آرام سے مرنے دو۔ ہاں ذرا قریب تو آنا بچی کا چہرہ اچھی طرح دیکھ لوں...... اندھیرے میں رہتے رہتے بینائی بھی کمزور ہو گئی ہے۔'' کتنی اذیت تھی ان الفاظ میں، کتنی لاچاری تھی۔ آہ اگر دیوار کے پتھروں کے کان ہوتے تو وہ پگھل اٹھتے اور تھوڑا سا سرک کر علی کے لئے جگہ بنا دیتے۔ سہمی سہمی ایک قدم آگے بڑھی۔ سنتری نے ڈانٹا۔ ''بس، دروازے سے ایک فٹ دور رہو۔'' وہ سہم کر کھڑی ہو گئی۔ علی نے بے بسی اور طیش کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ سنتری کی طرف دیکھا اور قدرے اونچی آواز میں بولے۔

''او بھلے آدمی! کیوں آدمیت کے ماتھے پر کلنک بنتے ہو، تمہارے بھی تو بچے ہوں گے۔'' وہ ہانپتے ہوئے نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ روتے روتے لکشمی کی گھگی بندھ گئی۔ کرن بھی ابو، ابو کہہ کر [illegible] پڑی۔ لکشمی نے علی سے کہا۔

''سچ ہے کہ بھارت کی سبھی عدالتوں کے دروازے ہم پر بند ہو گئے ہیں اور پھانسی کی ٹکٹکی تمہیں اپنی طرف کھینچنے لگی ہے۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ سے تمہاری اپیل خارج ہو چکی ہے لیکن چند مخلص احباب نے مجھے راشٹر پتی بھون کی راہ دکھلائی ہے۔ تمہیں علم ہے کہ

پیاسا تاروں سے بھرے آکاش کی سمت اسی امید پر دیکھتا ہے کہ شاید آکاش گنگا سے ایک آدھ جیون رس کی بوند ٹپک پڑے۔ امید کا کوئی انت نہیں ہوتا ہمیں دہلی کے اونچے ایوانوں کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھنا چاہئے۔ سنا ہے راشٹر پتی جی بڑے رحمدل اور دیالو ہیں۔ ہمیں رحم کی اپیل ضرور کرنی چاہئے کیونکہ راشٹر پتی کی دیا کی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں اور ویسے بھی یہ بے نام سی آس قطعی غلط نہیں کیونکہ صدر نیلم بیٹھی ریڈی کافی نرم دل شخص ہیں اور سنجے گاندھی کی حادثاتی موت کے بعد شاید وزیر اعظم اندرا گاندھی کی شخصیت کا کوئی نرم گوشہ بیدار ہو چکا ہو۔ میں آج ہی وکیل صاحب سے مل کر اپنی طرف سے رحم کی اپیل دائر کروں گی۔''

علی نیم خوابیدہ آنکھوں سے اس کی یہ ساری گفتگو سنتا رہا اور پھر اس کے چہرے پر پھیکی مگر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''لکشمی! تم خوابوں کی دنیا میں رہنے والی ایک معصوم روح ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس ''مہان'' بھارت میں رحم اور ہمدردی کا مستحق صرف ہندوؤں کو گردانا جاتا ہے۔ وہ بھی اونچی ذات کے ہندو۔ وگرنہ باقی تمام مخلوق یہاں جانوروں سے بدتر سلوک سہہ رہی ہے۔ یہاں پرندوں اور چرندوں کو مارنا تو مہا پاپ اور جیو ہتیا کے زمرے میں آتا ہے مگر انسانوں کے شکار پر کوئی پابندی نہیں بلکہ ہر سال کئی مرتبہ ریاستی سرپرستی میں غیر ہندوؤں کا شکار انفرادی اور قومی مشغلہ بن چکا ہے۔ بہر حال اگر تم مزید کچھ روز خود فریبی کا شکار ہونا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔''

اسی وقت جیلر نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''باہر نکلو۔''

علی نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانک رکھا تھا۔ لکشمی نے انہیں الوداعی سلام کیا مگر وہ خاموش رہے۔ رونی آواز میں بچی بولی۔ ''ابو جی! ماں روتی ہے۔''

انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''بیٹی! خدا تمہاری حفاظت کرے۔'' اتنا کہہ کر وہ اٹھے اور لکشمی سے بولے۔ ''فکر مت کرنا، مجھے بھول جانے کی کوشش کرنا۔ ذرا میری طرف سے میرے سامنے ہی بچی کو تو پیار کرو اور ہاں اسے سکھی رکھنا، یہ پرائے گھر کی امانت ہے۔'' اتنا کہتے کہتے وہ بچوں کی طرح رو پڑے۔ وہ بھی بے سدھ سی ہو گئی۔ جیلر نے پلٹ کر کہا۔

''چلو سنتری!'' وہ بھی چل پڑی۔ منہ دوسری طرف کر کے سنتری نے انگلیوں کے پوروں سے اپنی آنکھوں کو پونچھ ڈالا۔ اس قسم کے واقعات مسلسل دیکھنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں پتھرا چکی تھیں۔ مگر کبھی کبھی پتھر بھی تو پگھل جاتے ہیں۔ جیل کی ڈیوڑھی کے باہر کمال الدین بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں چھلچھلا اٹھیں۔ اپنے

سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولے۔

''کیسا ہے میرا علی؟'' پھر جیسے انہوں نے اس کے چہرے پر اپنے سوال کا جواب تلاش کر لیا تھا۔ اس لئے مزید کوئی سوال نہ کیا۔ کرن کو گود میں اٹھا کر گاڑی کی طرف چل پڑے۔ لکشمی نے راستے میں ہی وکیل کے دفتر کے سامنے گاڑی رکوائی اور وکیل کو کہا کہ رحم کی اپیل بھجوا دے۔ وہاں کافی دیر لگ گئی۔ جب وہ واپس گھر پہنچے تو ننھا عمر تقاضا کرنے لگا کہ ابو کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟ اسے بڑی مشکل سے بہلایا گیا۔

اس ساری صورتِ حال کا ذمہ دار لکشمی اپنے آپ کو گردانتی تھی۔ نہ وہ علی سے شادی کرتی اور نہ یہ کنبہ اس حالت کو پہنچتا۔ اس نے اس بات کا اظہار کمال الدین سے بھی کیا۔ جواب میں وہ بولے۔

''بیٹی! ایسی باتیں کر کے مجھے مزید دکھی نہ کرو۔ اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔ تم تو عزم و ہمت اور نیک سیرتی کا بلند مینار ہو۔ خدا پر بھروسا رکھو وہ ہمارے مصائب کا خاتمہ ان شاء اللہ ضرور کرے گا۔''

وہ کمرے سے باہر آ کر بالکونی میں کھڑی ہو گئی۔ دور پہاڑوں کے پیچھے سورج غروب ہو رہا تھا۔ چھوٹے بڑے پرندے اپنے ٹھکانوں کی طرف محوِ پرواز تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ ان چھوٹے چھوٹے فضول سے گھونسلوں میں ایسی کون سی کشش ہے جو ان خوشنما اور بدصورت ہر قسم کے پرندوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ چند بے وقعت سے تنکوں کے بنے ہوئے یہ ٹھکانے اپنے اندر کون سی خوبی رکھتے ہیں؟ تو کیا..... ہم انسان ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اس گھروندے کا باسی دور سلاخوں کے پیچھے بند ہے۔ وہاں بھی یہی آسمان ہو گا اسی دھرتی کی سوندھی چھاتی پر ہی اس قید خانے کی بنیادیں رکھی گئی ہوں گی۔ نہ جانے وہ کب تک ان بے معنی خیالات میں کھوئی رہتی اگر بچے اسے یاد نہ دلاتے کہ رات کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔

○.....❖.....○

وہ ہوٹل کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں قدرے بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے جیب سے سگریٹ نکالی اور اسے سلگانے کے بعد بے خیالی کے عالم میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ باہر سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی۔ یہ ہوٹل بڑی چوبڑ کے علاقے میں واقع تھا۔ کھڑکی میں سے محل کی قدیم لیکن پُراسراری عمارت بخوبی نظر آ رہی تھی جس سے متصل راجستھان صوبائی اسمبلی کی عمارت اپنی خوبصورتی کی بناء پر الگ تھلگ سی لگ رہی تھی۔ وہ قدرے محویت کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھنے لگا۔ کیونکہ وہ پہلی بار

جے پور آیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے اپنا زیادہ وقت دہلی میں ہی گزارا تھا۔ وہ پچھلے دو برس سے بھارت میں مقیم تھا اور اپنے مختلف فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس عرصے کے دوران وہ چند بار ہی پاکستان گیا تھا۔ اب بعض نامعلوم وجوہات کی بناء پر اسے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے ساتھی جلال کے ساتھ جے پور پہنچے اور فی الحال وہاں کے ماحول سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ مزید احکامات انہیں بعد میں ملیں گے۔ اس کے فرائض کی نوعیت کچھ اس قسم کی تھی کہ اسے اکثر اسی طرح کی مبہم اور غیر واضح ہدایات پر عمل کرنا پڑتا تھا۔ وہ اور جلال اسی گزشتہ شام جے پور پہنچے تھے اور ہوٹل ''امبر'' کے روم نمبر 30 اور 31 میں مقیم تھے۔ وجے (جلال) غالباً ابھی سویا ہوا تھا اور وہ اس کے انتظار میں بیٹھا سگریٹ نوشی میں مصروف تھا۔ تپائی پر رکھا ایش ٹرے اس بات کا مظہر تھا کہ وہ سگریٹ پینے کے معاملے میں اعتدال پسندی سے کوسوں دور ہے۔ وہ دراز قد اور کسرتی جسم کا مالک تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور 24، 25 سال کا ایک سمارٹ سا نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے ہی سے لگ رہا تھا کہ بظاہر وہ ایک لاابالی سا نوجوان ہے۔ بے تکلفی سے کرسی گھسیٹتے ہوئے بولا۔

''شریمان عمر خاں صاحب! کہئے رات کیسی گزری؟''

پہلے سے موجود دراز قد شخص غصے سے بولا۔ ''وجے! تمہیں کتنی بار کہا ہے محتاط رہا کرو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تمہیں پتہ ہے میں عمر نہیں بلکہ امر ہوں..... امر سنگھ۔''

''سوری یار!'' وجے بولا۔ ''بے خیالی میں تمہارا اصل نام منہ سے نکل گیا تھا۔''

''تمہاری یہ بے خیالی کسی وقت کوئی نہ کوئی گل کھلائے گی۔ خیر چھوڑو ناشتے کے بعد کیا پروگرام ہے؟''

وجے بولا۔ ''پہلے تو زوردار سا ناشتہ منگواؤ۔ تمہیں پتہ ہے خالی پیٹ مجھے دوبارہ نیند آنے لگتی ہے۔'' امر سنگھ نے ویٹر کو بلا کر ناشتے کا آرڈر دیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وجے نے اطمینان سے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں مہاراج! اب بتاؤ کیا کہہ رہے تھے؟''

امر سنگھ نے قدرے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''وجے تمہیں معلوم ہے ہم یہاں سیر کرنے کے لئے نہیں آئے ہوئے، کچھ تو سنجیدگی اختیار کرو۔''

یہ سن کر وجے واقعی سنجیدہ ہو گیا اور بولا۔ ''امر سنگھ جی! پہلی بات تو یہ ہے کہ ابھی ہمیں یہی معلوم نہیں کہ ہمارے یہاں قدم رنجہ فرمانے کا اصل مقصد کیا ہے۔ البتہ ایک بات طے ہے کہ یہاں ہوٹل میں پڑے رہنے سے تو کچھ ہو گا نہیں۔ ویسے بھی ہوٹل میں زیادہ عرصہ رہنا

خطرے سے خالی نہیں۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ کسی بھی غیر معمولی واردات کے بعد پولیس سب سے پہلے ہوٹلوں کا ہی رخ کرتی ہے اور یہاں ٹھہرے ہوئے افراد کا شجرہ نسب جاننے کی کوشش کرتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے تو ہمیں ہوٹل چھوڑ کر کوئی دوسرا محفوظ ٹھکانہ ڈھونڈنا ہوگا۔ باقی سب کچھ بعد میں دیکھا جائے گا۔''

امر سنگھ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ''چلو پہلے تو کوئی مکان کرایہ پر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی بہانے جے پور کی سیر ہو جائے گی۔''

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کپڑے بدل کر ہوٹل سے باہر نکلے۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ گھومنے کے لئے ٹیکسی وغیرہ سے سائیکل ر زیادہ مناسب رہے گا۔ ایک ادھیڑ عمر منحنی سے ر والے نے اصرار کر کے انہیں اپنے ر پر بٹھا لیا۔ انہوں نے اسے یہی بتایا تھا کہ وہ جے پور پہلی بار آئے ہیں اور مقصد صرف سیر و تفریح ہے۔ رکشہ ڈرائیور انہیں چاند پور گیٹ کے اندر لے گیا تا کہ وہ مکمل تفریح کر سکیں۔ اس بازار کو دیکھ کر وجے ر والے پر برس پڑا۔

''ابے گدھے ہمارا مقصد یہ والی تفریح نہیں ہے، ہم صرف سیر کرنا چاہتے ہیں۔''

ر اڈرائیور مسکین سی صورت بناتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''بابو جی! مجھے شما کر دیں۔ میں ان صاحب (امر سنگھ) کو دیکھ کر یہی سمجھا تھا کہ آپ اسی منزل کے مسافر ہیں۔''

امر سنگھ غصے سے اسے گھورنے لگا۔

وجے نے امر سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔ ''مسٹر سنگھ! دیکھ لی اپنی شناخت۔ آپ جناب کو دعویٰ تھا کہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔''

امر سنگھ بولا۔ ''بکو مت۔ ڈرائیو! ہمیں سوائی مان سنگھ گارڈن لے چلو۔''

تھوڑی دیر بعد وہ اس خوبصورت باغ میں پہنچ گئے۔ اس وسیع و عریض باغ میں تاریخی سوائی مان سنگھ محل بھی تھا۔ جو ہندو اور مغل فنِ تعمیر کا خوبصورت امتزاج تھا۔ باغ کے اندر ہی چھوٹا سا چڑیا گھر بھی تھا۔ اس کے بعد رکشے والا انہیں جنتر منتر کی طلسماتی عمارت دکھانے لے گیا۔ سائیکل ر اڈرائیور ''رامو'' انہیں ادر گرد کی عمارتوں اور سڑکوں کے حسب و نسب سے بھی آگاہ کرتا جا رہا تھا۔ ر اکے پیچھے بیٹھے ہوئے انہیں کچھ شرمندگی سی بھی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ اس بیسویں صدی میں بھی انسان کو بار برداری کے جانور کے طور پر استعمال ہوتے دیکھ کر انہیں عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی بھارت کی اقتصادی اور سماجی ترقی کے تمام دعوے مشکوک سے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے رکشے والے سے اس کا اظہار بھی کیا لیکن اس نے جواب میں جو کچھ کہا وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھا۔ اس نے کہا۔

''مہاراج! اگر سب لوگ یہی سب کچھ سوچ کر میرے رکشے میں نہ بیٹھیں تو میں شام کو اپنے بال بچوں کو کیا کھلاؤں گا۔ یہ کیسی ہمدردی ہے جو آپ مجھ سے کرنا چاہتے ہیں۔'' یہ سن کر وہ چپ ہو گئے لیکن سخت دھوپ میں ڈرائیور کا بہتا پسینہ احترام آدمیت کے سارے فلسفے کو متزلزل کر گیا تھا لیکن غالباً یہ احساس صرف ان کی ذات تک محدود تھا۔ وگرنہ چاروں طرف ہر شخص بے نیازی سے اپنے آپ میں مگن تھا۔ ہنومان مندر کے درشن کرتے ہوئے جب انہوں نے سرخ سفید چٹیا دھاری پنڈت کو دیکھا تو انہیں بے اختیار مدقوق سا ر اڈرائیور ''رامو'' یاد آ گیا۔ وجے کہنے لگا۔

''امر سنگھ! مجھے لگتا ہے جیسے ان شاندار مندروں کے حسن و جمال میں ان ں ر برہمنوں کا کفارہ چھپا ہوا ہے۔''

وہ پورا دن انہوں نے سیر و تفریح میں گزارا اور جے پور کا چپہ چپہ چھان مارا۔ چند مزید روز اسی چکر میں گزر گئے۔ اس کے بعد انہوں نے جے پور کے گرد و نواح کی خاک چھاننا شروع کر دی اور آخر فیصلہ ہوا کہ جے پور سے تقریباً پندرہ میل دور ''دوسہ'' میں رہائش اختیار کی جائے۔

جے پور دہلی ریلوے لائن پر یہ جے پور سے تیسرا اسٹیشن تھا۔ چند روز کی کوششوں کے بعد تین کمروں پر مشتمل چھوٹا سا مکان حاصل کر لیا گیا۔ ارد گرد انہوں نے یہی بتایا تھا کہ وہ آکاش انشورنس کمپنی کے سیلز آفیسر ہیں اور اپنے دفتر کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش کے لئے یہاں آئے ہیں۔ چند ہی ہفتوں میں گرد و پیش کے کئی افراد ان کے حلقہ احباب میں داخل ہو گئے۔ وہ شام کو اپنا زیادہ وقت جمنا ہوٹل میں بیٹھ کر گزارتے۔ جو قدرے کھلی جگہ پر تھا اور اس کے چھوٹے سے خوبصورت لان میں شام کے وقت خاصی رونق رہتی تھی۔ لان میں بید کی کرسیاں ڈالی ہوئی تھیں۔ جہاں کچھ لوگ چائے سے حظ اٹھاتے تھے۔ جبکہ اکثریت مے کو مبارک چیز سمجھتے ہوئے جام کے جام لنڈھاتی رہتی تھی۔

اس ہوٹل کے ساتھ ہی کافی بڑی حویلی تھی۔ عمارت کبھی خوبصورت رہی ہو گی مگر اب مکینوں کی بے توجہی یا کسی اور سبب سے کسی حد تک ویرانی کا منظر پیش کرتی تھی۔ ایک شام وجے اور امر سنگھ ہوٹل کے لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے جبکہ ان کے سامنے کی میز پر دوسہ کا سب سے بڑا بدمعاش منا لعل شراب نوشی میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ اس کے پانچ حواری بھی خرمستیوں میں مشغول تھے۔ ساتھ والی حویلی سے ایک پرانی سی کار نکلی جسے ایک باوقار سی عورت ڈرائیو کر رہی تھی۔ ہوٹل کے عین سامنے آ کر کار رک گئی۔ عورت تھوڑی دیر

اسٹیئرنگ پر بیٹھی چابی گھماتی رہی پھر نیچے اتر کر کار کا بونٹ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ غالباً انجن میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ سامنے بیٹھے منا لعل نے شراب کی نئی بوتل کھولتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''سالی کے سارے کس بل نکل گئے ہیں۔ چلی تھی مسلمان ہونے۔'' اس کی آواز کافی بلند تھی۔ اس لئے سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ آواز عورت کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی کیونکہ اس نے قہر آلود نگاہوں سے منے لعل کی طرف دیکھا۔ منے لعل نے پہلے سے بھی بلند آواز میں کہا۔ ''حرامزادی دیکھتی ایسے ہے جیسے کھا ہی تو جائے گی۔ رسی جل گئی مگر ابھی تک بل نہیں گیا۔ ٹھہر ذرا آج تو میں تمہاری ساری مسلمانی نکال کر دم لوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

○ ... ❖ ... ○

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

باب:2

منے لعل کے کھڑے ہوتے ہی چاروں طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ سبھی لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جو بہکے ہوئے قدموں کے ساتھ اس کار والی عورت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسی دوران وجے نے امر سنگھ کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو ایک دوسرے کی نگاہوں میں سوالیہ انداز سے جھانکنے لگے۔ دونوں کے چہرے پر الجھن کے آثار بڑے نمایاں تھے۔ اس کی وجہ بھی صاف ظاہر تھی کیونکہ دونوں ہی نے آنے والے لمحات کا اندازہ لگا لیا تھا لیکن الجھن صرف اس بات کی تھی کہ اس موقع پر ان کا اپنا کردار کیا ہوگا؟ دونوں کو بخوبی علم تھا کہ انہیں سختی سے یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ اپنے مشن کے دوران وہ کسی قسم کی غیر ضروری حرکت کے مرتکب نہیں ہوں اور کوئی بھی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے وہ عام لوگوں کی نگاہ کا مرکز بن جائیں۔ اپنی تمام تر توانائیاں صرف اپنے مقصد کے حصول تک محدود رکھیں اور جلد از جلد اس بات کا پتہ لگائیں کہ پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کے اصل ذمہ دار عناصر کی جڑیں کہاں پر ہیں اور دہشت گردی کے ذریعے بے گناہ پاکستانی عوام کی جانوں سے کھیلنے والے گوریلوں کو کہاں پر تربیت دی جاتی ہے اور اس معاملے میں بھارتی حکام جو گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں اس کے دستاویزی ثبوت فراہم کئے جائیں تاکہ بین الاقوامی برادری کے سامنے دنیا کی اس سب سے بڑی ''جمہوریت'' کی قامت کی درازی کا بھید کھل سکے۔

بہرحال موجودہ صورتِ حال نے اچانک ہی جو رخ اختیار کر لیا تھا اس کی وجہ سے وہ دونوں تذبذب کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔ اسی دوران منا لعل اس عورت کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ عورت نے بھی غالباً صورتِ حال کی سنگینی کو محسوس کر لیا تھا اس لئے جلدی سے کار کا بونٹ گرا کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی تھی اور کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کسی خرابی کی بدولت گاڑی اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔ منا لعل پاس کھڑا تھوڑی دیر تک عورت کو گہری نظروں سے دیکھتا رہا اس کی آنکھوں میں چھائی ہوئی شیطنت بڑی واضح تھی پھر اس

نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے کار کا دروازہ کھولا اور بازو سے پکڑ کر عورت کو باہر کھینچ لیا۔ عورت نے حتی الامکان مدافعت کی کوشش کی تھی لیکن اس کمزور عورت کی اس سانڈ کے سامنے کیا حقیقت تھی۔ اس لئے اس کے کھینچنے پر وہ گاڑی سے باہر سڑک پر گری اور چند ثانیوں بعد کھڑی ہوگئی۔ اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بھائی! میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ آخر مجھے کس جرم کی سزا دینا چاہتے ہو؟'' یہ سن کر منالعل کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ پڑا۔ گالی دیتے ہوئے بولا۔

''تم اپنا اپرادھ پوچھ رہی ہو۔ یہ پوچھو کہ تم نے کون سا جرم نہیں کیا۔ تم نے ہم سب ہندوؤں کے منہ پر کالک مل کر اس دوکوڑی کے مسلمان سے شادی رچائی اور ابھی تک اس کے غم میں ہلکان ہوئی جاتی ہو۔ تم نے پوری ہندو جاتی کا اپمان کیا ہے اور اس کی سزا میں تمہیں دے کر رہوں گا۔ وہ گھٹیا پروفیسر تو جلد ہی پھانسی کے پھندے پر لٹک جائے گا۔''

یہ سن کر عورت بولی۔ ''خدا کے لئے ایسی منحوس بات اپنی بے ہودہ زبان سے نہ نکالو۔ خدا کرے انہیں میری عمر بھی لگ جائے۔''

یہ سنتے ہی منالعل پر شیطانی جنون طاری ہوگیا۔ اس نے ایک زوردار تھپڑ عورت کے منہ پر رسید کیا جس سے اس کے ہونٹوں سے خون رسنے لگا۔ وہ بری طرح سہم گئی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے لوگوں کے ہجوم کی طرف دیکھا لیکن اکثر نگاہوں میں اس کے لئے ہمدردی کی بجائے حقارت کے آثار تھے۔ عورت کے چہرے پر بے بسی اور طیش کی ملی جلی کیفیت عیاں تھی۔ منالعل اسے بازو سے پکڑ کر اپنی گاڑی کی طرف گھسیٹنے لگا۔ تبھی عورت نے غالباً ہر طرف سے مایوس ہو کر اوپر آسمان کی طرف شکایتی نگاہوں سے دیکھا۔ شاید اسے یقین ہو چلا تھا کہ اب خدا کے سوا کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ وہ حتی الامکان مزاحمت بھی کر رہی تھی، چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی مگر اتنے بڑے مجمع میں سے کوئی بھی اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھا۔ اس کی ڈری ڈری نظریں بہ زبان خموشی انسانوں کے اس ہجوم سے سوال کر رہی تھیں۔

''کہ دنیا کے پہلے شخص کا نام تو آدمی رکھا گیا تھا مگر بیسویں صدی کے نصف آخر میں بھارت کے ان جنونی ذی روحوں کے لئے (جو اپنے کو ہندو کہلاتے ہیں) بھی کیا یہی نام تجویز کیا جا سکتا ہے۔'' امر سنگھ اور وجے کافی دیر سے اپنے اوپر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اب صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہوگئی تھی۔ تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر امر سنگھ اچانک کھڑا ہوگیا۔ وجے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس سے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن امر سنگھ کی آنکھوں میں چھائی ہوئی خوفناک چمک نے اسے کچھ کہنے سے باز رکھا۔ وجے سمجھ گیا

تھا کہ سب کچھ بھول کر اب امر سنگھ مداخلت پر اتر آیا ہے اور اسے روکنا اب ناممکن ہے۔ امر سنگھ نپے تلے قدموں سے منالعل کی طرف بڑھا اور پاس جا کر سرد لہجے میں بولا۔

''اس عورت کو چھوڑ دو اور اسے جانے دو۔''

منالعل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور استہزائیہ انداز میں بولا۔ ''اے کیا بک رہے ہو جانتے ہو تم کس سے مخاطب ہو؟ مچھر کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔''

امر سنگھ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں دوبارہ کہہ رہا ہوں اس کو چھوڑ دو۔'' عورت کے چہرے پر کسی قدر زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ باقی سب لوگ صورت حال کی اس ڈرامائی تبدیلی کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کچھ نگاہوں میں امر سنگھ کے لئے افسوس اور ترحم کے جذبات بھی تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تھوڑی دیر بعد اس جوان شخص کو اپنی اس جرأتِ رندانہ کے سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے اور اگر جان سے بچ بھی گیا تو اسٹریچر پر ڈال کر ہسپتال ضرور لے جایا جائے گا۔

منالعل رک کر گہری نظروں سے امر سنگھ کو جانچنے لگا اس کے پانچوں ساتھی بھی پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ منالعل پھر گویا ہوا۔ ''کیا یہ تمہاری بہن لگتی ہے؟''

امر سنگھ بدستور سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''یہ میری بہن ہے یا بیٹی، اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ میں آخری بار تمہیں کہہ رہا ہوں اسے چھوڑ دو اور اپنا راستہ ناپو۔''

اب شاید منالعل کو بھی صورتِ حال کی سنجیدگی کا احساس ہو چلا تھا، وہ عورت کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے نخوت بھرے انداز میں بولا۔ ''اس سے تو میں بعد میں بھی نپٹ لوں گا، پہلے تمہیں دیکھ لوں تم کتنے پانی میں ہو؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی واسکٹ کی جیب سے چاقو نکال لیا۔ خنجر نما چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ فضا میں بکھر گئی۔ چاقو والا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور اس نے امر سنگھ پر وار کر دیا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اس نے سب کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔

امر سنگھ نے چاقو والے ہاتھ کی کلائی اپنے ایک ہاتھ سے پکڑ رکھی تھی اور منالعل اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے پورا زور لگا رہا تھا لیکن امر سنگھ یوں اطمینان سے کھڑا تھا جیسے اس نے کسی شیر خوار بچے کا ہاتھ پکڑا ہوا ہو۔ اس دوران وہ اپنی میز پر اطمینان سے بیٹھا رہا تھا۔ اسے بخوبی علم تھا کہ امر سنگھ دو چار آدمیوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔ منالعل کا چہرہ غصے اور شرم کے مارے لعل بھبھوکا ہو رہا تھا اور وہ پوری طرح سے اچھل کود کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کر رہا تھا۔ اس کے ساتھی بھی کچھ دیر تک متحیر ہو کر اپنے استاد کی حالت زار کا مشاہدہ کرتے رہے لیکن تب اچانک انہیں ہوش آیا اور ان میں سے ایک نے اپنی جیب سے پستول نکالا۔

قریب تھا کہ وہ امر سنگھ پر گولی چلا دیتا لیکن پلک جھپکنے میں امر سنگھ نے منے لعل کو گردن سے پکڑ کر اپنے سامنے کر لیا اور اس کے ہاتھ سے چاقو چھین کر اس کی شہہ رگ پر رکھ دیا اور بولا۔

''اپنے آدمیوں سے کہو، پستول وغیرہ پھینک دیں ورنہ تمہاری گردن دھڑ سے الگ ہونے میں قطعاً دیر نہ لے گی۔'' منے لعل نے حکم کی تعمیل کی سبھی لوگ یہ منظر بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔ امر سنگھ نے منے لعل کو دھکا دے کر اپنے سے الگ کیا اور بولا۔

''مجھے آشا ہے کہ تم آئندہ ایسی حرکت نہیں کرو گے۔ اس بار تو میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا لیکن ضروری نہیں کہ مستقبل میں بھی میرا رویہ یہی رہے۔'' وہ عورت پاس کھڑی امر سنگھ کو ممنون نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ امر سنگھ نے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

''جاؤ بہن! اب تمہیں یہ کچھ نہیں کہے گا۔'' عورت کی آنکھیں شدتِ جذبات سے ڈبڈبا گئیں۔

''آپ نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اس کا صلہ تو صرف خدا ہی آپ کو دے سکتا ہے۔ مجھ نصیبوں جلی کے پاس تو محض شکریے کے الفاظ ہی ہیں۔ میرا گھر یہاں پاس ہی ہے اگر آپ کسی وقت وہاں تشریف لا سکیں تو میرے بچے اور بوڑھا باپ بھی اپنے محسن کا شکریہ ادا کر سکیں گے۔'' امر سنگھ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''بہن! میں وہاں ضرور آؤں گا تم خاطر جمع رکھو۔''

عورت نے جاتے ہوئے کہا۔ ''بھیا! آپ نے مجھے بہن کہا ہے، مجھے یقین ہے آپ نے اس لفظ کی مکمل حرمت کے ساتھ اسے استعمال کیا ہے۔ میں امید رکھوں گی کہ ہندو ہونے کے باوجود آپ اچھے انسان بھی ثابت ہوں گے۔''

امر سنگھ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ان کاٹ دار باتوں کا کیا جواب دے۔ بہر حال اس نے کہا۔ ''خاتون! اچھے اور برے لوگ ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ اب تم جاؤ اور کسی میکینک وغیرہ کو بھجوا کر گاڑی منگوا لو۔'' اس دوران منے لعل سمیت سبھی اسے حیرت سے تک رہے تھے۔ امر سنگھ واپس اپنی میز پر آ کر اس اطمینان سے بیٹھ گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ وجے بولا۔

''استاد! آج تو خوب رنگ جمایا۔'' لیکن امر سنگھ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں یقیناً حیرانی کا سامنا کرنا پڑا جب منا لعل آ کر پاس کھڑا ہو گیا اور بیٹھنے کی اجازت چاہی۔ امر سنگھ نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور وجے کو کہا کہ اس کے لئے بھی چائے منگواؤ۔ چائے خاموشی سے پی گئی بعد میں اچانک منے لعل ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''شریمان جی! مجھے معاف کر دیں، آپ تو کوئی بڑی پہنچی ہوئی شخصیت ہیں۔ میں نے آج سے آپ کو اپنا گرو تسلیم کر لیا ہے۔ آپ انسان نہیں کوئی دیوتا ہیں۔ کسی انسان میں اتنی شکتی اور دھیرج نہیں ہو سکتا۔''

یہ سن کر امر سنگھ نے اسے ٹوکا۔ ''فضول باتیں نہ کرو، میں کوئی دیوتا وغیرہ نہیں محض ایک شریف آدمی ہوں اور یاد رکھو! ہر شریف آدمی دیوتا ہوتا ہے۔ شرافت بذات خود سب سے بڑی شکتی ہوتی ہے۔''

لیکن منے لعل کا اصرار تھا کہ امر سنگھ اسے اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرے۔ منے کی اس کایا پلٹ نے وجے کو حیران کر دیا تھا۔ اسے یقین کی حد تک یہ شبہ تھا کہ منے لعل کی اس ریاکارانہ خوشامد کے پس پردہ کچھ مخصوص عوامل کارفرما ہوں گے۔ پھر اس نے سوچا کہ فضول مغزماری کا کیا فائدہ جو کچھ ہو گا سامنے آ جائے گا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے مکان میں واپس آ گئے۔ وہاں آ کر بھی موضوع گفتگو آج کا واقعہ ہی رہا۔

امر سنگھ کا خیال تھا کہ شاید منا لعل منافقت کا مظاہرہ کر رہا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ ان کے اصل مشن کی تکمیل میں کافی معاونت کر سکتا ہے۔ دوسرے روز ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر وجے بولا۔

''استاد! آج کا کیا پروگرام ہے؟''

جواب میں امر سنگھ بولا۔ ''فی الحال تو اس مظلوم عورت کے مکمل حالات جاننے کا تجسس ہے۔ کافی حد تک تو کل منے لعل کی باتوں سے اندازہ ہو گیا تھا۔ باقی حالات سے آگاہی بھی ضروری ہے۔''

اس وقت ان کے پڑوسی اور مالک مکان پنڈت دیانند تشریف لے آئے۔ پنڈت جی ساٹھ ستر کے پیٹے میں تھے لیکن صحت قدرے بہتر تھی۔ دونوں بیٹے شادیاں کرا کر الگ ہو چکے تھے جبکہ پنڈتانی جی کافی عرصہ پہلے سورگ باش ہو چکی تھیں۔ پنڈت جی دو مکانوں اور تین دُکانوں کے مالک تھے، ان کا کرایہ اتنا آ جاتا تھا کہ پنڈت جی اپنے گزارے کے علاوہ کافی پس انداز بھی کر لیتے تھے۔ طبیعت میں بخیلی کا عنصر غالب ہونے کی وجہ سے اسی چکر میں رہتے کہ کپ چائے وغیرہ بھی کسی دوسرے کے پیسے سے پئیں۔ ویسے صبح و شام بھگوان کی مالا جپتے رہتے تھے۔ انہیں بھی غالباً گزشتہ شام کے واقعے کی اطلاع مل چکی تھی اس لئے آتے ہی شکایتاً کہنے لگے۔

''امر سنگھ جی! کل تو آپ سے بڑی بھول ہوئی۔ آپ نے اس عورت کو بچا کر کوئی شبھ

کام نہیں کیا۔'' امر سنگھ کو پنڈت جی پر غصہ تو بہت آیا مگر حقیقت حال جاننے کی خاطر بولا۔

''پنڈت جی! آخر اس عورت نے ایسا کون سا پاپ کیا ہے جو آپ اس کے اس قدر خلاف ہیں؟'' جواب میں پنڈت جی چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے جھٹ رواں ہو گئے۔

''ہے ہے بھگوان، آپ کو پتہ ہی نہیں اس عورت نے تو مہا پاپ کیا ہے۔ اس نیچ نے ایک مسلمان سے وواہ کیا تھا۔ اب پرنام بھگت رہی ہے۔ وہ سالا تو جیل میں پڑا سڑ رہا ہے۔ یہ واہیات عورت ہے کہ ابھی تک اس کے نام کی مالا جپ رہی ہے۔ دو چھوٹے سنپولئے بھی ہیں ان کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے۔ اس پر بھگوان کی مار ہوا اپنے دھرم کو چھوڑ کر مسلمان ہونے چلی تھی۔ اب بھی اگر اس میں ذرا سی بھی عقل ہو تو ان بچوں کو گلا گھونٹ کر مار ڈالے اور خود واپس اپنے ہندو دھرم میں آ جائے اور وہ ایسا کرے تو چلو میں ہی ترس کھا کر اس کو اپنے گھر میں ڈال لوں لیکن سالی بات ہی نہیں سنتی۔'' پنڈت جی جوشِ جنون میں نہ جانے کیا کیا بکتے رہے، وجے کا دل تو چاہتا تھا کہ اس خبیث پنڈت کا گلا گھونٹ ڈالے لیکن خود پر جبر کر کے اس کی بکواس سنتا رہا۔ پنڈت جی کے جانے کے بعد امر سنگھ بولا۔

''آئندہ بھی اگر پنڈت جی اس یاوہ گوئی سے باز نہ آئے تو میں چائے میں جمال گوٹہ ڈال کر انہیں پلاؤں گا تا کہ مہاشے جی کی طبیعت اچھی طرح صاف ہو جائے۔''

انہوں نے اردگرد کے رہائشی جس شخص سے بھی اس معاملے کی وضاحت چاہی اس شخص نے اس عورت کو صلواتیں ہی سنائیں اور سب لوگ اس بات پر بے حد خوش تھے کہ وہ عورت اور اس کے بچے آج کل انتہائی تنگ دستی کا شکار ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ عورت اپنی حویلی کا ایک حصہ کرایہ پر اٹھانا چاہتی ہے مگر اردگرد کے ہندوؤں نے ایسا ماحول پیدا کر رکھا ہے کہ کوئی بھی شخص حویلی کرائے پر نہیں لیتا۔ حالانکہ بظاہر اس عمارت میں کوئی ایسی خامی نظر نہیں آتی تھی کہ اسے رہائش کے قابل نہ سمجھا جائے۔

اگلے روز وجے نے پنڈت دیانند سے کہا کہ ہم اپنے دفتر کے لئے حویلی کا نچلا حصہ کرایہ پر لینا چاہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی پنڈت جی نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

''رام رام، کہیں آپ کی مت تو نہیں ماری گئی۔ لگتا ہے کہ آپ کی بدھی بالکل بھرشٹ ہو گئی ہے۔ آپ اس ناپاک عورت اور اس کے بچوں کے قریب رہنا چاہتے ہیں۔ اس پر تو بھولے ناتھ کا قہر نازل ہو ہی رہا ہے لیکن اس کے پاپوں کی سزا میں آپ بھی حصہ دار بن جائیں گے۔ اسے اور اس کے بچوں کو تو سسک سسک کر مرنے دو۔ میں تو خود اس دن کے انتظار میں جی رہا ہوں جب اس کے ملیچھ پتی کی ناپاک لاش پھانسی کے بعد اس کے گھر آئے

گی اور یہ عورت اور اس کے بچے لاش سے لپٹ لپٹ کر روئیں گے۔ ذرا تصور کرو کتنا سندر منظر ہوگا؟''

امر سنگھ حیرانی سے اس بد بخت کا منحوس چہرہ دیکھ رہا تھا۔ البتہ وجے مہاشے جی کو داد بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا بلکہ چند ایک بار تو اس نے پنڈت مہاراج کو اس خوبصورت گفتگو پر باقاعدہ داد بھی دے ڈالی۔ اس کے ساتھ ہی وجے نے چائے کی پیالی پنڈت جی کے آگے رکھتے ہوئے چائے پینے کی استدعا کی۔ پنڈت مہاراج نے بہ کمال مہربانی اس کی درخواست قبول کر لی۔ کچن میں جا کر تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ چائے لے آیا اور پنڈت جی سے اصرار کیا کہ اس پیالی کو بھی شرفِ قبولیت بخشیں۔ مال مفت جان کر پنڈت جی دوبارہ چائے چڑھا گئے۔ امر سنگھ خشمگیں نگاہوں سے وجے کو گھور رہا تھا، اسے غصہ آ رہا تھا کہ پنڈت کی اس بے ہودہ گوئی کے باوجود وجے کس خوشی میں پنڈت کی خاطر مدارت میں اس درجہ منہمک تھا لیکن جلد ہی اس کی وجہ تسمیہ امر سنگھ کو معلوم ہو گئی۔ جب تھوڑی دیر بعد پنڈت جی دھوتی سنبھالتے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے اپنے گھر کی جانب اس سرعت سے روانہ ہوئے جیسے کسی نے چابی بھر کر انہیں چھوڑ دیا ہو۔

اگلے دو روز تک پنڈت جی کے درشن نہ ہو سکے۔ تیسرے روز امر سنگھ، وجے کی رہنمائی میں پنڈت جی کی عیادت کے لئے گیا۔ پنڈت مہاراج کی شکل پہلے سے بھی مردار ہو چکی تھی۔ وجے اور امر سنگھ پرنام کرنے کے بعد پلنگ کے پاس ہی پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ وجے نے ہی بات چھیڑی۔

''پنڈت جی! اس روز آپ نے اس عورت کا قصہ پورا نہیں سنایا تھا، درمیان میں بات رہ گئی تھی۔''

پنڈت جی کی طبیعت کی سب جولانیاں رخصت ہو چکی تھیں۔ مریل لہجے میں بولے۔

''وجے بابو! چھوڑ ان باتوں کو، کسی کی برائی کا کیا فائدہ۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میرے پرلوک سدھارنے کا سمے آ گیا ہے۔ کوئی کہا سنا ہو تو معاف کر دینا۔ آج تین دن ہو گئے ہیں۔ لگاتار پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں اور دست آ رہے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے پیٹ میں پانی کا نل لگا ہوا ہو۔'' امر سنگھ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ سب کیا دھرا وجے کا ہے جس نے پنڈت کو چائے میں بڑی مقدار میں جمال گوٹہ پلا دیا ہے۔

وجے بولا۔ ''پنڈت جی حوصلہ رکھیں ابھی آپ کو کچھ نہیں ہوگا، ابھی تو آپ نے ایک شادی اور کرنی ہے۔''

پنڈت جی اک آہ سرد بھر کر بولے۔ ''وجے بابو! اپنے ایسے نصیب کہاں؟ اس عمر میں آدمی برا سوچ تو سکتا ہے کر نہیں سکتا۔'' وجے اور امر سنگھ تھوڑی دیر پنڈت جی کو تسلی دیتے رہے لیکن آج تو پنڈت جی حسرت و یاس کی مکمل تصویر بنے بیٹھے تھے دوبارہ فلسفہ بگھارنے لگے۔ ''شریمان! ہم زندگی بھر زندہ رہنے کے فارمولے سیکھتے رہتے ہیں اور جب زندگی اندر سے ختم ہو جاتی ہے تو ہم بے بس ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم نے موت کا فارمولا تو سیکھا ہی نہیں ہوتا۔ ہم بامقصد زندگی کے علاوہ بامقصد موت کا فارمولا بھول چکے ہیں۔ اس لئے ہم بہت سی زندگیاں گزارتے ہیں جس کے نتیجے میں ہمیں بہت سی اموات سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔''

وجے اور امر سنگھ پنڈت جی کا یہ عارفانہ کلام سنتے رہے اور ان کی ہمت بندھاتے رہے۔ اس کے بعد ان سے اجازت لے کر واپس چلے آئے۔ کچھ دیر تک وہ اپنے اصل مقصد کے حصول کے طریق کار کے بارے میں باہمی مشورے میں مصروف رہے لیکن دونوں کے ذہن پر تو وہ عورت سوار تھی اس لئے کچھ دیر بعد دونوں حویلی کے مین گیٹ پر موجود تھے۔ دروازے پر کال بیل لگی ہوئی تھی لیکن شاید وہ خراب تھی اس لئے انہیں دستک دینا پڑی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک معمر شخص نے دروازہ کھولا۔

''بیٹے! کیا بات ہے، کس سے ملنا ہے؟'' بزرگ شخص کے لہجے میں بلا کی حلیمی تھی۔

امر سنگھ بولا۔ ''ہم اس گھر کے مالک سے ملنا چاہتے ہیں۔'' بوڑھا شخص کچھ دیر ان کو بغور دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔

''آپ کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں؟''

وجے بولا۔ ''محترم! ہم اس حویلی کا نچلا حصہ کرایہ پر لینا چاہتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے آپ لوگ یہ مکان کرایہ پر دینے کے خواہشمند ہیں؟''

معمر شخص شائستہ لہجے میں بولا۔ ''آپ اندر ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھیں اور تفصیل سے اپنا مدعا بیان کریں۔'' ڈرائنگ روم میں داخلے کے بعد انہیں گھر کے مکینوں کی تنگدستی کا اندازہ کافی حد تک ہو گیا تھا لیکن اس تنگی میں بھی وسعت پنہاں تھی۔

پرانے اور خستہ حال صوفوں کو بڑے سلیقے سے رکھا گیا تھا جس سے خاتون خانہ کی سگھڑتا کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ صوفوں اور کرسیوں وغیرہ پر سفید کپڑے کے کور چڑھا کر غالباً اپنی مفلسی کو چھپانے کی کوشش کی گئی تھی مگر کہیں کہیں سے گھسے اور پھٹے ہوئے غلاف اس کوشش کی ناکامی کا مظہر تھے۔ سامنے دیوار پر فریم میں ایک جوان العمر شخص کی بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ تصویر یقیناً اس عورت کے شوہر کی ہو گی۔ چند لمحوں کے بعد دو

بچے کمرے میں داخل ہوئے۔ بڑا لڑکا تقریباً چھ برس کی عمر کا تھا جبکہ اس کی چھوٹی بہن تین چار سال کی لگ رہی تھی۔ سلام کرنے کے بعد دونوں بچے بوڑھے شخص کے پاس صوفے پر خاموشی سے بیٹھ گئے۔ بچوں کے مرجھائے ہوئے چہرے ان پر بیت رہی قیامت بخوبی ظاہر کر رہے تھے۔ گردشِ حالات نے بچوں سے ان کا بچپن اور سبھی معصوم شرارتیں چھین لی تھیں جو اس عمر کا حصہ ہوتی ہیں کیونکہ دونوں ہی بڑی سنجیدگی کے ساتھ بزرگ شخص کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ بوڑھے شخص نے لڑکے کو کہا۔

''عمر! اپنی امی کو اندر بھیج دو۔''

کچھ دیر بعد نسوانی قدموں کی آہٹ قریب آتی گئی۔ امر اور وجے احتراماً کھڑے ہو گئے۔ سفید لباس میں وہ عورت افسردگی اور وقار کا کوہِ گراں محسوس ہو رہی تھی۔ امر سنگھ کو دیکھتے ہی لکشمی کے چہرے پر زندگی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ خوشگوار حیرت کے ساتھ بولی۔

''بھائی! آپ، یقین مانیں آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے بے پناہ طمانیت کا احساس ہو رہا ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے بوڑھے شخص سے کہا۔ ''ابا! میں نے پرسوں آپ سے جس فرشتے کا ذکر کیا تھا یہ وہی ہیں۔'' بوڑھا شخص کھڑا ہو گیا اور دونوں کے کندھوں پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''بیٹا! تم نے میری بیٹی کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا ہے اس کا صلہ تو تمہیں خدا کی ذات ہی دے سکتی ہے۔ میرے پاس تو ممنونیت کے اظہار کے لئے بھی الفاظ نہیں ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں چھلک اٹھی تھیں۔ امر سنگھ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔

''محترم بزرگ! آپ ہمارے باپ کی جگہ ہیں۔ بھلا کبھی اولاد نے بھی اپنے والد پر احسان کیا ہے۔ اگر ہم سے کوئی بھلائی سرزد ہوئی بھی ہے تو وہ ہمارا فرض تھا۔ اس بات کا بار بار ذکر کر کے ہمیں شرمندہ نہ کریں۔''

اس کے بعد وہ سب بیٹھ گئے۔ لکشمی نے اپنے بچوں اور اپنے سسر کا تعارف ان سے کروایا۔ اپنے بارے میں بھی مختصر سی تفصیل انہیں بتائی۔ لکشمی تھوڑی دیر بعد چائے بنا کر لے آئی۔ بساط بھر دیگر لوازمات بھی ہمراہ تھے۔ امر سنگھ کسی بہانے سے بے آسرا خاندان کی مالی مدد کرنا چاہتا تھا اس لئے بولا۔

''لکشمی بہن! ہم آپ کا مکان کرایہ پر لینا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں اگر آپ کی کوئی شرائط ہوں؟'' یہ سن کر لکشمی کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

''شرائط.....! ضرورت مند شرطیں عائد نہیں کیا کرتے بھیا! اور نہ ہی وہ اس پوزیشن میں ہوتے ہیں لیکن بھائی! آپ کو علم ہی ہے کہ ہم مسلمان ہیں ملیچھ اور ناپاک مسلمان۔ اس وجہ سے اردگرد کے لوگ اور آپ کا دیگر حلقہ احباب آپ کے اس فیصلے کو مستحسن نظروں سے نہیں دیکھے گا۔ اس لئے بہتر ہے آپ کوئی دوسری جگہ دیکھ لیں۔ ویسے بھی آپ کی اس ہمدردی کو کئی روپ دیئے جائیں گے۔ اس لئے میں آپ کی یہ پیشکش قبول نہیں کر سکتی۔''

وہ دونوں چند ثانئے خاموش بیٹھے اس کے لہجے کی مضبوطی پر غور کرتے رہے۔ اس کی بات میں یقیناً وزن تھا ویسے انہیں لاشعوری طور پر کچھ خوشی بھی محسوس ہو رہی تھی کہ ہندو بالادستی کے اس معاشرے میں کچھ مسلمان اس قدر مضبوط کردار کے مالک بھی ہیں۔ امر سنگھ بولا۔

''بہرحال ہم اپنے فیصلے پر قائم ہیں، آپ ٹھنڈے ذہن سے ہماری پیشکش پر غور کر لیں۔'' اس کے بعد بھی وہ کافی دیر بیٹھے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس عرصے میں انہیں معصوم بچوں سے کچھ انس سا ہو گیا تھا ان کی معصوم صورتیں دیکھ کر ترس سا آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کرن بولی۔

''انکل! آپ کے ابو ہیں؟'' جب امر سنگھ نے نفی میں جواب دیا تو وہ معصومیت سے بولی۔ ''میرے ابو بھی چند ماہ بعد نہیں رہیں گے۔''

وجے فوراً بولا۔ ''نہیں، بیٹے! ایسے نہیں کہتے۔'' اس دوران لکشمی بولی۔

''مسٹر وجے! میں نے اپنے بچوں کو سب کچھ بتایا ہوا ہے تاکہ وہ ذہنی طور پر اس بدترین سانحے کو قبول کر سکیں۔ آخر کب تک ان سے جھوٹ بولا جا سکتا ہے؟''

''لیکن.....'' وجے بولا۔ ''لکشمی بہن ایسا مت کہو۔''

لکشمی نے قدرے چونک کر وجے کو دیکھا۔ ''تم دونوں مجھے بار بار بہن کہہ کر مخاطب کر رہے ہو۔ کیا اس لفظ کے معنی بھی جانتے ہو؟'' اس کا انداز کسی حد تک جارحانہ تھا۔

امر سنگھ مستحکم لہجے میں بولا۔ ''ہاں، ہم نے تمہیں بہن کہا ہی نہیں بلکہ سمجھا بھی ہے اور تم دیکھو گی کہ تمہارے یہ بھائی تمہارے شوہر کو موت کے منہ سے بھی واپس کھینچ لائیں گے۔'' امر سنگھ کے لہجے کی استقامت محسوس کر کے لکشمی متوحش انداز میں بولی۔

''نہیں، اب کوئی معجزہ ہی انہیں بچا سکتا ہے۔''

''لکشمی بہن! معجزے رُونما ہونے کے لئے ہی تو ہوتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ دونوں بچوں سے پیار کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اس سے پہلے وجے نے

لکشمی کی نظر بچا کر کرن کو پانچ سو روپے بھی پکڑا دیئے تھے۔ لکشمی اور کمال الدین امید و یاس کی ملی جلی کیفیت سے انہیں جاتے دیکھتے رہے۔

رات کے کھانے کے بعد وہ حسبِ معمول چہل قدمی کو نکل کھڑے ہوئے۔ اس دوران وجے، امر سنگھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''مسٹر سنگھ! مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے ہم اپنے اصل فرائض کی طرف سے غفلت برت رہے ہیں۔ ہم اصل مقصد پسِ پشت ڈال کر دیگر مسائل میں الجھتے جا رہے ہیں۔ کیا ہماری یہ روش قابلِ مذمت نہیں؟''

امر سنگھ نے فوراً کوئی جواب نہ دیا۔ کافی دیر سوچوں میں گم رہنے کے بعد وجے کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہمیں لکشمی یا علی کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہئے؟''

وجے بولا۔ ''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ علی نے فی الحال راشٹر پتی کے پاس رحم کی اپیل دائر کر رکھی ہے جس کے فیصلے میں یقیناً چار چھ ماہ لگیں گے۔ کیا تب تک ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟ ہمارے یہاں آنے کا یہی مقصد تو ہرگز نہیں۔''

امر سنگھ نے اس سے متفق ہوتے ہوئے کہا۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو، ہم کل صبح سے اپنے اصل مقصد پر توجہ مرکوز کریں گے لیکن یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ جے پور چھوٹا سا گاؤں نہیں ہے جہاں ہم آسانی سے 'را' کی مذموم سرگرمیوں سے پردہ ہٹا سکیں۔ 35 لاکھ آبادی کے اس شہر میں ہمیں 'را' کے خفیہ اڈوں کو ڈھونڈنے کے لئے دن رات ایک کرنا پڑے گا۔ فی الحال تو ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کل صبح سب سے پہلے اپنے لئے گاڑی خریدیں گے۔ اس کے بعد دیکھیں گے ہمیں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیابی ہوتی ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کسی صورت منے لعل بھی ہماری معاونت کر سکتا ہے۔''

دوسرے روز صبح ہی وہ منے لعل کے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ منے لعل نے اپنے چھوٹے سے ہوٹل کو قمار بازی کے اڈے میں بدل رکھا تھا۔ اس کے علاوہ چرس، ہیروئن اور دیگر منشیات کا دھندا بھی اس کی سرپرستی میں چلتا تھا۔ امر سنگھ اور وجے کو دیکھ کر اس نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ کاؤنٹر سے اٹھ کر وہ انہیں اپنے کمرے میں لے آیا۔ کمرے کو بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ کمرے کی آرائش سے منے لعل کی مالی خوشحالی کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ صوفوں پر بیٹھنے کے بعد منے لعل امر سنگھ سے مخاطب ہوا۔

''گرو جی! آپ کے یہاں پدھارنے سے مجھے بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے حکم

کریں میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟'' اسی دوران ویٹر پُرتکلف چائے لے کر حاضر ہو گیا۔

امر سنگھ بولا۔ ''فی الحال تو ہمیں اچھی سی گاڑی چاہئے اور کوئی کام ہوا تو تمہیں بتا دیں گے۔''

منے لعل بولا۔ ''آج ہی گاڑی کا بندوبست ہو جائے گا۔'' امر سنگھ نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے قدرے پس وپیش کے بعد رقم لے لی۔ ایک گھنٹے کے اندر ایک فیٹ گاڑی وہاں موجود تھی۔ منے لعل انہیں باہر کمپاؤنڈ تک چھوڑنے آیا۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وجے نے پوچھا۔

''امر سنگھ جی! مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ منا لعل آپ کے سامنے اس قدر بچھا کیوں جا رہا ہے؟ یہ سب کچھ بڑا غیر فطری سا لگتا ہے۔''

امر سنگھ بولا۔ ''مجھے خود بھی اس کا احساس ہے کہ اس کی یہ ناز برداریاں بلا سبب نہیں۔ بدمعاشوں کے ایک پورے گروہ کا مالک ہونے کے باوجود اس نے جس طرح ہمارے سامنے سرنڈر کیا ہے اس کے پسِ پردہ یقیناً کوئی خاص بات ہے۔ بہرحال جو بھی ہوگا جلد ہی سامنے آ جائے گا۔ ہمیں اب اپنے کام کی رفتار تیز کرنا ہوگی۔ ہم پہلے ہی کافی وقت ضائع کر چکے ہیں۔'' وہ سارا دن انہوں نے شہر نوردی میں صرف کیا۔ رات کا کھانا کھانے کے لئے وہ آمیر کانٹی نینٹل میں پہنچ گئے۔

○.....❖.....○

ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں گاڑی پارک کرتے ہوئے ان کا ماتھا قدرے ٹھنکا تھا کیونکہ پارکنگ اور اس کے آس پاس بھاری تعداد میں آرمی کی سٹاف کاریں موجود تھیں جس سے لگتا تھا کہ ہوٹل میں کوئی فوجی قسم کی تقریب منعقد ہو رہی ہے۔ اروگرد نگاہ ڈالنے پر انہیں اس تقریب کی وجہ تسمیہ معلوم ہو گئی تھی۔ چاروں طرف لگے بینر اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ یہ تقریب بھارتی فوج کے ان افراد کے اعزاز میں منعقد ہو رہی ہے جنہوں نے پاکستان اور چین کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں نمایاں بہادری کا مظاہرہ کیا تھا اور شجاعت کے مختلف اعزازات حاصل کئے تھے۔

ہوٹل کے وسیع و عریض احاطے میں ٹینٹ لگے ہوئے تھے جبکہ ایک کونے میں خوبصورت سٹیج بنایا گیا تھا۔ سٹیج پر سینئر فوجی حکام اور اعزاز یافتگان یا ان کے قریبی عزیز موجود تھے۔ جبکہ سامنے مختلف قطاروں میں لگی ہوئی کرسیوں پر مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق

رکھنے والے معززین شہر براجمان تھے۔ ایک کونے میں چند کرسیاں ابھی خالی تھیں۔ امر سنگھ نے وجے سے کہا۔

''ہمیں بھی تقریب میں شامل ہونا چاہئے۔'' وجے نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں اس گیٹ کی طرف بڑھ گئے جو عام لوگوں کے مخصوص تھا۔ ان کے داخلے پر کسی نے تعرض نہیں کیا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ تقریب میں شمولیت کے لئے انٹری پاس کی شرط نہیں۔

ابھی تقریب کا باقاعدہ آغاز نہیں ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سٹیج سیکرٹری (جو بریگیڈیئر کی وردی میں ملبوس تھا) نے کارروائی کے باقاعدہ آغاز کا اعلان کیا۔ بندے ماترم کی دھن کے بعد حاضرین کو بتایا گیا کہ یہ تقریب ایسوسی ایشن آف وارڈیکوریٹڈ (Association of War Decarated) کے زیر اہتمام منعقد ہو رہی ہے۔ یہ تقریب ہر سال مختلف صوبائی حکومتوں میں منعقد ہوتی ہے جس میں بھارت کی آزادی کے بعد لڑی جانے والی چاروں لڑائیوں کے بہادروں کو یا ان کے ورثاء کو بلا کر خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ سٹیج سیکرٹری بریگیڈیئر سنگھ نے بتایا کہ 48-1947ء کی کشمیر لڑائی کے دوران پانچ افراد کو بہادری کا اعلیٰ ترین اعزاز ''پرم ویر چکر'' دیا گیا۔ جن میں میجر سومناتھ شرما، سیکنڈ لیفٹیننٹ آر آر رانے، کمپنی حوالدار میجر پیرو سنگھ، لانس نائیک کرن سنگھ اور نائب جادوناتھ سنگھ شامل تھے۔ ان کے علاوہ 53 افراد کو مہاویر چکر اور 308 بہادروں کو ویر چکر سے نوازا گیا۔ اس کے بعد 1962ء کے بھارت چین یدھ میں چار بھارتی فوجی پرم ویر چکر کے مستحق قرار پائے جن میں کیپٹن گوربچن سنگھ سنیلر یا، میجر دھان سنگھ تھاپا، صوبیدار جوگندر سنگھ اور میجر شیطان سنگھ شامل تھے۔ ان کے علاوہ 22 مہاویر چکر اور 74 ویر چکر بانٹے گئے۔ 1965ء کی بھارت پاک جنگ میں دو افراد پرم ویر چکر حاصل کر پائے اور یہ تھے حوالدار عبدالحمید اور لیفٹیننٹ کرنل اے بی تارپوڑے۔ ان کے علاوہ 37 افراد کو مہاویر چکر اور 175 سورما ویر چکر سے نوازے گئے۔ آخری پاک بھارت لڑائی جو 1971ء میں لڑی گئی اس میں چار افراد کو پرم ویر چکر حاصل کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ جن میں میجر ہوشیار سنگھ، سیکنڈ لیفٹیننٹ ارونا کھیتر، لانس نائیک ابرٹ اکا اور فلائنگ آفیسر نرمل جیت سنگھ سکھاؤں شامل تھے۔ دیگر 76 افراد کو مہاویر چکر اور 512 شخصیتوں کو ویر چکر دیا گیا۔

ان بہادروں کے متعلق مزید تفصیل بتاتے ہوئے بریگیڈیئر سنگھ نے بتایا کہ بہادری کا اعلیٰ ترین اعزاز پانچ زندہ افراد کو بھی دیا گیا جو اس وقت ہم میں موجود ہیں۔ اس نے بتایا کہ پرم ویر چکر حاصل کرنے میں پنجاب رجمنٹ سرفہرست ہے۔ اس رجمنٹ کے چار بہادروں

کو یہ اعزاز ملا۔ جبکہ پونا ہارس رجمنٹ، گرنیڈیرز رجمنٹ، کماؤں رجمنٹ، سکھ رجمنٹ اور گورکھا رائفلز نے دو دو پرم ویر چکر حاصل کئے۔ اس کے علاوہ راجپوتانہ رائفلز، راجپوت رجمنٹ، بریگیڈ آف گارڈز، کور آف انجینئرز، مدراس رجمنٹ، جموں اینڈ کشمیر لائٹ انفینٹری اور انڈین ایئر فورس کے حصے میں یہ اعزاز ایک ایک بار آیا۔ (واضح رہے کہ مدراس رجمنٹ اور جموں اینڈ کشمیر لائٹ انفینٹری نے مذکورہ تقریب کے بہت بعد 1987ء میں سری لنکا میں ''آپریشن پون'' کے دوران ایک ایک پرم ویر چکر حاصل کئے)۔

وجے اور امر سنگھ پوری دلچسپی سے اس تقریب کی کارروائی دیکھ اور سن رہے تھے۔ بعد میں آنے والے ایک مقرر نے مزید تفصیلات مہیا کرتے ہوئے بتایا کہ سب سے کم عمری میں بہادری کا اعلیٰ ترین اعزاز سیکنڈ لیفٹیننٹ ارون کھیتر پال کو دیا گیا جبکہ یہ اعزاز حاصل کرنے والے معمر ترین فرد لیفٹیننٹ کرنل اے بی تارپوڑے تھے۔ حسن اتفاق سے یہ دونوں پونا ہارس رجمنٹ سے متعلق تھے۔ لیفٹیننٹ کرنل دیوان رنجیت رائے آزاد بھارت میں مہا ویر چکر حاصل کرنے والا پہلا بھارتی تھا۔ وہ فرسٹ سکھ بٹالین سے تعلق رکھتا تھا۔ جبکہ صوبیدار رام شرن داس نے بھارت میں سب سے پہلا ویر چکر حاصل کیا۔ وہ جموں اینڈ کشمیر انفینٹری کے تھے۔ تقریب کے اختتام پر مہمان خصوصی بھارتی فوج کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل کرشنا راؤ نے انعامات تقسیم کئے اور بھارتی عوام سے اپیل کی کہ ان افراد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بھارت ماتا کی ہر طرح سے خدمت کریں۔ بعد میں شرکائے تقریب کے لئے کھانے کا بھی بندوبست تھا۔

وجے اور امر سنگھ نے بھی کھانے میں شرکت کی۔ اسی دوران ان کی واقفیت ایک معمر سکھ سے بھی ہوگئی تھی۔ دو گھنٹے کی رفاقت نے ان کے درمیان کافی حد تک بے تکلفی کا ماحول پیدا کر دیا۔ سردار نرنجن سنگھ جی ساٹھ کے لگ بھگ تھے۔ پونے سات فٹ کا یہ سردار لمبائی چوڑائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ دور سے ایسا لگتا تھا جیسے گوشت کا پہاڑ ہو۔ سردار جی نے بتایا کہ وہ گاڑیوں کی ایک بڑی ورکشاپ ''پنجاب آٹوز'' کے مالک ہیں۔ یہ ورکشاپ رام باغ پیلس کے قریب ہی ایم آئی روڈ پر واقع ہے۔ ان کے ایک قریبی دوست فوج میں میجر تھے جن کی تقرری آج کل جے پور میں ہی تھی۔ انہی کے کہنے پر نرنجن سنگھ جی اس تقریب میں شریک ہوئے تھے۔

رات دس بجے وہ اس بن بلائے ڈنر سے فارغ ہوئے۔ جاتے ہوئے سردار نرنجن سنگھ نے انہیں دعوت دی تھی کہ وہ اس کے یہاں ضرور آئیں اور انہوں نے اس کا وعدہ بھی کر لیا

تھا۔ واپسی کے سفر میں دونوں کے درمیان خاموشی طاری رہی۔ کپڑے بدل کر لیٹنے لگے تو امر سنگھ نے پوچھا۔

''وجے! خیریت تو ہے تم خلاف معمول کچھ چپ سے ہو؟''

وجے نے جواب دیا۔ ''کوئی خاص بات تو نہیں البتہ آج والی تقریب اعصاب پر سوار ہے۔ بعض قومیں اپنے قومی ہیروز کا کس قدر احترام کرتی ہیں۔ شاید اسی وجہ سے ان قوموں میں قوم پرستی کا جذبہ نسبتاً قوی ہے۔ جبکہ ہمارے یہاں صورتِ حال کس قدر مختلف ہو گئی ہے۔ نئی نسل امیتابھ بچن، راجیش کھنہ اور مائیکل جیکسن کے نام کا کلمہ تو صبح و شام بھرتی ہے بلکہ سات آٹھ سالہ بچے بھی انہیں اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں لیکن اگر ان سے پوچھ لو کہ راشد منہاس اور عزیز بھٹی کون تھے تو یقیناً اس کا جواب نہیں دے پائیں گے۔ وہ میجر شبیر شریف کے نام سے تو بھلے ہی ناواقف ہوں مگر عمر شریف اور بابرہ شریف کے پورے شجرہ نسب سے واقف ہوں گے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم لسانی، نسلی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں کا شکار ہو کر روز بروز گروہوں میں بٹتی جا رہی ہے۔ قومی شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے۔ شاید ہمارے بااختیار طبقے نے قوم میں ایک ہونے کا شعور جان بوجھ کر پیدا ہی نہیں کیا یا یہ سب کچھ نادانستگی میں میں ہو رہا ہے۔''

امر سنگھ خاموشی سے اس کی یہ سنجیدہ گفتگو سن رہا تھا کیونکہ اسے خود بھی وجے کی بیشتر باتوں سے اتفاق تھا۔ وجے نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''مسٹر سنگھ! پچھلے سال ایک روز میں لاہور ڈیفنس کے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھا چائے پی رہا تھا، سامنے والی میز پر میاں بیوی اور ان کا سات آٹھ سالہ بیٹا موجود تھے۔ بچہ کچھ زیادہ ہی شرارتی سا تھا۔ بار بار اٹھ کر اِدھر اُدھر جا رہا تھا۔ اس کی ماں نے کہا۔ 'ٹیپو آرام سے بیٹھو ورنہ تھپڑ مار دوں گی۔' ٹیپو صاحب اپنی ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد نہ جانے جی میں کیا آئی کہ اپنی ماں کی ٹھوڑی پکڑ کر لہک لہک کر گانے لگے۔ 'جب ہم جواں ہوں گے جانے کہاں ہوں گے۔' ہال کے سبھی لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ عورت شرمندہ ہو کر بولی۔ 'ٹیپو خاموش ہو جاؤ۔' مگر ٹیپو صاحب کی طبیعت کچھ زیادہ ہی ''موسیقانہ'' ہو رہی تھیں ان کی آواز پہلے سے بھی بلند ہو گئی تھی اور باقاعدہ سُر تال کے ساتھ مشقِ سخن جاری تھی۔ اس لئے اس کی والدہ (جو پورے ہال کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی) نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا جس کے بعد ٹیپو میاں گانا بھول کر رونے لگے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ تھپڑ اس بچے کی بجائے میرے منہ پر پڑا ہو اور پورا موجودہ مسلم

معاشرہ خصوصاً پاکستانی معاشرہ اس تھپڑ کی زد میں ہو۔ جہاں پر مستقبل کے ٹیپو اس سج دھج سے پروان چڑھ رہے ہوں وہاں بہتری کی امید کس بات پر کی جائے۔ آج والا فنکشن اٹنڈ کرنے کے بعد مجھے وہ واقعہ شدت سے یاد آ رہا ہے کہ ہم اپنے قومی ہیروز کے ساتھ کیا سلوک روا رکھ رہے ہیں۔'' ماحول بہت بوجھل سا ہو چلا تھا اس لئے امر سنگھ نے مداخلت کرتے ہوئے وجے کو ٹوکا۔

''چھوڑو یار! ایسی باتوں سے کیا حاصل ہے جس کا علاج ہمارے بس میں نہیں۔ محض مرض کی نشاندہی سے تو بیماری دور نہیں ہوتی۔ پہلے ہی خود مذمتی ہمارا قومی وطیرہ بن کر رہ گیا ہے۔ صورتِ حال اس قدر مایوس کن بھی نہیں..... ذرا نم ہو تو مٹی کی زرخیزی بحال ہو سکتی ہے۔''

دوسرے روز سہ پہر کے وقت ان کی گاڑی کا رُخ ''پنجاب آٹوز'' کی طرف تھا۔ ورکشاپ ڈھونڈنے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اندر دفتر میں کیم کیم سردار رنجن سنگھ جی ریوالونگ چیئر پر موجود تھے۔ جاسوسی فلموں کے بگ مین کی مانند سیاہ چشمہ لگائے اپنے کسی ملازم پر برس رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر کرسی سے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ انہیں احترام کے ساتھ بٹھایا اور ملازم کو نشر و باتا کا آرڈر دیا۔ امر سنگھ بولا۔

''سردار جی! صرف کافی منگوالیں۔'' باہر موسم اچانک ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ بادل سیاہ گھٹاؤں کی مانند امڈے چلے آ رہے تھے۔ امر سنگھ سردار جی سے باتوں میں مصروف تھا جبکہ وجے خاموشی سے بیٹھا رنجن سنگھ کے سراپے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ملازم نے انہیں کافی بنا کر پیش کی جبکہ سردار جی کے لئے..... پیگ..... سردار جی نے امر سنگھ سے بھی اصرار کیا کہ اس ''مشروبِ مشرق'' سے بہرہ مند ہو لیکن اس نے ان کی یہ دعوت سلیقے سے ٹھکراتے ہوئے معذرت کر لی۔ سردار جی نے کہا۔

''امر سنگھ جی! موسم اتنا ایمان دار ہو رہا ہے اور آپ انکار کر کے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔''

مگر وجے اور امر سنگھ نے موسم کی ایمانداری کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ سردار رنجن سنگھ جی بڑی بے تکلف شخصیت کے مالک تھے اس لئے تھوڑی دیر میں ان سے خاصے بے تکلف ہو گئے تھے۔ خصوصاً وجے کی لاابالی اور ہنس مکھ طبیعت انہیں کچھ زیادہ ہی بھا گئی تھی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کھانا بھی منگوالیا۔ امر سنگھ بولا۔

''سردار جی! یہ کھانے کا کون سا وقت ہے؟''

مگر سردار جی کا جواب تھا۔ ''امر سنگھ جی! کھانے اور مرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ اس لئے انسان کو حتی الوسع کھانے میں مصروف رہنا چاہئے۔ نہ جانے کب ست سری اکال کا بلاوا آ جائے اور کھانے کی حسرت دل میں ہی رہ جائے۔'' وجے کو ان کی اس منطق سے اختلاف ہوتے ہوئے بھی ان کے ساتھ کھانے میں شمولیت اختیار کرنا پڑی کیونکہ خود اسے بھی قدرے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ البتہ امر سنگھ نے معذرت کر لی۔ کھانے کی مقدار دیکھ کر وجے کو سردار جی کی صحت کا راز معلوم ہو گیا تھا۔

سردار جی نے بتایا کہ وہ پچھلے بیس برس سے جے پور میں مقیم ہیں۔ اس سے پہلے وہ مشرقی پنجاب کے ضلع فرید کوٹ کے قصبے گیڈر بہا میں رہائش پذیر تھے اور ٹرک ڈرائیوری ان کا پیشہ تھا۔ اس کے بعد انہیں چند سال ولایت میں رہنے کے مواقع بھی میسر آئے۔ وہاں پر کمائے ہوئے پیسوں سے انہوں نے واپسی پر جے پور میں چھوٹی سی ورکشاپ بنالی جو ترقی کرتے اب پنجاب آٹو زجیسی شاندار ورکشاپ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ شام کو وہ سردار جی کے ساتھ ہی روانہ ہوئے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ تم دونوں رات کا کھانا میرے ساتھ گھر میں کھاؤ گے۔ انہوں نے یہ سب کچھ ایسے حکمیہ انداز میں کہا کہ انکار کی گنجائش ہی نہ چھوڑی۔ وہ ایمبسڈر میں تھے جبکہ وہ دونوں اپنی گاڑی میں ان کے پیچھے تھے۔ راستے میں وجے نے امر سنگھ سے پوچھا۔

''آپ ہاتھ دھو کر سردار رنجن سنگھ کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟ آخر اس ہاتھی کے بچے میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ ہم ان کی دُم سے بندھ گئے ہیں؟''

امر سنگھ ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ ''احمق اگر تم اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھو تو تمہیں مجھ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ تم نے سنا نہیں تھا کہ رنجن نے بتایا کہ اس کا ایک دوست میجر ہے۔ میں اس لئے اپنا وقت برباد کر رہا ہوں کہ شاید ہمیں کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔'' اس دوران مسلسل ان کی گاڑی رنجن سنگھ کے پیچھے تھی۔ پانچ بتی چوک میں اچانک سردار جی رک گئے تھے اور وہ نیچے اتر کر ایک دوسری گاڑی کے ڈرائیور سے تلخ کلامی میں مشغول ہو گئے تھے۔ امر سنگھ نے بھی گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کی۔ وہ دونوں بھی کار سے اتر کر رنجن سنگھ کے قریب پہنچ گئے۔ رنجن سنگھ دوسری کار کے مالک سے بدستور الجھا ہوا تھا۔ ان کی بحث سے اندازہ ہو رہا تھا کہ رنجن سنگھ کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس اگلی گاڑی سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی ہیں کیونکہ اگلی گاڑی کے ڈرائیور نے اشارے پر اچانک بریک لگائے تھے۔ اب رنجن سنگھ کا اصرار تھا کہ اگلی گاڑی کا ڈرائیور یا تو معذرت کرے یا ہیڈ لائٹس کے پیسے ادا

کرے۔ جبکہ دوسری گاڑی والا نرنجن سنگھ کو مورد الزام ٹھہرا رہا تھا۔ جس کی حماقت کی وجہ سے اس کی گاڑی کے پچھلے حصے میں ڈینٹ پڑ گئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو مہذب الفاظ سے کوس رہے تھے۔ ہندی اور انگریزی میں حسب توفیق ایک دوسرے کو ہلکی پھلکی گالیوں سے نوازا جا رہا تھا لیکن شاید سردار جی انگریزی دانی کے اس مظاہرے سے تھک گئے تھے اس لئے ''موراوور'' کہہ کر پنجابی میں شروع ہو گئے تاکہ دوسرے صاحب کی پوری تسلی ہو جائے۔ بہرحال دنیا کی ہر بحث کی مانند اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ امر سنگھ اور دیگر افراد نے بیچ بچاؤ کر کے جنگ بندی کروادی۔

امر سنگھ اینڈ پارٹی دوبارہ سردار جی کے پیچھے روانہ ہوئی تھوڑی دیر بعد گاڑی ''ستیش نگر'' کی ایک خوبصورت کوٹھی میں داخل ہوئی۔ پورچ میں گاڑی روک کر سردار جی باہر نکلے اور انہیں بھی اپنے ساتھ اندر آنے کو کہا۔ وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے جہاں ان دونوں کو آرام سے بیٹھنے کو کہہ کر خود کپڑے تبدیل کرنے چلے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ واپس آ گئے تھے مگر اکیلے نہیں ان کے ساتھ پچیس چھبیس سالہ ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی۔ پھولدار ساڑھی میں وہ کافی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ سردار جی نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''مالتی! یہ میرے دوست امر سنگھ اور وجے بابو ہیں۔'' لیکن اس وقت وجے اور امر سنگھ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب سردار جی بولے۔ ''یہ تمہاری بھابی مالتی ہے یعنی مسز نرنجن سنگھ۔'' یہ بتاتے ہوئے سردار جی کا چوڑا سینہ کچھ مزید پھول گیا تھا۔ مالتی نے ہاتھ جوڑ کر دونوں کو نمستے کہا۔ مالتی تھوڑی دیر بیٹھ کر ان کے کھانے کا بندوبست کروانے کچن میں چلی گئی۔ سردار جی ابھی تک ان دونوں کی حیرانی سے محظوظ ہو رہے تھے۔ وجے کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ نازک سی لڑکی نرنجن سنگھ جیسے ریچھ کی پتنی ہو سکتی ہے۔ ان کی عمروں میں کم از کم تیس سال کا فرق تھا۔ اس نے سردار جی سے پوچھ ہی لیا۔

''سردار جی! کیا واقعی یہ آپ کی مسز ہیں؟''

سردار جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وجے بابو! آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا؟''

وجے بولا۔ ''نہیں یقین نہ آنے والی تو کوئی بات نہیں البتہ تھوڑی سی حیرت ضرور ہوئی ہے۔'' اس دوران امر سنگھ نے گفتگو میں حصہ نہیں تھا۔ سردار جی بولے۔

''برخوردار! میں نے یہ شادی تین سال پہلے کی تھی اس سے پہلے میں نے عمر بھر شادی کا سوچا بھی نہیں۔ خیال بھی نہیں تھا کہ کبھی شادی کروں گا لیکن حادثاتی طور پر مالتی ٹکرا گئی اور یہ ملاقات دھیرے دھیرے عشق کی صورت اختیار کر گئی اور تمہیں شاید علم نہ ہو کہ بڑھاپے کا عشق

بڑا ہی سنگین ہوتا ہے۔ بہرحال انجام کار یہ شادی ہوگئی اور اب ہم دونوں ہی بڑی مطمئن زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

سردار جی نے بڑی ہی تفصیل سے اپنی داستان عشق سنائی۔ یہ فسانہ عجائب اپنے اندر عارفانہ، عاشقانہ اور فاسقانہ سبھی پہلو لئے ہوئے تھا جسے سننے کے بعد وجے کا جی چاہا سردار جی سے کہے..... سردار جی! بڑھاپے کے عشق کی مانند بڑھاپے کے دھوکے بھی بڑے ہی سنگین ہوتے ہیں۔ بڑھاپے کے خوابوں کی آنکھ قبروں میں جا کر کھلتی ہے..... لیکن وہ سردار جی سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ پُرتکلف کھانے میں مالتی نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ وہ خاصی خوش اخلاق لڑکی تھی لیکن اسے باتونی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بلکہ شاید تول کر بولنے پر یقین رکھتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر چلی گئی اور وہ تینوں اندرا گاندھی کی سیاست سے لے کر بمبئی کی فلم انڈسٹری تک ہر موضوع پر بات چیت کرتے رہے۔ امر سنگھ نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

''آپ کے دوست میجر صاحب آج کل کیا کر رہے ہیں؟''

نرنجن سنگھ نشے میں دھت تھا۔ ''کون میجر صاحب؟ ارے بھائی، ہم خود کسی میجر سے کم ہیں.....''

امر سنگھ بولا۔ ''سردار جی! آپ تو خیر میجر کیا میجر جنرل سے بھی بڑی چیز ہیں لیکن میں آپ کے دوست میجر کی بات کر رہا ہوں جس کا ذکر آپ نے ہوٹل میں کیا تھا۔''

''اوہ اچھا..... تم بیدی کی بات کر رہے ہو..... گنگا دھر بیدی..... وہ یہاں جے پور میں ہی تعینات تھا۔ پچھلے ڈیڑھ برس سے وہ انٹیلی جنس میں ہے اور چند ماہ سے وہ ''ماؤنٹ آبو'' میں ہے۔ ماؤنٹ آبو کا نام سنا ہے؟ یہ ضلع سروہی میں واقع ہے۔ ہل سٹیشن بھی ہے ایک خوبصورت پہاڑی تفریح گاہ..... سنا ہے وہاں کوئی ٹریننگ کیمپ ہے جہاں کچھ سویلین لوگوں کو فوجی تربیت دی جاتی ہے۔ بعد میں غالباً ان لوگوں کو دہشت گردی کے لئے کسی دوسرے ملک میں بھیج دیا جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر نرنجن سنگھ خاموش ہو گیا تھا البتہ وجے اور امر سنگھ کے چہروں کا رنگ تبدیل ہو گیا تھا لیکن جلد ہی انہوں نے اپنے جوش کو ہوش کے ناخن سے دبا دیا۔ وجے اس بارے میں مزید تفصیل پوچھنا چاہتا تھا مگر امر سنگھ نے آنکھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا تھا کیونکہ فی الحال اتنا ہی کافی تھا۔

رات گیارہ بجے انہوں نے نرنجن سنگھ سے اجازت لی۔ نرنجن سنگھ تو نشے میں کسی حد تک مدہوش تھا البتہ مالتی انہیں دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ اگلے روز وہ گھر میں ہی مقید رہے۔ چند روز بعد راکھی کا تیوہار تھا۔ اس روز صبح ہی وجے امر سنگھ سے بولا۔

''مسٹر سنگھ! آج ہم لکشمی بہن کے یہاں جائیں گے۔ ادھر گئے تو کافی دن ہی ہو گئے ہیں۔''

امر سنگھ نے جواب دیا۔ ''تم صحیح کہتے ہو۔ اس کے بعد سے تو ہم نے بے چاری کی خبر ہی نہیں لی۔ وہ لوگ سوچتے ہوں گے کہ ہم محض بڑیں ہانک رہے تھے۔ ہم نے حویلی کا نچلا حصہ لینے کی بات بھی ان سے کی تھی اس کے بعد ہم وہاں گئے ہی نہیں۔ اگرچہ ہمیں اس مکان کو کرایہ پر لینے کی قطعاً ضرورت نہیں مگر اس بہانے اس پریشان حال خاندان کی کچھ مشکلات کم ہو جائیں گی۔'' دن کے گیارہ بجے وہ حویلی کے دروازے پر موجود تھے۔ گھر کے سبھی افراد انہیں دیکھ کر کھل اٹھے تھے کیونکہ ان کی وجہ سے انہیں زندگی کی کرن نظر آئی تھی۔

لکشمی ان کے لئے پھل وغیرہ لے آئی، وجے عمر کے گال تھپکتا ہوا بولا۔ ''آج تو آپ کی امی نے بڑا اہتمام کر رکھا ہے؟''

عمر بولا۔ ''ماں کہتی تھیں کہ آج رکھشا بندھن کا تیوہار ہے۔ آج تمہارے ماموں ضرور آئیں گے۔ اس لئے دادا ابو صبح ہی جا کر یہ چیزیں خرید لائے تھے۔'' اس دوران لکشمی راکھی کے دھاگے لے آئی جو اس نے وجے اور امر سنگھ کے بازوؤں پر باندھ دیئے۔

وجے کو ہندوؤں کے سبھی تیواروں میں سے راکھی کا تیوہار نسبتاً پسند تھا کیونکہ اس تیوہار سے انسانی احساسات کے جس خوبصورت پہلو کا اظہار ہوتا تھا وہ یقیناً قابل قدر تھا۔ اس روز بہنیں اپنے بھائیوں کو راکھی باندھ کر اس خوبصورت رشتے میں تقدس اور اپنائیت کا رنگ بھر دیتی ہیں۔ راکھی باندھتے ہوئے لکشمی آبدیدہ ہو گئی تھی۔ امر سنگھ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دعا دی۔

''بہن! خدا تمہیں سدا سہاگن رکھے۔'' لکشمی دونوں کو یاس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے افسردہ لہجے میں بولی۔

''بھیا! کیا یہ دعا واقعی پوری ہو گی؟''

وجے مضبوط لہجے میں بولا۔ ''لکشمی! جس بہن کے دو جوان بھائی اس کو یقین دلا رہے ہوں کہ اس کے سہاگ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی اس کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے۔''

کمال الدین نہایت متانت سے یہ گفتگو سن رہے تھے بولے۔ ''بیٹے! حیرانی ہے کہ تم ہندو ہوتے ہوئے بھی کس قدر عظیم ہو۔''

وجے نے جواب دیا۔ ''کمال صاحب ہم محض عام سے انسان ہیں۔ ویسے بھی اچھائی کسی خاص قوم کی میراث نہیں۔ بھلے اور بُرے لوگ ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ ویسے آپ بہ

بتائیں کہ علی کے علاوہ آپ کے قریبی عزیز واقارب میں کوئی بھی موجود نہیں؟''

کمال الدین چند ثانئے توقف کے بعد بولے۔ ''بیٹے ایسی بات نہیں ہے۔ علی کا بڑا بھائی بھی ہے۔ میرا وہ بیٹا قیام پاکستان کے چند سال بعد پاکستان چلا گیا تھا۔ خط وکتابت کا رابطہ برقرار ہے۔ وہ وہاں کسی حساس ادارے میں اہم جگہ پر فائز ہے۔ اس لئے بھارت نہیں آتا۔ مبادا ہمارے لئے مزید پریشانیوں کا سبب بن جائے۔''

وجے نے پوچھا۔ ''آپ پاکستان کیوں نہیں چلے گئے کمال صاحب!''

تھوڑی دیر خلاؤں میں کچھ ڈھونڈتے رہے۔ ''بیٹے! تمہیں پتہ ہے پودا اگر بڑا ہو جائے تو اسے دوسری جگہ منتقل کرنا کتنا کٹھن کام ہے کیونکہ اس کی جڑیں زمین میں دور تک جا چکی ہوتی ہیں۔ یہی سمجھ لو کہ میں ان جڑوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکا۔ ویسے بیٹے! اسے حالات کی ستم ظریفی کہوں یا تاریخ کا جبر کہ یہاں رہ جانے والے مسلمانوں کو ہندو ''پاکستانی'' قرار دیتے ہیں اور سنا ہے کہ پاک وطن میں یہاں سے جانے والے مسلمان وہاں مقامی آبادی کی نظر میں آج بھی ''ہندوستانی'' کہلاتے ہیں۔''

ماحول قدرے مکدر سا ہو گیا تھا۔ وجے بولا۔ ''محترم! آپ کی بات بڑی حد تک صحیح ہے لیکن تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے۔ خیر چھوڑیں اس بات کو، آپ یہ بتائیں کہ علی کی رحم کی اپیل کس مرحلے میں ہے؟''

کمال الدین نے جواب دیا۔ ''اپیل ابھی راشٹر پتی کے زیر غور ہے، دعا کریں خدا بہتر کرے۔ بظاہر تو امید نہ ہونے کے برابر ہے۔'' وہ سارا دن انہوں نے وہیں گزارا۔ آتے وقت امر سنگھ نے جیب سے پانچ ہزار روپے نکالے اور کمال الدین کی طرف بڑھائے۔ کمال صاحب حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

''وجے! یہ کیا ہے؟''

وجے جلدی سے بولا۔ ''یہ مکان کے کرائے کا سال بھر کا ایڈوانس ہے۔''

''لیکن ابھی تو آپ لوگ مکان میں آئے تک نہیں۔''

امر سنگھ بولا۔ ''ہم فی الحال چند ضروری انتظامات میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس کے فوراً بعد یہاں اپنا دفتر کھول لیں گے۔ آپ فی الحال یہ رقم رکھ لیں۔''

کمال الدین نے لکشمی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ لکشمی چند ثانئے سوچنے کے بعد بولی۔ ''ابا! رقم رکھ لیں، آخر بہنوں کا بھائیوں پر بھی کوئی حق ہوتا ہے۔''

امر سنگھ اور وجے کو یہ سن کر اطمینان ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ

ان کی ذمے داریوں میں مزید اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ اب انہیں اپنی اس بہن کا گھر اجڑنے سے بچانا تھا۔ باہر دروازے پر سب اہلِ خانہ انہیں چھوڑنے آئے۔ گاڑی حویلی سے نکل کر مین روڈ پر آئی تو تھوڑی دیر بعد وجے بولا۔

''امر سنگھ گاڑی کسی ذیلی سڑک پر موڑ دینا۔''

امر سنگھ اس کے لہجے کو بھانپ کر بولا۔ ''خیریت تو ہے؟''

''ہاں خیریت ہی ہے مجھے شبہ ہے ہماری کار کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔''

امر سنگھ نے اپنی نظریں عقبی آئینے پر گاڑ دیں۔ اسے بھی دال میں کچھ کالا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے لگا پیچھے آنے والی سفید ڈاٹسن کو وہ پہلے بھی چند بار اپنی گاڑی کے آس پاس دیکھ چکا تھا۔ چند میل بعد ایک چھوٹی سی سڑک بائیں جانب کو مڑتی نظر آئی۔ امر سنگھ نے اپنی گاڑی اس ویران سڑک پر ڈال دی۔ تب ان کا شبہ یقین میں بدل گیا تھا کیونکہ سفید ڈاٹسن بھی ان کے پیچھے ہی آ رہی تھی۔ پچھلی گاڑی کی رفتار میں اچانک اضافہ ہو گیا تھا اس لئے اب وہ ان کی کار کے کافی قریب آ چکی تھی اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کو پہچاننے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔

○.....❖.....○

باب:3

انہیں منالعل کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ ان کی گاڑی سے تھوڑا آگے نکل کر سفید ڈاٹسن رک گئی تھی۔ گاڑی کا انجن بند کر کے منالعل بڑے اطمینان سے باہر نکل آیا تھا۔ وجے اور امر سنگھ گاڑی میں بیٹھے اسے اپنی طرف آتے دیکھتے رہے۔ وجے کسی قدر حیرت میں مبتلا تھا کیونکہ منالعل بالکل خالی ہاتھ تھا اور وجے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ منالعل کی اس حرکت کو کیا معنی پہنائے۔ اسی دوران وہ ان کے بالکل قریب آ کر رک گیا اور وہ استہزائیہ انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ امر سنگھ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور سخت لہجے میں منالعل سے مخاطب ہوا۔

''تمہاری اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟''

منے لعل کے ہونٹوں پر زہر خند سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''گرو جی! آپ سے چند ضروری باتیں کرنا تھیں اس لئے آپ کو زحمت دی ہے۔ آپ دونوں میری گاڑی میں آ جائیں، کہیں اطمینان سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

امر سنگھ تحکمانہ انداز کو محسوس کر کے بولا۔ ''تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ ہم تمہارے اس بے ہودہ حکم کی تعمیل کریں گے؟''

''امر سنگھ جی! اس کی وجہ بھی آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ فی الحال تو جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا ہی کرو۔ اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو۔ اسے میرا آدمی تمہاری رہائش گاہ پر پہنچا دے گا۔'' امر سنگھ کو بھی محسوس ہو رہا تھا کہ منالعل خالی خولی بکواس نہیں کر رہا۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ ان دونوں سے یقیناً کوئی حماقت سرزد ہو چکی ہے۔ تبھی منالعل اتنا پُراعتماد نظر آ رہا ہے۔ اس نے وجے کو گاڑی سے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں آ کر منالعل کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ منالعل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

گاڑی کافی دیر تک کھیتوں کے درمیان چھوٹی سی سڑک پر چلتی رہی۔ اس دوران وجے

نے پشتو میں امر سنگھ سے کہا۔

''یہ کیا پاگل پن ہے۔ایک نہتا آدمی زبردستی ہم لوگوں کو اغوا کئے لے جا رہا ہے اور ہم ہیں کہ مٹی کے مادھو بنے اس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔''

امر سنگھ نے کہا۔''خاموشی سے دیکھتے جاؤ۔ میرے خیال میں فی الحال کسی فوری خطرے کا امکان نہیں ہے جو کچھ بھی ہوگا جلد ہی سامنے آ جائے گا۔ ابھی کسی ہنگامے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا مقصد صرف منے لعل سے جان چھڑانا تو ہرگز نہیں۔ ہمیں تحمل سے حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔''

وجے بولا۔''لیکن ایسا نہ ہو کہ تحمل اور بردباری کا یہ مظاہرہ ہمارے لئے جان لیوا ثابت ہو اور ہم کسی ایسے جال میں جا پھنسیں جہاں سے نکلنا بھی ہمارے بس میں نہ رہے۔''

امر سنگھ سختی سے بولا۔''تم خاموشی سے بیٹھے رہو، میرا دماغ مت چاٹو۔ ویسے اس قسم کے حالات سے ہمارا واسطہ پہلی بار تو نہیں پڑا'' ان کی اس گفتگو کے دوران منا لعل خاموش رہا البتہ اپنے سامنے لگے آئینے میں ان کے متفکر چہروں کو دیکھتے ہوئے زیر لب مسکرا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی بڑے بڑے درختوں میں گھرے ایک وسیع و عریض بنگلے میں داخل ہوگئی۔ اس عمارت کے آس پاس دور دور تک کسی آبادی کے آثار نہیں تھے۔ گاڑی رکتے ہی ایک رائفل بردار محافظ نے آگے بڑھ کر منا لعل کا دروازہ کھولا اور اسے جھک کر سلام کیا۔ منے لعل نے باہر نکل کر پوچھا۔

''کیوں خیریت تو ہے نا؟''

اس نے اٹینشن ہو کر کہا۔''جی ہاں چیف کافی دیر پہلے آ گئے تھے اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

منے لعل نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔''آیئے شریمان جی! تشریف لے آئیں۔''

وہ دونوں خاموشی سے باہر نکل آئے۔ رائفل بردار محافظ نے حفظِ ماتقدم کے طور پر دونوں پر رائفل تان لی لیکن منے لعل نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''رائفل نیچے کرو، یہ ہمارے معزز مہمان ہیں۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی بدتمیزی نہیں ہونی چاہئے۔'' وجے اپنی اس عزت افزائی پر اندر ہی اندر کھول رہا تھا مگر امر سنگھ کی وجہ سے چپ چاپ یہ رویہ برداشت کرتا رہا۔ اندر داخل ہونے پر عمارت کی وسعت کا اندازہ ہوا۔

منے لعل کی رہنمائی میں کئی راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ اندر ایک بڑی میز کے گرد دس بارہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن سے ظاہر

ہوتا تھا کہ اس کمرے کو میٹنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ منے لعل نے انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک کرسی سنبھال لی۔ پہلی ہی گھنٹی پر ایک خادم اندر داخل ہوا۔ پتلون اور جیکٹ میں ملبوس یہ خادم اپنی چال ڈھال سے کسی مسلح تنظیم کا کارکن لگ رہا تھا۔ جیکٹ پر سینے کے بائیں جانب گیروے رنگ کے دھاگے سے B.D کے الفاظ کڑھے ہوئے تھے۔ منے لعل نے اسے حکم دیا کہ مہمانوں کے لئے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے۔ وجے سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ اپنی کسی غفلت کے سبب قانون نافذ کرنے والے کسی ادارے کے ہتھے چڑھ گئے ہیں یا کوئی اور چکر ہے۔ کیونکہ باہر سے یہاں تک آنے کے دوران اس نے درجن بھر مسلح افراد مختلف اطراف میں دیکھے تھے اور ان کے طور و اطوار اس بات کا واضح مظہر تھے کہ وہ عام بدمعاش نہیں ہیں بلکہ کسی منظم گروہ کے افراد ہیں البتہ اسے منالعل کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیونکہ بظاہر ایک عام سا بدمعاش کسی سرکاری ادارے میں اتنا محترم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ٹٹولتی نظروں سے امر سنگھ کی طرف دیکھا لیکن اس کے تاثرات سے عاری چہرے سے کچھ اندازہ نہ ہوا کہ اس کے اندرونی احساسات کیا ہیں۔ ہمیشہ کی طرح سپاٹ چہرہ لئے وہ سگریٹ نوشی میں مصروف تھا۔

چائے پینے کے دوران منے لعل نے امر سنگھ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''امر سنگھ! اتنی دیر سے آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن یہ تک نہیں پوچھا کہ آپ کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟''

امر سنگھ جواباً مسکرا دیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم خود ہی تھوڑی دیر میں سب کچھ بک دو گے اس لئے میں نے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' امر سنگھ کے اس توہین آمیز جواب پر ایک لمحے کے لئے منالعل کے چہرے کی رنگت تبدیل ہوئی لیکن پھر غالباً اس نے اپنے اوپر قابو پالیا۔

''مسٹر امر سنگھ! اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ میری نرمی سے غلط نتائج مت اخذ کرو۔ اب تم دونوں مکمل طور پر میرے رحم و کرم پر ہو۔ میں تم دونوں کی اصلیت سے پوری طرح آگاہ ہو چکا ہوں۔ چاہوں تو تمہیں پولیس کے حوالے کر سکتا ہوں اور وہاں تمہارا جو حشر ہو گا وہ محتاجِ بیان نہیں لیکن میں فی الحال ایسا نہیں کروں گا۔''

اب امر سنگھ کے چہرے پر بھی تشویش صاف پڑھی جا سکتی تھی اگرچہ زبان سے اس نے اس کا اظہار نہ کیا۔ الجھی ہوئی نگاہوں سے منے لعل کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم ہماری کس اصلیت کی بات کر رہے ہو؟ کھل کر اور صاف ڈھنگ سے بات کرو کہ تم ہمارے بارے میں کیا جانتے ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟''

منا لعل بولا۔ ''تمہارا یہ تجاہل عارفانہ اب تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ کیونکہ میں جان چکا ہوں کہ تم دونوں پاکستانی ایجنٹ ہو اور یہاں کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے آئے ہو۔''

امر سنگھ حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ''کیا بک رہے ہو، بھلا ہمارا پاکستان سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟'' لیکن وجے کو امر سنگھ کے جواب کے بودے پن کا احساس ہو رہا تھا۔ منے لعل بھی کھل کر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''امر سنگھ! مجھے توقع نہیں تھی کہ تم حقیقت کو اس بچگانہ انداز سے جھٹلاؤ گے۔ میں تو تمہیں کوئی بڑی زبردست چیز سمجھ بیٹھا تھا۔ بہرحال مہاراج سنو! پہلی مڈبھیڑ کے دوران ہی مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ تم دونوں مشکوک لیکن بقراط قسم کی شخصیات ہو۔ اس لئے میں نے تم سے راہ رسم بڑھانے کے لئے اپنی عزتِ نفس کی پروا بھی نہیں کی۔ اس کے بعد اسے میری خوش قسمتی کہو یا اپنی بدقسمتی کہ تم نے میرے ذریعے ہی سے گاڑی خریدی تھی۔ میں نے تمہاری گاڑی کے اندر Bugging کا بندوبست اتنے سلیقے سے کیا تھا کہ تم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو حرف بحرف مجھ تک پہنچتی رہی۔ اس کے بعد تو میرے خیال میں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تمہاری اصلیت سے کس حد تک اور کیسے آگاہ ہوا۔ ویسے تمہاری تسلی کے لئے یہ بھی بتا تا چلوں کہ تمہارے بتائے ہوئے فرضی آبائی پتوں سے بھی ہم نے تمہارے جھوٹا ہونے کی تصدیق کر لی ہے۔'' یہ سن کر وجے اور امر سنگھ کا منہ بڑی حد تک لٹک گیا تھا۔ البتہ منے لعل انہیں فاتحانہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ منے لعل یہ کہتے ہوئے کہ تھوڑی دیر میں آتا ہوں، کمرے سے باہر نکل گیا۔

وجے نے امر سنگھ کو شریر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیوں حضرت! آپ تو شطرنج کی بساط کے بڑے ماہر بنتے تھے لیکن اس پیادے کے ہاتھوں اس بُری طرح مات۔ یہ تو وہی بات ہوئی ''وہ جن کو بجلیاں دیتی تھیں خبریں، بے خبر نکلے۔''

امر سنگھ چڑ کر بولا۔ ''اپنی اس بے ہودہ شاعری کو اپنے پاس رکھو لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگ بڑھی ہوئی خود اعتمادی کے ہاتھوں مار کھا گئے ہیں۔ بہرحال اب سنجیدگی اختیار کرو اور بتاؤ کہ تمہارے خیال میں حالات کا یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟''

وجے کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا اور پھر بڑے مدبرانہ لہجے میں بولا۔ ''امر سنگھ جی! اب کچھ سوچنا فضول ہے کیونکہ تیر کمان سے نکل جا۔ تو پھر تیر کی مرضی یا خدا کی مرضی۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ہمارا وقتِ آخرت قریب ہے۔ ویسے بھی کافی عرصہ پہلے مجھے ایک نجومی نے

بتایا تھا کہ چودھویں صدی ہجری کے بعد دنیا ختم ہو جائے گی اور اب تو پندرہویں صدی کے دو سال بھی گزر چکے ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاؤں وغیرہ پکڑ کر معافی مانگ لیں اور دنیاداری کے سبھی دھندے چھوڑ کر کسی ایسی جگہ جا بسیں جہاں پر بندے یا بندے کی ذات کا دور دور تک نام ونشان نہ ہو۔''

امر سنگھ غصے سے بولا۔ ''بند کرو یہ بکواس، تمہیں ہر وقت صرف مذاق سوجھتا ہے، کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔''

وجے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ ''امر سنگھ جی مہاراج! آپ نے غور کیا ہے یہاں پر اب تک منے لعل کے علاوہ جتنے افراد بھی ملے ہیں سب لوگوں کے سینے پر B.D کے الفاظ درج ہیں۔ اس کے علاوہ ان سبھی لوگوں کے ماتھے پر تلک اور سر پر چھوٹی سی علامتی چٹیا رکھی ہوئی ہے جس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی انتہا پسند ہندو گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو B.D بجرنگ دَل کا مخفف ہے۔ میرے علم کے مطابق یہ انتہا پسند تنظیم چند سال پہلے ہی وجود میں آئی ہے اور یہ شیو سینا اور راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ سے بھی زیادہ جنونی نظریات کی حامل ہے۔ جس کا بنیادی مقصد ہی ہندوستان میں موجود اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کا خاتمہ اور ہندومت کی نشاۃِ ثانیہ کی کوشش ہے۔ البتہ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ یہ خبیث ہمیں پولیس کے حوالے کرنے میں کیوں تامل کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہمیں کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔''

امر سنگھ دلچسپی سے وجے کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں وجے کے لئے تحسین کے جذبات موجود تھے۔ کچھ ہی دیر بعد منا لعل دوبارہ آ گیا لیکن اس بار وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ٹھگنے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک ایک گول مٹول شخص بھی تھا۔ اس نے بھی وہی مخصوص یونیفارم پہن رکھی تھی۔ البتہ سر پر موجود پی کیپ اسے دوسروں سے الگ کر رہی تھی۔ وہ دونوں ان کے سامنے والی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ منے لعل نے مؤدب لہجے میں ان کا تعارف کروایا۔

''سر! یہ امر سنگھ ہے اور دوسرا اس کا ساتھی وجے ہے۔'' اس کے بعد اس نے امر سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہمارے چیف ہیں۔'' نو وارد شخص نے ان پر اچٹتی سی نظر ڈالی تھی۔ سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے خفیف سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی گویا انہیں خوش آمدید کہہ رہا ہو۔ کچھ دیر بعد بولا۔

''آپ لوگوں کو معلوم ہے آپ کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟'' انہوں نے جواب میں خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ البتہ اس کی آواز سن کر انہیں قدرے تعجب ہوا۔ چیف کی آواز انتہائی باریک تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بولنے کی بجائے منمنا رہا ہو۔ اس نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم لوگ ہمارا ایک مسئلہ حل کر دو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہ ہوگی کہ تم لوگ حقیقتاً کون ہو اور یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ غالباً ان کے جواب کا منتظر تھا، تبھی امر سنگھ بولا۔

''دیکھو مسٹر! تم جو کوئی بھی ہو۔ صاف بات کرو کہ ہم سے کیا چاہتے ہو۔ مجھے معمے حل کرنے سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔'' منے لعل نے کڑی نگاہوں سے امر سنگھ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''اپنی حد میں رہتے ہوئے ڈھنگ سے بات کرو، تمہیں معلوم نہیں کہ تم کس سے مخاطب ہو۔''

امر سنگھ کے جواب سے پہلے ہی اس گول مٹول شخص نے منے لعل کو فہمائشی نظروں سے دیکھا۔ ''منے لعل! تم خاموش رہو، مجھے بات کرنے دو۔ ہاں تو دوستو! تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ تم لوگ بُری طرح سے ہمارے جال میں پھنس چکے ہو اور اس سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ ہم جو کہیں اس پر عمل کرتے جاؤ۔ تمہیں ہمارے ایک مخالف شخص کو زندہ ہمارے حوالے کرنا ہوگا۔ تبھی تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔''

امر سنگھ بولا۔ ''بڑی عجیب بات ہے کہ تم خود بدمعاشوں کے اچھے بھلے گروہ کے سردار ہو کر اس نامعلوم شخص کو ہمارے ہاتھوں اغوا کرانا چاہتے ہو۔''

یہ سن کر بجرنگ دَل کا چیف قدرے آہستگی سے بولا۔ ''تمہاری یہ بات تو ٹھیک ہے کہ ہمارا گروہ اس قدر طاقتور ہے کہ اسے کسی ایک آدمی کو اغوا کرنا یا اپنے راستے سے ہٹانا کچھ مشکل نہیں ہونا چاہئے لیکن میں جس شخص کی بات کر رہا ہوں وہ کوئی عام شخص نہیں ہے بلکہ وہ بھی اپنے پورے گروہ کا مالک ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ابھی تک ہم اس پر قابو نہیں پا سکے۔ میں ذرا کھل کر تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔ پچھلے کئی سال سے ہماری تنظیم کی گرفت پورے راجستھان پر ہے بلکہ احمد آباد اور بھوپال تک ہم نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں لیکن پچھلے ڈیڑھ سال سے یہ شخص منشی خان اچانک ہی ہمارے مدِمقابل آ کھڑا ہوا ہے۔ چند برس پہلے تک جیب تراشی اور چوری کی معمولی وارداتیں کرنے والا ''منشیا'' اب منشی خان بن کر ہمیں للکار رہا ہے۔ اس کی وجہ سے

ہمارا دھندہ تقریباً چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے ورنہ اس سے پہلے پورے شمالی ہند میں ہیروئن، اسلحے اور نگینے کی سمگلنگ پر ہم بلا شرکت غیرے قابض تھے۔ صوبے میں S.P اور ڈی آئی جی تک کے افسروں کی تعیناتی ہمارے اشارے پر ہوتی تھی بلکہ یہ صورتِ حال تو ابھی تک برقرار ہے لیکن اس کم بخت کی وجہ سے ہماری ساکھ بُری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ نہ جانے شیطان کی روح اس میں حلول کر گئی ہے کیونکہ وہ دھیرے دھیرے لیکن تسلسل کے ساتھ ہمارے کاروبار کو تباہ کرتا جا رہا ہے۔ ہمارے درجنوں کارکن اس کے آدمیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ وہ سالا آدمی نہیں چھلاوہ ہے۔ جب منے لعل سے تمہارا پہلی بار ٹکراؤ ہوا تھا تبھی تم لوگ ہماری نگاہوں میں آ گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ تم منشی خاں کا پتہ صاف کر سکتے ہو۔''

اس طویل تقریر کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ امر سنگھ نے فوری ردِعمل ظاہر نہ کیا کیونکہ معاملات اس کی توقع سے زیادہ پیچیدگی اختیار کرتے جا رہے تھے۔ کچھ سوچ بچار کے بعد اس نے کہا۔ ''مجھے حیرانی ہے کہ تم اتنے بڑے گروہ کو کیسے ہینڈل کرتے ہو گے۔ بلکہ مجھے تو تمہاری دماغی صحت پر بھی شک سا ہونے لگا ہے۔ بفرضِ محال ہم لوگ تمہارے ساتھ یہ وعدہ کر بھی لیں کہ ہم یہ کام کریں گے لیکن باہر جا کر غائب ہو جائیں تو تم ہمارا کیا بگاڑ لو گے۔ یا غائب نہ بھی ہوں تو تم زیادہ سے زیادہ مخبری کر کے ہمیں پولیس کے حوالے کر سکتے ہو۔ ویسے ہم اتنے بے وقوف بھی ہرگز نہیں ہیں کہ باہر نکل کر جے پور ہی میں ٹکے رہیں۔ تمہارے پاس ایسی کون سی گیدڑ سنگھی ہے جو ہمیں ایسا کرنے سے باز رکھ سکے۔''

منے لعل اور اس کے باس نے اسے اپنی بات مکمل کرنے دی لیکن اس دوران باس کے چہرے پر ایک پُراسراری مسکراہٹ کھیلتی رہی تھی۔ ''امر سنگھ! بھگت سنگھ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔'' غالباً روانی میں اپنا اصل نام اس کے ہونٹوں پر آ گیا تھا۔ ''ہم نے یہ سارے امکانات پہلے سے اپنے ذہن میں رکھے تھے تبھی تو تمہیں اتنے دنوں تک چھوٹ دیئے رکھی تاکہ تمہاری کوئی ایسی جذباتی کمزوری ہمارے ہاتھ لگ سکے اور ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔ اب ہماری مرضی کے بغیر تم اس جال سے نہیں نکل سکتے۔ تم شوق سے جے پور چھوڑ کر غائب ہو جانا لیکن یہ یاد رکھو کہ لکشمی اور اس کے دونوں بچے اب یرغمال کی صورت میں ہمارے قبضے میں ہیں۔ ہماری بات نہ ماننے کی صورت میں ان کا جو حشر ہو گا اس کی بابت تمہیں بتانے کی ضرورت غالباً نہیں ہے۔''

بھگت سنگھ کی یہ بات دنوں کے ذہنوں پر ہتھوڑے کی طرح برسی۔ وجے بولا۔ ''تم بکواس کرتے ہو، تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

یہ سن کر بھگت سنگھ کے حلق سے ایک شیطانی قہقہہ ابل پڑا۔ ''مسٹر و جے! ہم خالی دھمکیاں نہیں دیا کرتے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے میز پر پڑے ہوئے انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر کسی کو حکم دیا۔ ''مسٹر ٹو! ذرا اس عورت اور بچوں کو سکرین پر لاؤ۔'' اس نے اپنے سامنے پڑے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے دیوار کے ساتھ جڑے مختلف ٹیلی وژن سیٹوں میں سے ایک کو آن کر دیا۔ غالباً عمارت کے اندر کلوز سرکٹ ٹی وی کیمرے نصب تھے کیونکہ چند ثانیوں بعد سکرین پر ایک چھوٹے سے کمرے کا اندرونی منظر نظر آنے لگا تھا جہاں تین مختلف کرسیوں پر رسیوں سے جکڑے ہوئے دونوں بچے اور لکشمی نظر آ رہی تھی۔ ان کے چہرے خوف سے پیلے پڑ چکے تھے۔ دہشت نے تینوں کے چہروں سے زندگی کی حرارت چھین لی تھی۔ کرن اور عمر سہمی ہوئی نگاہوں سے ماں کی طرف اس امید سے دیکھ رہے تھے کہ شاید ان کی ماں (جوان کی معمولی سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی) ان کی کچھ مدد کر سکے لیکن وہ کم نصیب تو بے چارگی کی تصویر بنی بے بسی سے اپنے جگر گوشوں کو دیکھ رہی تھی۔ پاس ہی ایک صوفے پر ایک وردی والا خبیث بیٹھا ریوالور میں سے گولیاں نکال کر اس کی صفائی میں مصروف تھا۔ یہ منظر دیکھ کر و جے کی آنکھیں ابل کر حلقوں سے باہر آنے کو ہو گئی تھیں۔ امر سنگھ کے چہرے پر چھائی سنجیدگی بھی کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ و جے حلق پھاڑ کر دھاڑا۔

''ذلیل شخص ان بے گناہوں نے کیا جرم کیا ہے؟ انہیں چھوڑ دو ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔''

بھگت سنگھ پر اس کی گالیوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ تو بڑی دلچسپی سے دونوں کے چہروں کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ تبھی اس نے ٹیلی وژن کا بٹن آف کر دیا۔ ''ہاں تو مسٹر امر سنگھ اینڈ پارٹی! اب اگر تم جے پور سے بھاگ کر کہیں اور جانا چاہو تو بخوشی جا سکتے ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ تم جیسے سورما اپنی بہن اور اس کے بچوں کو یوں بے یار و مددگار چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔ بہر حال اب تمہیں واپس تمہاری رہائش گاہ پر چھوڑ دیا جائے گا۔ ٹھنڈے ذہن سے ہماری پیشکش پر غور کر لو۔ ہم کل شام رابطہ کر کے تمہارا جواب معلوم کر لیں گے۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ البتہ ایک بات ذہن نشین کر لو۔ لکشمی اور بچوں کو ابھی کسی دوسری جگہ شفٹ کر دیا جائے گا اس لئے ان کی تلاش میں اس عمارت کی طرف آنے کی حماقت نہ کرنا۔''

امر سنگھ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''بھگت سنگھ! اس وقت ہم جا رہے ہیں، تمہاری بات کا سوچ کر جواب دیں گے لیکن ایک بات یاد رکھنا اگر لکشمی یا اس کے دونوں بچوں کو کسی بھی لحاظ سے کوئی گزند پہنچی تو میں تمہارا اور تمہارے آدمیوں کا وہ حشر کروں گا کہ آنے والی

نسلوں کے لئے تم نشانِ عبرت بن جاؤ گے۔"

اس کے لہجے کی کٹھورتا نے بھگت سنگھ اور منے لعل کے علاوہ وجے کو بھی لرزا کر رکھ دیا تھا۔ واپس آ کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے بھگت سنگھ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "بھگت سنگھ! میں دوبارہ تمہیں یاددہانی کرا رہا ہوں کہ میں باتیں کم اور عمل پر زیادہ یقین رکھتا ہوں اور اپنی بات نبھانے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔"

بھگت سنگھ آہستگی سے بولا۔ "وشواس کرو انہیں اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جب تک تم ہماری پیشکش ٹھکرا نہیں دیتے۔"

کچھ دیر بعد وہ کار میں بیٹھے اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ ایک نئے چہرے نے سنبھال لی تھی کیونکہ منا لعل وہیں رہ گیا تھا۔ واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ ان کی گاڑی وہاں پہلے سے ہی موجود ہے۔ شام کا کھانا قریبی ہوٹل میں نیم دلی سے کھایا تھا۔ واپس گھر پہنچنے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اپنی گاڑی کی اچھی طرح تلاشی لی تھی۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ کے نیچے سے انہیں مختصر سا ڈکٹا فون ڈھونڈنے میں زیادہ دقت نہ ہوئی۔ اس کا رابطہ یقیناً کسی حساس قسم کے ٹرانسمیٹر سے تھا۔ وجے بولا۔

"اگر ہم پہلے ہی کچھ ہوشمندی کا مظاہرہ کرتے تو شاید لکشمی اور اس کے بچے اس مصیبت میں گرفتار ہونے سے بچ جاتے۔" وہ رات تو انہوں نے اپنے ٹھکانے پر ہی بے سکونی کی حالت میں بسر کی۔ انہیں رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ صرف ان کی وجہ سے وہ بدقسمت خاندان مزید مصائب کا شکار ہو گیا ہے۔

اگلے روز ناشتے وغیرہ سے فراغت کے بعد وہ کمال الدین کے پاس حویلی میں پہنچ گئے۔ دروازہ کھولتے ہی کمال الدین تقریباً رونے لگے تھے۔ امر سنگھ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولے۔

"امر بابو! تمہیں معلوم ہے مجھ پر کیا قیامت گزر گئی ہے؟ کل تم لوگوں کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ دروازہ لکشمی بیٹی نے ہی کھولا تھا۔ مجھے تو صورتِ حال کی سنگینی کا اس وقت احساس ہوا جب چار مسلح افراد لکشمی کو دھکیلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے لیکن ان غنڈوں کے سامنے مجھ بوڑھے اور دونوں بچوں کی مزاحمت کی اہمیت ہی کیا تھا۔ وہ میری نظروں کے سامنے میرے جگر گوشوں اور لکشمی بٹیا کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے گھر سے باہر لے گئے۔ جاتے ہوئے باہر سے کنڈی لگاتے گئے۔ میں اس اچانک صدمے سے نیم۔ بے ہوش سا ہو گیا تھا۔ کافی دیر دروازہ پیٹنے اور چیخنے چلانے کے بعد باہر سے

گزرنے والے چند افراد نے دروازہ کھولا۔ میں نے سب لوگوں کو اپنے اوپر گزرنے والے سانحے سے آگاہ کیا لیکن چند افراد کے علاوہ باقی سبھی نے طنز وطعن کے تیروں سے میری دلجوئی کی۔ میں اپنی فریاد لے کر دوسہ کے سٹی پولیس اسٹیشن پہنچا۔ تھانہ انچارج انسپکٹر کرشنا مورتی سے اپنی بپتا بیان کی۔ میری بات سننے کے بعد وہ بولا۔ ''کمال میاں! تمہارا گھر سٹی پولیس اسٹیشن اور صدر تھانے کی حد پر واقع ہے۔ اس لئے تمہیں اپنی رپورٹ صدر تھانے میں درج کرانی چاہئے۔'' گرتا پڑتا صدر تھانے میں پہنچا تو وہاں کے سکھ انسپکٹر نے شروع میں رپورٹ تک درج کرنے سے معذوری ظاہر کر دی بلکہ اس گھٹیا شخص نے کہا۔ ''لگتا ہے تمہاری بہو اپنی مرضی سے اپنے کسی آشنا کے ساتھ فرار ہوئی ہے اور اغوا کا صرف ڈرامہ رچایا گیا ہے۔'' یقین مانو امر بابو! اگر میرا بس چلتا تو اس کم ذات کی زبان گدی سے کھینچ لیتا جو میری فرشتہ خصلت بیٹی کے خلاف ایسی ناکھی باتیں کر رہا تھا لیکن کچھ بھی نہ کر سکا سوائے منت سماجت کے۔ آخر کار انہوں نے اغوا کی رپورٹ تو درج کر لی لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔''

کمال الدین نڈھال لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''بیٹا! یقین مانو، اتنا صدمہ تو مجھے اس روز بھی نہ ہوا تھا جس روز میرے بیٹے علی کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی۔ میرا تو یہ سوچ کر ہی دل بیٹھا جا رہا ہے کہ جب علی کو اس سانحے کی اطلاع ملے گی تو وہ اس صدمے کو کیسے برداشت کر پائے گا۔''

یہ کہتے ہوئے بوڑھے کمال کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ حالت تو وجے اور امر سنگھ کی بھی اس سے مختلف نہ تھی لیکن وجے ان کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔ ''محترم! ہمت سے کام لیں۔ خدا نے چاہا تو لکشمی بہن اور بچے جلد واپس آ جائیں گے۔ آپ اتنی فکر نہ کریں۔''

بوڑھا شخص شاکی نگاہوں سے وجے کو دیکھ کر بولا۔ ''بابو! جس تن لاگے سو تن جانے۔ ویسے صبر کی نصیحت کرنا واقعی بڑے دل گردے کا کام ہے۔''

وجے نے اس کے طنزیہ لہجے کا برا نہیں منایا تھا کیونکہ وہ کمال الدین کی ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ کر سکتا تھا۔ امر سنگھ اس دوران خاموش رہا تھا، وہ بولتا بھی کیا صرف اتنا کہہ پایا۔

''کمال صاحب! ہمت رکھیں ان شاء اللہ آئندہ چوبیس گھنٹوں میں آپ کے بچے اور بہو ہر حال میں آپ تک پہنچ جائیں گے۔''

واپسی پر وجے بولا۔ ''امر سنگھ جی! آپ نے جس یقین کے ساتھ کمال صاحب کو تسلی دی ہے اس کی کوئی ٹھوس بنیاد تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر وہ لوگ آپ کے مقرر کئے گئے

وقت میں نہ پہنچ پائے تو اس ناتواں بوڑھے پر کیا گزرے گی۔ میرا خیال ہے آپ نے کوئی مستحسن بات نہیں کی۔''

امر سنگھ پُر خیال انداز میں بولا۔ ''مجھے اس بات کا احساس ہے وجے لیکن میں نے یہ بات محض رواداری میں نہیں کی بلکہ ہم اس بات کو نبھانے کی پوری کوشش کریں گے۔''

وہ سارا دن انہوں نے گھر پر ہی بسر کیا۔ شام کے ٹھیک چھ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی دونوں کو خیالوں کی دنیا سے حقیقت کی وادی خاردار میں کھینچ لائی۔ ریسیور امر سنگھ نے ہی اٹھایا تھا۔ دوسری طرف بھگت سنگھ ہی تھا۔

''کہو امر سنگھ! کیسے ہو؟''

امر سنگھ تلخ لہجے میں بولا۔ ''میں ٹھیک ہی ہوں، تم صرف مطلب کی بات کرو۔''

بھگت سنگھ کی آواز میں بھی ترشی تھی۔ ''مطلب کی بات تو تمہیں کرنا ہے امر سنگھ! کہو کیا فیصلہ کیا؟''

امر سنگھ سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''ٹھیک ہے ہم تمہارا کام کریں گے لیکن ایک شرط پر۔''

بھگت سنگھ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''اچھا تو تم شرطیں عائد کرنے کی پوزیشن میں بھی ہو۔''

''میں کس پوزیشن میں ہوں اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے لیکن یہ بات طے ہے کہ ہم تمہاری بات صرف اسی صورت میں مانیں گے اگر آج رات آٹھ بجے سے پہلے لکشمی اور اس کے بچے بحفاظت اپنے گھر پہنچ جائیں۔ دوسری صورت میں نتائج ہم دونوں فریقوں کے لئے خوشگوار ثابت نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ایسی حالت میں ہم دونوں میں سے کوئی ایک فرد اگلے روز کا سورج دیکھ نہ پائے گا۔''

غالباً بھگت سنگھ نے بھی امر کے لہجے کی گھمبیرتا پوری طرح محسوس کر لی تھی۔ ''ٹھیک ہے مجھے تمہاری شرط منظور ہے لیکن اس کے بعد اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم لوگ واقعی ہمارا کام کرو گے۔''

امر سنگھ بولا۔ ''اس کی ضمانت صرف میری زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ ہی ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ بے رحم ہونے کے ساتھ تم لفظوں کی حرمت سے بھی نا آشنا ہو۔''

''اچھا ٹھیک ہے، رات آٹھ بجے سے پہلے یہ عورت اور بچے گھر پہنچا دیئے جائیں گے لیکن اس کے بعد تم لوگ پوری طرح میرے ڈسپوزل پر ہو گے۔ منا لعل تمہیں تمام تفصیلات سے آگاہ کر دے گا اور ہاں یاد رکھو بھگت سنگھ اپنے ساتھ کی گئی کسی قسم کی چالاکی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔'' بھگت سنگھ کی آواز میں فتح مندی کا عنصر غالب تھا۔ شاید اسے امر سنگھ کی آمادگی کے

جواب سے کافی حیرت و مسرت ہوئی تھی۔ فون بند کر کے امر نے وجے کی طرف دیکھا۔ اس نے بھی غالباً امر سنگھ کی یکطرفہ بات چیت سے بات کا مکمل اندازہ کر لیا تھا کیونکہ اب وہ کافی خوش نظر آ رہا تھا۔

رات نو بجے کے قریب وہ دوبارہ لکشمی کے مکان پر موجود تھے۔ کمال الدین نے دروازے پر ہی دونوں کو اپنائیت سے لپٹا لیا۔ اندر پہنچنے پر عمر اور کرن بھی دوڑ کر ان کی ٹانگوں سے لپٹ گئے تھے۔ لکشمی نے سر جھکا کر آداب کیا۔ اس کا رنگ ابھی تک زرد تھا لیکن آنکھوں میں مسرت کی چمک تھی۔ چھوٹتے ہی بولی۔

''بھائی آپ لوگوں نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آپ پاکستانی ہیں اور مسلمان بھی۔ بخدا یہ جان کر مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اپنے مصائب وقتی طور پر بھول گئے ہیں۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ شاید میرا علی بھی بچ جائے گا۔ مجھے اغوا کرنے والے بدمعاشوں کے سربراہ نے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ بہرحال اگر میری ذات آپ لوگوں اور پاکستان کے کچھ کام آ سکے تو ضرور بتائیں۔ اب میرے دل میں خوف کی جگہ عزم نے لے لی ہے۔ حالانکہ بدمعاش سردار نے کہا تھا کہ ہمارے آدمی تم لوگوں پر ہر دم نگاہ رکھیں گے تاکہ تم لوگ بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ اب بھلا اس احمق کو کون بتاتا کہ جب تک میری سانس کی ڈوری چل رہی ہے میں اپنے علی سے جان بوجھ کر کیسے دور ہو سکتی ہوں؟ ویسے ان لوگوں نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر امر سنگھ اور وجے نے ہمارا بتایا ہوا کام سرانجام نہ دیا تو دردناک موت میرے اور میرے بچوں کا مقدر ہو گی۔''

امر سنگھ مستحکم لہجے میں بولا۔ ''بہن! تم مکمل اطمینان رکھو۔ ہماری زندگی میں تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔'' تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک ریسٹورنٹ میں رک کر کھانا بھی کھایا گیا۔ اس دوران وجے بولا۔

''ہم آئے یہاں کس مقصد کے لئے ہیں لیکن ایک کے بعد دوسرے غیر متعلقہ مسئلوں میں الجھتے جا رہے ہیں۔ بہرحال اب کیا ہو سکتا ہے جب اونٹوں والوں سے دوستی کر ہی لی ہے تو دروازے تو اونچے رکھنے ہی پڑیں گے۔''

دوسرے روز صبح دن چڑھتے ہی دروازے پر بیل ہوئی تو وجے نے دروازہ کھولا۔ سامنے منے لعل کو دیکھ کر اس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ جی میں تو آئی کہ اس کے جبڑوں پر ایسا گھونسہ رسید کرے کہ اس کم بخت کے چودہ طبق روشن ہو جائیں مگر قہر درویش بر جان درویش کے مصداق خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجا کر اسے اندر لے

آیا۔ منے لعل نے کھڑے ہی کھڑے کہا۔

''آپ لوگوں کو چیف نے یاد کیا ہے۔ ان کے ساتھ ہی ناشتہ کریں، باس کو امید ہے آپ ان کی یہ درخواست قبول فرمائیں گے۔''

لیکن وجے نے اس درخواست میں پوشیدہ ''حکم'' کو بخوبی محسوس کر لیا تھا۔ وہ دونوں تیار ہو کر اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اسی وسیع و عریض عمارت میں داخل ہو رہے تھے۔ بھگت سنگھ غالباً انہی کے انتظار میں باہر برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی بڑے تپاک سے ملا۔ کھانے کی وسیع و عریض میز پر کئی قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ بھگت سنگھ نے پلیٹ وجے کے آگے سرکاتے ہوئے کہا۔

''مسٹر وجے! آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟'' وجے کو اس کے بناوٹی خلوص پر خواہ مخواہ غصہ آ رہا تھا۔ چڑ کر بولا۔

''میں اُلّو کے بھیجے کا ناشتہ کرتا ہوں۔''

بھگت سنگھ سپاٹ سے لہجے میں بولا۔ ''لیکن مجھے فی الحال تمہارے دماغ کے اس مصرف پر اعتراض ہے۔'' امر سنگھ بے ساختہ مسکرا پڑا تھا البتہ وجے تلملا کر رہ گیا لیکن اسے حیرانی ضرور ہوئی تھی کہ بھگت سنگھ میں حسِ مزاح بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کافی تعلیم یافتہ ہے وگرنہ کسی اجڈ ملزم سے ایسے جواب اور برجستہ مذاق کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

ناشتے کے بعد بھگت سنگھ نے چند نقشوں اور دیگر کاغذات کی مدد سے انہیں منشی خان کے مختلف ٹھکانوں اور دیگر مشاغل سے آگاہ کیا۔ اس کی باتیں سن کر انہیں منشی سے ملنے کا اشتیاق دوچند ہو گیا تھا۔ کیونکہ بھگت سنگھ نے منشی خان کے بارے میں جو تصویر کشی کی تھی اس سے تو وہ انتہائی غیر معمولی شخص لگ رہا تھا۔

واپس گھر میں داخل ہونے کے بعد امر سنگھ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی خاص چیز سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وجے نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے کچھ پوچھنا چاہا لیکن امر سنگھ نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود باقی کمروں میں جا کر ٹٹولتی نظروں سے ہر چیز کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دیر بعد واپس آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''وجے! مجھے تو بھگت سنگھ نہایت معقول آدمی لگا ہے، ایک ذہین اور قابلِ بھروسا شخص۔''

وجے حیرانی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ بھگت سنگھ جیسے بدقماش شخص کی بلاوجہ تعریف

اسے اچھی نہیں لگی تھی لیکن جب امر سنگھ نے اشارے سے اسے بتایا کہ ان کی بات چیت کہیں دوسری جگہ سنی جا رہی ہے تو اس نے بھی محتاط الفاظ میں بجرنگ دَل اور اس کے چیف کی قصیدہ خوانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وجے نے پوچھا۔

''اب آئندہ کا کیا پروگرام ہے؟''

امر سنگھ کا جواب تھا۔ ''فی الحال تو منشی خان کو قابو میں کرنا ہے، اس کے بعد کسی اور بات کے بارے میں سوچیں گے۔ اچھا اب کچھ دیر آرام کر لیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا اور صوفوں کے نیچے جھک کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ننھا منا سا لیکن انتہائی حساس ٹرانسمیٹر اس کے ہاتھوں میں تھا۔ چند لمحے اسے الٹ پلٹ کر اس کو آپریٹ کرنے کا سسٹم سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس کا بٹن آف کرنے کے بعد وجے سے بولا۔ ''اب تم بے تکلفی سے گفتگو کر سکتے ہو۔''

وجے بولا۔ ''کیا گفتگو کرنی ہے۔ مجھے تو یہی بات کھٹک رہی ہے کہ ہم لوگوں نے اپنے اصل ٹارگٹ کے حصول میں تو کوئی خاص پیش رفت نہیں کی۔ ہمارا زیادہ وقت دوسری باتوں میں ضائع ہو رہا ہے۔''

امر سنگھ کوئی جواب دیئے بنا اسے دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔ ''وجے! اگر تم چاہو تو ان غیر متعلقہ معاملات سے کوئی غرض نہ رکھو۔ حالانکہ میرے خیال میں ہم نے کوئی غیر ضروری مصیبت اپنے گلے میں نہیں ڈالی۔ البتہ لکشمی اور اس کے خاندان کے تحفظ کا وعدہ ضرور کر بیٹھے ہیں اور اسے تو میں ہر حال میں نبھاؤں گا۔''

وجے اس کی بات کی سنجیدگی محسوس کر کے بولا۔ ''امر سنگھ! میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا مگر ساتھ ساتھ اگر ہم 'ماؤنٹ آبو' اور دیگر اڈوں پر زیادہ توجہ دیں تو اس میں برائی کیا ہے۔''

امر سنگھ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے اسے حکم دیا کہ وہ آج ہی سردار نرنجن سنگھ سے ملے اور اس کے دوست میجر بیدی کا تفصیلی حدود اربعہ معلوم کرنے کی کوشش کرے تاکہ آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔ اسی روز شام کو وجے اکیلا گاڑی لے کر سردار جی کے یہاں جا دھمکا۔

نرنجن سنگھ اور مالتی نے اس کی آمد پر بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ نرنجن سنگھ اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''تم بڑے موقع پر پہنچے ہو اگر امر سنگھ بھی آ جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔''

وجے نے گرمجوشی کا سبب دریافت کیا تو مالتی بولی۔ ''آج سردار جی کے گہرے دوست

میجر بیدی بھی اپنے چند دوستوں کے ساتھ ہمارے ہاں مدعو ہیں۔ اگر آپ لوگ بھی آ جاتے تو خوشی دوچند ہو جاتی۔'' یہ سن کر وجے کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ قدرت ان لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرتی جا رہی ہے۔ اس نے امر سنگھ کی شرکت کے بارے میں تو معذرت کر لی کہ وہ کسی ضروری مصروفیت کے باعث نہیں آ سکتا۔ البتہ وہ خود بخوشی اس کھانے کی دعوت میں شریک ہوگا۔ وہ اور نرنجن سنگھ ڈرائنگ روم میں بیٹھے مالتی کے ساتھ گپ شپ میں مصروف رہے۔ درمیان میں وقفے کے ساتھ مالتی اٹھ کر کچن کا رخ کرتی تاکہ خانساماں اور دیگر ملازمین کسی تساہل کے مرتکب نہ ہوں۔ وجے محسوس کر رہا تھا کہ آج مالتی کا چہرہ پہلے سے زیادہ شگفتہ تھا اور اس کے چہرے پر چھائی ہوئی دائمی سنجیدگی بھی قدرے کم تھی۔

رات نو بجے کے لگ بھگ ایک گاڑی پورچ میں آ کر رکی، ایک ملازم نے مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔ وجے بھی مالتی اور نرنجن سنگھ کے ہمراہ برآمدے تک استقبال کے لئے آیا۔ گو میجر بیدی وردی میں نہیں تھا لیکن اس کے کسرتی جسم اور طور و اطوار نے اس کی شناخت میں آسانی پیدا کر دی۔ اس کے ساتھ صرف ایک آدمی اور تھا جو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر براجمان تھا۔ بیدی نے خود اس کے لئے دروازہ کھولا تو ایک بے جے سے جسم کے مالک ایک صاحب گاڑی سے بمشکل برآمد ہوئے۔ بے ترتیب داڑھی اور بڑھی ہوئی مونچھوں والا وہ سادھو نما شخص آہستہ روی سے آگے بڑھا۔ جبکہ بیدی عقیدت سے اس کے پیچھے چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچا کمرے میں آ کر سردار جی نے وجے سے ان کا تعارف کروایا۔ تعارف کے بعد وجے کو پتا چلا کہ میجر بیدی کے ساتھ دوسرے مہاشے اچاریہ گنگا رام جی ہیں۔ جو جین دھرم کے نامی گرو ہونے کے علاوہ حکمت میں بھی منہ مارتے ہیں۔ بیدی، نرنجن سنگھ اور مالتی سبھی ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں سبھی ان کا خصوصی احترام کر رہے تھے۔ بیدی ایک ہنس مکھ شخص تھا اسی لئے بہت جلد وجے سے بے تکلف ہو گیا۔ ایک اور چیز جو وجے نے محسوس کی وہ مالتی کا رویہ تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ چہک رہی تھی۔ وجے نے میجر بیدی اور مالتی کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لئے خصوصی دلچسپی کے آثار محسوس کئے تھے۔ کھانے سے پہلے مے نوشی کا بھرپور دور چلا۔ البتہ وجے نے اس میں شرکت سے معذرت کر لی تھی۔ بیدی اور نرنجن نے کافی اصرار بھی کیا کہ وجے ان کا ساتھ دے لیکن اچاریہ جی اور مالتی نے اس معاملے میں وجے کا ساتھ دیا کہ اگر وجے کسی وجہ سے نہیں پینا چاہتا تو اسے اس پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس دوران میجر بیدی نے عقیدت بھرے انداز میں اچاریہ جی کی روحانی

کرامات اور طبی مہارت کے ایسے ایسے فسانے وجے کے گوش گزار کئے کہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اگر بیدی ایک چوتھائی بھی سچ بول رہا ہے تو اچاریہ مہاراج ''طبیب دوراں'' قسم کی کوئی چیز ہیں۔ کھانے کے دوران بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ جواب آں غزل کے طور پر وجے نے بھی ''ایودھیا'' میں مقسم اپنے ''مبینہ'' گرو مہاراج کے ایسے ایسے کمالات بیان کئے کہ ان سب کی سٹی گم ہوگئی۔ وجے نے اپنے گرو مہاراج کی عظمت بیان کرتے ہوئے اچاریہ جی سے کہا۔

''شریمان! ہمارے بابا جی کے پاس ایسا نسخہ بھی ہے جسے کھانے کے بعد انسان کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔''

اچاریہ جی نے بے یقینی کے انداز میں کہا۔''وجے بابو! یہ کیا کہہ رہے ہو۔ یہ تو ناممکن سی بات ہے۔''

وجے نے ان سب کی حیرانی میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا۔''شریمان جی! میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ میرے کئی جاننے والوں نے یہ دوائی استعمال کی ہے۔''

میجر بیدی نے اشتیاق سے پوچھا۔''تو کیا وہ لوگ واقعی بوڑھے نہیں ہوئے؟''

وجے نے پلکیں جھپکتے ہوئے نہایت اطمینان سے کہا۔''ہاں جناب! اس دوائی کو کھانے کے بعد واقعی ان میں سے کوئی شخص بھی بوڑھا نہیں ہوا بلکہ سبھی جوانی ہی میں چل بسے۔'' بات کا آخری حصہ سن کر ایک لمحے کے لئے تو سبھی متحیر سے رہ گئے تھے لیکن جب بات ان کی سمجھ میں آئی تو زوردار قہقہہ پڑا تھا۔ اچاریہ جی کھسیانی ہنسی ہنس کر بولے۔

''وجے بابو! تم بڑے واہیات شخص ہو۔ بہرحال تمہاری باتوں سے واقعی ہم محظوظ ہوئے۔''

وجے نے اس تعریف پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ اب محفل اپنے مکمل جوبن پر تھی کیونکہ انگور کی بیٹی اپنا آپ منوا رہی تھی۔ ان سبھی کی گفتگو میں ربط و تسلسل کا فقدان نظر آنے لگا تھا۔ اب وجے نے پوچھا۔

''میجر صاحب! آج کل آپ کی پوسٹنگ کہاں پر ہے؟'' میجر صاحب جواباً اپنے بارے میں پوری تفصیل فراہم کرنے لگے۔

''وجے! آج کل میں ڈیپوٹیشن پر CISF میں ہوں۔''

وجے بولا۔''یہ کس بلا کا نام ہے؟''

بیدی بولا۔''سینٹرل انڈسٹریل سکیورٹی فورس'' فوج کا ہی ایک ذیلی ادارہ ہے جو

1968 میں قائم کیا گیا تھا۔ تراسی ہزار افراد پر مشتمل یہ فورس 210 یونٹس میں بٹی ہوئی ہے۔ جس کے ڈائریکٹر جنرل پی ایس بھنڈر ہیں۔ اس کے بنیادی فرائض یہ ہیں کہ پورے بھارت میں پھیلے ہوئے دفاعی نوعیت کے اداروں کی سکیورٹی کی ذمہ داری یہی فورس ہے۔ بھارت میں اس وقت 80 سے زائد دفاعی پیداوار کی تنصیبات جن میں 36 اسلحہ ساز کارخانے، پبلک سیکٹر کے تحت 8 دفاعی پیداوار کے یونٹ، 40 دفاعی تحقیقی لیبارٹریاں سبھی ہماری تحویل میں ہیں۔ اس کے علاوہ اٹامک انرجی کے سبھی ادارے بھی اس ضمن میں آتے ہیں۔''

وجے بولا۔ ''لیکن آپ ان میں سے کس جگہ پر تعینات ہیں؟'' اگر بیدی اس وقت تھوڑے حواس میں بھی ہوتا تو اس براہِ راست سوال پر یقیناً چونک اٹھتا لیکن برا ہو اس شراب خانہ خراب کا جو بیدی بڑے فخر کے ساتھ بولا۔

''آج کل 'ماؤنٹ آبو' میں پاکستانی تخریب کاروں کو تربیت دی جا رہی ہے۔ وہاں کے چند مخصوص سیاسی اور لسانی گروہوں سے متعلقہ چالیس نوجوانوں کا گروپ آج کل زیرِ تربیت ہے۔ میں آج کل وہاں تعینات ہوں۔ بٹالین کا سیکنڈ ان کمان ہوں۔ تم شاید اس فوجی ٹرم کو نہ سمجھ سکو۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں وہاں ڈپٹی کمانڈنٹ ہوں۔''

وجے کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا تھا کیونکہ اسے توقع سے بڑھ کر کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ احتیاطاً اس موضوع پر مزید گفتگو سے پرہیز کیا۔ البتہ اچاریہ جی سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اسے بھی اپنے چیلوں میں شامل کر لیں۔ اچاریہ اور دیگر شرکائے محفل نے اس بات پر بھرپور خوشی کا اظہار کیا بلکہ اسی بات پر شراب کا ایک اور دور چل پڑا۔

آدھی رات کے قریب وجے تو رخصت ہو گیا۔ البتہ مالتی نے اصرار کر کے میجر بیدی اور اچاریہ جی کو اپنے یہاں ٹھہرنے پر رضامند کر لیا۔ اگلی صبح گھر سے باہر ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر وجے نے امر سنگھ کو گزشتہ رات کی اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا۔ امر سنگھ نے اس کی نمایاں کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کیا۔ امر سنگھ بولا۔

''آج ہم لوگ منشی خان سے ملنے کی کوشش کریں گے تاکہ یہ معاملہ بھی کچھ آگے بڑھ سکے۔'' انہوں نے ایک پبلک کال بوتھ کے آگے گاڑی کھڑی کی اور نیچے اتر کر امر سنگھ نے منشی خان کا نمبر ملایا۔ وہ خود تو فون پر دستیاب نہ ہوا البتہ اس کے سیکرٹری نے امر سنگھ کو بعد دوپہر دو بجے کا وقت دیا۔ امر سنگھ باہر آ کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''خدا کی شان ہے بدمعاشوں نے بھی سیکرٹری رکھ چھوڑے ہیں۔''

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ منشی خان سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ آدھے گھنٹے

کے سفر کے بعد وہ لوگ اجمیر روڈ پر واقع ''گلتا جی'' کے تالاب کے کنارے واقع منشی خان کی محل نما کوٹھی کے مین گیٹ پر موجود تھے۔ گیٹ پر موجود مسلح گارڈ کو انہوں نے اپنا انشورنس کمپنی والا وزیٹنگ کارڈ دیا۔ گارڈ نے گیٹ کے کونے میں موجود کیبن سے ٹیلی فون پر کسی سے بات کی۔ اندر سے گرین سگنل ملنے کے بعد ان کے لئے دروازہ کھول دیا گیا اور گاڑی اندر داخل ہوگئی۔ وجے بولا۔ ''یہ تو کسی راجے مہاراجے کی رہائش گاہ معلوم ہوتی ہے۔'' ان کی گاڑی کو ایک طرف کھڑا کرنے کا اشارہ ہوا۔ جہاں دو افراد نے ان کی مکمل جامہ تلاشی لی۔ اس کے علاوہ گاڑی کو بھی اچھی طرح چیک کیا گیا۔ اس کے بعد انہیں ایک چھوٹے سے کمرے کے ذریعے اندر جانے کی ہدایت ملی۔ اس کمرے کی دیواریں، فرش اور چھت سبھی فولادی چادروں کے بنے ہوئے تھے۔ یہاں سے گزرنے کے بعد انہیں ایک ہال نما کمرے میں بٹھا دیا گیا اور انتظار کرنے کو کہا گیا۔ وہاں بیٹھ کر امر سنگھ نے وجے سے پوچھا۔

''ان فولادی چادروں والے کمرے سے گزرنے کا مطلب سمجھتے ہو؟''

وجے نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس میں غالباً میٹل ڈیٹیکٹر نصب تھا جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ گزرنے والے شخص کے پاس ایسی چیز تو نہیں جس کی ساخت میں لوہا استعمال ہوا ہوتا کہ کوئی شخص کوئی ہتھیار حتیٰ کہ چاقو تک بھی اندر لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔''

وہ ابھی اسی گفتگو میں مصروف تھے کہ ایک سیکرٹری نما شخص اندر داخل ہوا اور بولا۔ ''چلو آپ لوگوں کو خان نے یاد کیا ہے۔''

کئی راہداریوں میں مڑنے کے بعد وہ ایک درمیانے سائز کے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں معمولی سا قالین بچھا تھا۔ باقی فرنیچر بھی قیمتی نہیں تھا، سامنے ایک بڑی میز کے عقب میں ریوالونگ چیئر پر ایک چھبیس ستائیس سالہ نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ درمیانے قد کا ایک گورا چٹا نوجوان انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ انہیں اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نوجوان باوقار لہجے میں بولا۔

''آپ لوگ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے تھے۔'' وہ دونوں ابھی تک حیرت کے جھٹکے سے سنبھل نہیں پائے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ عام سا نوجوان ہی منشی خان ہوگا جس کے نام سے بجرنگ دل جیسی مافیا بھی خوفزدہ ہے۔ کیونکہ بظاہر وہ پچھلی سیٹوں پر بیٹھنے والا یونیورسٹی سٹوڈنٹ لگ رہا تھا۔ امر سنگھ بولا۔

''ہم انشورنس کمپنی کے سیلز ریپ ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ اور آپ کے ماتحت افراد

ہمارے ہاں سے لائف انشورنس کروالیں۔''

یہ سن کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ منشی خان بولا۔''تو اب انشورنس کمپنیوں نے چھٹے ہوئے بدمعاشوں کی زندگی کے بیمہ بھی شروع کر دیئے ہیں۔ ویسے بائی دی وے میرا پتہ آپ کو کس صاحب نے دیا ہے؟''

امر سنگھ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔''آپ کا پتہ ہمیں بھگت سنگھ نے دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھگت سنگھ سے واقف ہوں گے۔''منشی خان کے ہونٹوں پر چھائی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی اور تنا ہوا چہرہ قدرے ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں نے حقیقت بیانی سے کام لیا ہے۔ ورنہ یہاں سے آپ کا واپس جانا بڑا مشکل ہو جاتا۔ ویسے میں آپ لوگوں سے اور آپ کو سونپے گئے بھگت سنگھ کے مشن سے مکمل طور پر آگاہ ہوں۔ اپنے ذرائع سے مجھے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ بجرنگ دل نے میرے اغوا پر آپ لوگوں کو مامور کیا ہے لیکن میں اس وقت جلدی میں ہوں مجھے کہیں جانا ہے۔ آپ لوگ اگر کل آ سکیں تو تفصیل سے گفتگو ہو گی بلکہ ہو سکتا ہے میں اپنے اغوا پر رضامند ہی ہو جاؤں۔''اس کے پُراعتماد اندازِ گفتگو نے دونوں کو ہی متاثر کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ منشی خان سے ہاتھ ملا کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ کمرے کے دروازے پر موجود مسلح شخص نے واپسی میں ان کی گاڑی تک رہنمائی کی۔ عمارت سے باہر نکل کر انہوں نے دیکھا کہ موسم اچانک ہی تبدیل ہو گیا ہے خنک ہوا کے تیز جھونکے چل رہے تھے۔ آسمان کالی گھٹاؤں سے بھر گیا تھا۔ ہلکی سی بوندا باندی بھی شروع ہو چکی تھی۔ عمارت سے تھوڑی دور ہی آئے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ چند لمحوں میں چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ شدید بارش اور طوفانی ہوا کے تھپیڑوں نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ سڑک کے کنارے گاڑی روک کر بارش ہلکی ہونے کا انتظار کریں ورنہ کسی حادثے کی لپیٹ میں آنے کا قوی اندیشہ تھا۔ پہاڑی سڑک کے ایک طرف گاڑی روک کر وہ بارش تھمنے کا انتظار کرنے لگے۔

سامنے بائیں طرف تالاب نظر آ رہا تھا جس کے کنارے دو ہیولے سے نظر آ رہے تھے۔ غور سے دیکھنے پر وجے کو محسوس ہوا کہ دو نوعمر لڑکے تالاب میں کسی چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہے ہیں۔ وجے نے امر سنگھ کی توجہ بھی ادھر مبذول کرائی۔ دونوں حیران تھے کہ اس موسم میں یہ نوجوان لڑکے تالاب کے کنارے کیا کر رہے ہیں۔ یک بارگی بجلی بڑے زور سے چمکی اور اس کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ تالاب کے پانی کی سطح پر کوئی چیز تیر رہی ہے اور

اگر ان کی آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا تو پانی میں تیرنے والی چیز کچھ اور نہیں بلکہ کسی چار پانچ سالہ بچے کی لاش تھی۔ وہ حیرانی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ چند لمحوں بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا پانی میں کود گیا ہے اور تیر کر اس لاش کو کنارے کی طرف دھکیل لایا ہے۔ باہر موجود نوجوان نے بچے کی لاش کو باہر کھینچ لیا۔ تب دونوں لڑکوں نے مل کر ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور بچے کی لاش اس پتھر سے باندھنے لگے۔ لاش کے ساتھ پتھر باندھ کر دونوں نے زور لگا کر پتھر اور لاش پانی میں دھکیل دی۔

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

باب 4:

وجے اور امر سنگھ حیرانی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ وجے نے غیر شعوری طور پر اپنی جیب سے لائٹر نکالا اور اس میں موجود انتہائی حساس کیمرے کے ذریعے اس منظر کی چند تصویریں لے ڈالیں۔ اس دوران امر سنگھ اپنی گاڑی کو ان لڑکوں کے کافی قریب لے گیا۔ انہوں نے چونک کر گاڑی کی طرف دیکھا۔ امر سنگھ نے گاڑی کا شیشہ کھول کر انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں نوجوان مسحور انداز میں ان کی طرف بڑھے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کبھی انہیں دیکھتے اور کبھی تالاب کی طرف ان کی نگاہیں اٹھ جاتیں۔ جہاں دھیرے دھیرے بچے کی لاش غائب ہو چکی تھی۔ آندھی اور بارش نے اردگرد کے ماحول کو کافی پُراسرار روپ دے دیا تھا۔ امر سنگھ نے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر دونوں کو اس میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں نے قدرے تامل سے اس پر عمل کیا۔ کار آگے بڑھا کر سڑک کے ایک طرف امر سنگھ رک گیا اور پیچھے مڑ کر غور سے اجنبی نوجوانوں کو دیکھنے لگا۔ دونوں کی عمریں بیس کے لگ بھگ نظر آتی تھیں۔ چھوٹے سے قد کے گول مٹول سے لڑکے نے پتلون اور شرٹ پہن رکھی تھی جبکہ اس کا دراز قد ساتھی سفید کُرتے پاجامے میں ملبوس تھا۔ لمبے قد کا یہ نوجوان مردانہ وجاہت کا مکمل نمونہ کہا جا سکتا تھا۔ اگر وہ خود چند لمحات پہلے ان دونوں کے سفاکانہ کرتوت نہ دیکھ چکا ہوتا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ نوجوان کسی قسم کے غیر انسانی فعل کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

امر سنگھ نے دراز قد سے اس کا نام دریافت کیا تو اس نے اپنا نام ''پراگ'' بتایا جبکہ پست قامت کا نام ''نیلا دھر'' تھا۔ امر سنگھ نے پست قامت سے اس بچے کی لاش کے بارے میں پوچھا تو اس نے کوئی واضح جواب نہ دیا بلکہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں انہیں الجھانے کی کوشش کی البتہ دراز قد ''پراگ'' نے سچ اگلنے میں زیادہ تامل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ زیادہ حیران کن تو نہیں تھا البتہ افسوس ناک ضرور تھا۔

پراگ کے بیان کے مطابق یہ بچہ ''آکاش'' ان دونوں کا ماموں زاد بھائی تھا۔ ان کا ماموں سیٹھ دویا چرن شکلا جے پور کے چند بڑے تاجروں میں سے ایک تھا۔ وہ دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا یعنی پراگ اور نیلا دھر دونوں کی مائیں سیٹھ کی حقیقی بہنیں تھیں۔ پراگ اور نیلا دھر کے والدین اگرچہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے لیکن سیٹھ دویا چرن کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ چند ماہ پہلے سیٹھ جی اپنی اہلیہ اور اکلوتے بیٹے کے ہمراہ بذریعہ کار دہلی سے براستہ آگرہ جے پور واپس آرہے تھے لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ شہر سے چند میل دور ان کی گاڑی مخالف سمت سے آنے والے مال بردار ٹرک سے ٹکرا گئی۔ حادثہ اس قدر شدید تھا کہ سیٹھ جی، ان کی دھرم پتنی اور بچے کی آیا موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ البتہ معجزاتی طور پر بچہ بالکل محفوظ رہا۔ قانونی کارروائی کے بعد یہ بچہ اپنی بڑی پھوپھی کوشلیا (نیلا دھر کی ماں) کے حوالے کر دیا گیا۔ یہیں پر اس داستان نے شرمناک روپ اختیار کر لیا۔

بچے کی دونوں پھوپھیاں بظاہر اس پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتی تھیں لیکن در پردہ ان کی نگاہیں لاکھوں کی جائیداد پر تھیں۔ یہ جائیداد انہیں بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ دونوں بہنوں کے شوہر نسبتاً بھلے مانس تھے۔ اس لئے دونوں نے انہیں اپنی سازش میں شامل نہ کیا البتہ اپنے بڑے بیٹوں کو ورغلایا کہ اس بچے سے جان چھوٹ جائے تو اتنی بڑی جائیداد ان کے تصرف میں آجائے گی۔ چونکہ ان کے علاوہ جائیداد کا قانونی وارث اور کوئی نہیں تھا۔ باقاعدہ سازش کے تحت رات کو سوتے ہوئے بچے کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ بچے نے مرنے سے پہلے جب گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو اپنی مہربان، پھوپھو کو اپنا گلا پکڑے دیکھا۔ اپنی ساری طاقت مجتمع کر کے ایک بار تو اس نے اپنی گردن چھڑا بھی لی تھی اور مدد کے لئے اپنی ماں کو پکارا بھی تھا لیکن تبھی اس کی دوسری پھوپھی کا ''شفیق'' چہرہ دروازے میں نمودار ہوا تو اس کے چہرے پر قدرے رونق آگئی تھی لیکن اطمینان کا یہ دورانیہ انتہائی مختصر تھا کیونکہ دوسری عورت نے آتے ہی اس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر اپنا سارا وزن اس پر ڈال دیا اور اپنے دونوں بازو مضبوطی سے اس معصوم کی گردن پر جما دیئے۔ بچے نے آخری مزاحمت کی کوشش کی لیکن دوسری بہن نے بچے کے بازو اور ٹانگیں قابو میں کر کے اس کی مدافعت ختم کر دی۔ بچہ اس شیطانی گرفت سے چھٹکارا نہ پا سکا اور لالچ کی بھینٹ چڑھ گیا۔

اب دونوں عورتوں کو تھوڑی فکر لاحق ہوئی کہ لاش کو فوراً ٹھکانے لگایا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ دونوں کے شوہروں میں سے کسی کی نظر پڑ جائے۔ واضح رہے کہ چند ماہ پہلے سیٹھ جی کی حادثاتی موت کے بعد سے دونوں بہنیں بمعہ اہل وعیال اسی گھر میں آکر مقیم ہو گئی تھیں۔

بہرحال دونوں عورتوں نے اپنے اپنے بیٹوں کو اس بچے کی لاش ٹھکانے لگانے پر مامور کیا۔ نیلا دھر اور پراگ کوئی پیشہ ور مجرم تو تھے نہیں اس لئے لاش ٹھکانے لگانے میں زیادہ مہارت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ سہ پہر کے وقت اپنی چھوٹی سی کار میں لاش ڈال کر تالاب پر پہنچ گئے اور لاش ویسے ہی تلاب میں پھینک دی۔ اس اثنا میں موسم اچانک ہی تبدیل ہو گیا تھا اور شدید بارش شروع ہو گئی۔ ساتھ کوئی وزن بندھا نہ ہونے کے سبب لاش پانی میں تیرنے لگی۔ اس وجہ سے انہیں اس کے ساتھ پتھر باندھنا پڑا۔ ان کا خیال تھا کہ ایسی طوفانی بارش میں اس ویرانے میں کوئی انسانی آنکھ ان کے جرم کی گواہ نہ بن پائے گی لیکن سُوئے اتفاق سے وہ لوگ وجے اور امر سنگھ کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔

اپنی بات مکمل کرنے تک پراگ نے باقاعدہ کانپنا شروع کر دیا تھا۔ وجے نے اس کی پیشانی چھو کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ تیز بخار سے پھنک رہا تھا۔ اس کی یہ حالت سردی اور خوف کا نتیجہ تھی۔ وجے اس خوبصورت جوان کو نفرت اور رحم کی ملی جلی کیفیت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے امر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''گرو جی! یہ نئی مصیبت گلے آ پڑی ہے۔ میرا خیال ہے دھکا دے کر ان دونوں کو گاڑی سے نیچے پھینکیں اور اپنی راہ لیں۔''

امر سنگھ چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔ ''نہیں ہم ان دونوں کو ان کے گھر تک پہنچا کر آئیں گے۔'' وجے نے اس خیال پر مزید تبصرہ کرنے سے گریز کیا البتہ جھنجلا کر بولا۔

''یہاں سے تو چلیں اب تو بارش کافی ہلکی ہو گئی ہے۔'' امر سنگھ نے پراگ سے ان کے گھر کا پتہ دریافت کیا اور کار اسٹارٹ کر دی۔ بارش کی وجہ سے گاڑی کی رفتار زیادہ نہیں تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد وہ پرانے ڈیزائن کی ایک بڑی سی کوٹھی کے باہر موجود تھے۔ گیٹ کے ساتھ ایک بڑے نیون سائن پر ''آکاش بھون'' تحریر تھا۔ نیلا دھر نے اشارے سے بتایا کہ یہی ان لوگوں کی رہائش گاہ ہے۔ نیم پلیٹ پر کندہ ''سیٹھ ودیا چرن شکلا'' کے الفاظ اس بات کا مظہر تھے کہ یہ محل نما مکان اس بدقسمت بچے کے والدین کا تھا۔ اس خاندان کا نام ونشان تک بھی اب مٹ چکا تھا۔ امر سنگھ کے ہارن دینے پر گیٹ کے ساتھ بنے ہوئے کیبن سے ایک گورکھا چوکیدار برآمد ہوا اور گیٹ کھل گیا۔ اندر برآمدے نما پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے امر سنگھ نیچے اترا اور ان دونوں لڑکوں سے بھی نیچے آنے کو کہا۔ نیلا دھر تو اب پوری طرح سے اپنے حواس میں تھا۔ البتہ پراگ کو وجے نے سہارا دے کر نیچے اتارا۔ جب تک وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے بیرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک چالیس بیالیس

سالہ خوبصورت عورت نمودار ہوئی اور پراگ کو ڈگمگاتے قدموں سے چلتے دیکھ کر بولی۔
''پراگ بیٹا کیا ہوا، یہ کون لوگ ہیں؟'' پراگ نے کوئی جواب نہ دیا تو وجے سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ ''آپ لوگ کون ہیں؟ اور میرے بیٹے پراگ کو کیا ہوا ہے؟''
وجے اس عورت کو عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''شریمتی جی! آپ ہمیں اندر تو آنے دیں آپ کو ساری تفصیل بتا دیں گے۔'' وہ عورت شرمندہ سی ہو کر بولی۔
''افوہ، آئی ایم سوری مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ آپ لوگ اندر تشریف لے آئیں۔'' وہ اندر داخل ہوئے تو عورت نے دائیں طرف ڈرائنگ روم تک رہنمائی کی۔ وہ ایک بڑے اور خوبصورت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ سامنے کارنس پر ایک بچے کی بڑی سی تصویر تھی جس کے ساتھ ایک خوش پوش جوڑا بھی کھڑا ہوا تھا۔ عورت نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پراگ اور نیلا دھر بھی کوئی بات کئے بنا ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اسی اثنا میں ایک پچاس پچپن سالہ خاتون کمرے میں داخل ہوئی اور پہلے سے موجود عورت سے پوچھا۔
''پدمنی! کیا بات ہے، کون لوگ ہیں یہ اور یہ پراگ اور نیلا دھر کیوں خاموش ہیں؟'' ایک ہی سانس میں اس نے کئی سوال کر ڈالے تھے۔ پدمنی نے جواب دیا۔
''دیدی! مجھے خود معلوم نہیں یہ کیا معاملہ ہے۔ بہرحال ابھی پتہ چل جاتا ہے؟''
وجے نے اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش محسوس کی تھی۔ تبھی نووارد عورت اطمینان سے صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔
''نیلا دھر تم تو آکاش کو ڈھونڈنے گئے تھے کچھ پتہ چلا میرے معصوم بھتیجے کا؟'' نیلا دھر نے کوئی جواب نہ دیا البتہ خوفزدہ نگاہوں سے امر سنگھ کی طرف دیکھا۔ امر سنگھ بولا۔
''ہاں شریمتی جی! آپ کے معصوم بھتیجے کا پتہ چل گیا ہے وہ اس وقت 'گلتا جی' کے پوتر پانی میں ڈوب چکا ہے۔ اور اس کی آتما اپنے ماتا پتا کے پاس پہنچ چکی ہے۔'' اس کی کڑی نگاہیں دونوں عورتوں کے چہروں پر جمی تھیں۔ ان نگاہوں کی شدت محسوس کر کے دونوں کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔ تبھی بڑی عمر کی عورت (جو یقیناً نیلا دھر کی ماں کوشلیا تھی) ہذیانی انداز میں چیخی۔
''تمہارے منہ میں خاک یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔ میرے اکلوتے بھتیجے کے بارے میں، ایسی منحوس باتیں کرتے تمہیں شرم نہیں آتی۔'' اس کے ساتھ ہی دونوں عورتیں سسکنے لگی تھیں۔
امر سنگھ سخت لہجے میں بولا۔ ''کوشلیا جی! کسی قسم کے ڈرامے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں

سب کچھ معلوم ہو چکا ہے لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں کیا کہوں۔ کیونکہ میرے علم میں کوئی ایسا شبد نہیں جو تمہاری فطرت کی خباثت کا احاطہ کرتا ہو۔ آخر تم نے کس حوصلے سے یہ قبیح فعل انجام دیا ہے؟'' کوشلیا غالباً پہلے جھٹکے سے سنبھل چکی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولی۔

''میرا خیال ہے تم لوگ پولیس وغیرہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ وگرنہ تمہارے چہروں پر یوں یتیمی نہ برس رہی ہوتی۔ غالباً ہمیں بلیک میل کر کے کچھ رقم اینٹھنا چاہتے ہو۔ بہرحال تمہاری یہ خواہش کوئی اتنی غیر فطری بھی نہیں ہے لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو۔ تمہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے کہ ہم نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے؟ بس یہ سمجھ لو ہم نے اپنی بہتری کے لئے یہ قدم اٹھایا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔'' اس کے طویل بھاشن کے دوران انہوں اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا لیکن وجے سے رہا نہ گیا اس کے مطمئن چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا۔

''کیا خوبصورت دلیل دی ہے تم نے یہاں ہر کوئی تحفظ اور بہتری چاہتا ہے لیکن صرف اپنے لئے دوسرے کی فنا کو اپنی بقا قرار دیا جاتا ہے۔ جواب نہیں تمہارے اس بے ہودہ فلسفے کا۔''

کوشلیا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی۔ اس کے چہرے پر اب گھبراہٹ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ نہایت اطمینان سے بولی۔ ''پراگ اور نیلا دھر! تم دونوں جا کر اپنے کمروں میں آرام کرو اور دماغ پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالو۔'' وہ دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ تبھی وہ اپنی چھوٹی بہن سے بولی۔ ''پدمنی! تم جا کر مہمانوں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ پراگ اور نیلا دھر کے پتا بھی آنے والے ہوں گے۔ وہ دوپہر سے آکاش کو ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی مسکراہٹ ناچنے لگی۔ پدمنی کے باہر جانے کے بعد بولی۔ ''ہاں تو مسٹر! اب کہو تم کیا چاہتے ہو۔ میں مستقل قسم کی بلیک میلنگ پسند نہیں کرتی جو کچھ مانگنا چاہتے ہو ایک بار ہی مانگ لو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''

وجے حیران نظروں سے زندگی میں پہلی بار چوری اور سینہ زوری کے محاورے کو عملی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ البتہ امر سنگھ دلچسپ نظروں سے اس مرد مار قسم کی خاتون کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر احساسِ جرم کا خوف یا شرمندگی نام کو بھی نہیں تھی۔ تبھی امر سنگھ بولا۔

''ہاں تو مادام آپ اپنے اس راز کی کیا قیمت ادا کر سکتی ہیں۔ ہمیں تو اس کا تین لاکھ روپیہ چاہئے۔'' وجے نے چونک کر امر سنگھ کو دیکھا۔ کوشلیا چند ثانیے امر سنگھ کی نگاہوں میں کچھ کھوجتی رہی۔ تب ایک موٹی سی گالی دے کر بولی۔

''ٹھیک ہے ایک ہفتے کے اندر تمہیں تین لاکھ روپیہ مل جائے گا لیکن اس کے بعد اگر تم لوگ یہاں نظر آئے تو.....''

اسی دوران پدمنی چائے اور دیگر لوازمات لے کر آ گئی تھی وہ قدرے سہمی ہوئی تھی لیکن اس کے برعکس کوشلیا نہایت بے تکلفی کے ساتھ فصاحت و بلاغت کے دریا بہانے پر تلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر میں اس نے دنیا جہان کے مختلف موضوعات کھنگال ڈالے تھے اور چند لطیفے بھی سنا ڈالے تھے۔ امر سنگھ کو بہت تھوڑے وقت میں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سنگدل مگر زمانہ شناس عورت اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا انداز گفتگو متاثر کن تھا۔ وہ کہاوتوں و بولیوں بلکہ گالیوں تک پر مکمل قدرت رکھتی تھی اور ان کا استعمال بھی بڑے تباہ کن انداز میں کرتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ آئندہ ''منگل'' کو آنے کا کہہ کر اٹھ گئے۔ گاڑی تک کوشلیا انہیں چھوڑنے آئی تھی۔ راستے میں وجے بولا۔

''گرو! مجھے تو یہ پیسوں والی سودے بازی پسند نہیں آئی۔ اس کی بجائے ان مکروہ عورتوں کو پولیس کے حوالے کرنا چاہئے تھا۔''

امر سنگھ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے احساس ہے کہ یہ انتہائی گھٹیا حرکت ہے لیکن اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں ہے۔ اگر ابھی ہم پولیس کو اطلاع دے دیتے تو پراگ اور نیلا دھر کے بیانوں میں ہمارا ذکر بھی لازماً آنا تھا جس کی وجہ سے ہمارے لئے کئی مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔ اس کے علاوہ لکشمی اور اس کے بچوں کی اچھے طریقے سے مدد کے لئے ہمیں معقول رقم کی ضرورت ہے۔ باقی یہ بات تو طے ہے کہ ان عورتوں کو اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہو گی۔ اس وضاحت سے وجے بڑی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔

○ ❖ ○

رات کو سونے سے پہلے بھگت سنگھ کا آدمی منے لعل آن پہنچا اور منشی خان سے ملاقات کی رپورٹ جاننا چاہی۔ چند اضافوں اور ترامیم کے ساتھ امر سنگھ نے اسے ساری بات بتا دی۔ اگلے روز سہ پہر کو وہ دوبارہ منشی خان کے ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے تھے۔ پہلے والے مراحل سے گزرنے کے بعد انہیں ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ کمرے میں چند کرسیوں کے علاوہ قطعاً کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد منشی خان اندر داخل ہوا اور تھوڑی دیر سے آنے پر معذرت

کا اظہار کیا۔ منشی خان ان دونوں خصوصاً امر سنگھ کے ساتھ بہت احترام سے پیش آ رہا تھا۔ چند رسمی باتوں کے بعد منشی خان اصل مقصد کی طرف لوٹ آیا۔

''امر سنگھ جی! آپ اپنے بارے میں تفصیل سے بتائیں کہ آپ کس مقصد کے حصول کے لئے جے پور پدھارے ہیں لیکن صرف اتنی تفصیل کے ساتھ جتنی آپ مناسب سمجھیں۔''

امر سنگھ کو اس کے لہجے میں سچائی کی خوشبو محسوس ہوئی تھی اس لئے اس نے اپنے بارے میں کسی حد تک سچائی سے سب کچھ بتا دیا۔ اس کی بات چیت کے دوران منشی خان ان دونوں کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ وجے افیمیوں کی طرح آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ امر سنگھ کی بات کے اختتام پر منشی خان بولا۔

''مجھے خوشی ہوئی ہے کہ آپ لوگوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ بعض ناگفتہ باتوں سے بھی مجھے آگاہ کر دیا ہے۔'' وجے آنکھیں جھپکتے ہوئے بولا۔

''ارے بھئی تم بھی تو منہ سے کچھ پھوٹو کہ تم کیا بلا ہو۔''

منشی خان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا غالباً اس کے اس بے تکلفانہ انداز نے منشی کو کسی قدر حیران کیا تھا۔ کچھ دیر کمرے کی چھت کو گھورتا رہا جیسی گویا ہوا۔

''امر سنگھ جی اور وجے صاحب! میری کہانی بھی کوئی زیادہ پیچیدہ نہیں ہے۔ میں یہیں جے پور میں ہی پیدا ہوا تھا۔ یہاں 'آزاد نگر' میں ہمارا چھوٹا سا مکان تھا۔ میرے والد محمد شفیع کی قصائی کی دُکان تھی۔ پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کی بنا پر کچھ زیادہ ہی لاڈ پیار ملا۔ بڑے چاروں بھائیوں کو تو والد صاحب نے اپنے کام پر ساتھ لگا لیا۔ البتہ ان کی خواہش تھی کہ میں میٹرک پاس کر کے سکول ماسٹر بنوں یا 'نگر پالیکا' (کارپوریشن) کے بوچڑ خانے میں ڈاکٹر کا کمپاؤنڈر بن جاؤں تا کہ کسی وقت بیمار جانور پر بھی 'فٹ' کی مہر لگا کر چار پیسے کما سکوں اور انہیں اپنے دھندے میں آسانی رہے لیکن میری توجہ پڑھائی پر کم اور بوچڑ خانے اور گوشت کی دُکان پر زیادہ ہوتی تھی۔ کسی طرح میں نے مڈل تو پاس کر لیا لیکن آگے نہ چل سکا۔ البتہ میں اپنے آبائی پیشے میں طاق ہو گیا تھا۔ مجھے اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کر کے اور اس کا خون بہتے دیکھ کر عجیب سی تسکین محسوس ہوتی۔ دھیرے دھیرے یہ چیز میرے مزاج کا حصہ بن گئی اور بوچڑ خانے کے علاوہ بھی موقع ملتے ہی میں کسی کی بھی مرغی یا کبوتر اٹھا لیتا اور اسے کاٹ ڈالتا۔ اس چکر میں جے پور میں موجود بے شمار بندر اور لنگور بھی میری دست برد سے محفوظ نہ رہے۔ میں جانور یا پرندے کو پکڑ کر اس کی گردن دھڑ سے الگ کر دیتا جب تک اس کا جسم تڑپتا رہتا تب تک اسے دیکھتا رہتا۔ چھری چاقو کی بجائے میں ہمیشہ استرا اپنے

پاس رکھتا اور اسے ہی بطور آلہ قتل (جانور، پرندے) استعمال کرتا۔'' وجے اور امر سنگھ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ منشی خان اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا میرا رجحان جرم اور اذیت پسندی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں نے اب جیب تراشی شروع کر دی تھی۔ اس کے علاوہ جے پور کے زیر زمین حلقوں میں میری شناخت کرائے کے بدمعاشوں کی حیثیت سے ہوتی چلی گئی۔ متمول لوگ اپنی دشمنیاں نکالنے کے لئے میری خدمات حاصل کرنے لگے تھے۔ میں لوگوں کو قتل نہیں کرتا تھا بلکہ ان کے چہرے پر بڑی مہارت سے استرے کے ساتھ زخم لگا دیتا تھا۔ اس طرح سے استرا میری پہچان بن گیا۔ اس دوران میں بیسیوں مرتبہ جیل گیا لیکن ''دھنی رام'' ایڈووکیٹ مستقل بنیاد پر میرے مقدمات کی پیروی کرتا تھا اس لئے ہر بار میں چند دنوں یا ہفتوں بعد ضمانت پر رہا ہو کر جیل سے باہر آ جاتا۔ اکثر لوگ میرے خلاف گواہی دینے سے ڈرتے تھے اس لئے مجھے کبھی لمبی سزا نہ ہو سکی۔ انہی دنوں میری ملاقات اودھے پور کے ''لادھو رام'' سے ہوئی۔ لادھو رام پہلے اودھے پور کی ریاست میں راجہ مون لعل کے دربار میں سرکاری پہلوان تھا اور شریفانہ زندگی بسر کرتا تھا لیکن جب کانگرس سرکار نے بھارت بھر میں ریاستیں اور رجواڑے ختم کر دیئے تو ان دیسی درباروں سے وابستہ افراد کی ابتلا کا دور شروع ہو گیا لیکن اودھے پور کے مہاراج نے تب بھی لادھو رام کو اپنے سے الگ نہ ہونے دیا لیکن جب 1970ء میں اندرا گاندھی نے نوابوں اور مہاراجوں کے وظیفے (پریوی پرس) بھی ختم کر دیئے تو بیشتر راجوں کو اپنی شاہانہ سرگرمیاں ختم کرنا پڑیں۔ کیونکہ اب وہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے لادھو رام کو بھی آسمان سے اتر کر زمین پر آنا پڑا۔ گو اس کے پاس اچھا بھلا مکان اور معقول رقم موجود تھی لیکن صرف اس جائیداد سے وہ اپنے اللے تللے جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے چھوٹے پیمانے پر سمگلنگ کا دھندہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں اسے راجستھان کے سابق وزیر اعلیٰ موہن لعل سکھاڈیا کی سرپرستی بھی حاصل ہو گئی۔ اس وجہ سے اس کا یہ کاروبار دنوں میں پھیلتا چلا گیا۔ میری لادھو رام سے ملاقات محض اتفاقیہ ہوئی تھی اور میں اس کے گروہ میں عام کارکن کی حیثیت سے شامل ہوا تھا لیکن بہت تھوڑے عرصہ میں میری افادیت اس پر ظاہر ہو گئی۔ لادھو رام نے مجھے اپنے قریبی حلقے میں شامل کر لیا۔''

یہ کہتے ہوئے منشی خان نے وجے سے پوچھا۔ ''آپ لوگ میری باتوں سے اکتاہٹ تو محسوس نہیں کر رہے؟'' وجے جماہی لیتے ہوئے بولا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں البتہ کچھ سستی سی محسوس ہو رہی ہے۔''

منشی خان نے اس کا مدعا بھانپتے ہوئے انٹر کام پر کسی کو چائے لانے کا حکم دیا۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے منشی خان نے اپنی بات مزید آگے بڑھائی۔

''صرف ایک سال کے اندر لادھورام گینگ میں مجھے نمبر ٹو کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ لادھورام مجھے اپنے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتا۔ کیونکہ وہ اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ اس کی دونوں بیٹیاں بیاہی جا چکی تھیں۔ گزشتہ سال اپنی زندگی ہی میں لادھورام نے مجھے اپنا جانشین نامزد کر کے گروہ کی باگ ڈور میرے سپرد کر دی تھی۔ اس کی موت کے بعد گروہ کے چند افراد نے میری مخالفت بھی کی لیکن اپنی حکمتِ عملی سے میں نے ان دشواریوں پر قابو پا لیا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ سونے، کرنسی اور منشیات کی سمگلنگ میں بھارت کے چند بڑے ناموں میں میرا بھی شمار ہوتا ہے لیکن بھگت سنگھ اینڈ پارٹی کے لئے یہ صورتِ حال قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ ان کی اجارہ داری روز بروز ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دشمنی کی اصل وجہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک بھگت سنگھ بجرنگ دل ''شیوشینا اور آر ایس ایس'' کے ساتھ مل کر جب چاہتا تھا گجرات، راجستھان اور مدھیہ پردیش میں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے لگ جاتا تھا لیکن اب ایسا ہونا ممکن نہیں رہا کیونکہ اب میں ایسی صورتِ حال میں اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا ہوں۔''

کچھ دیر سانس لینے رکا اور پھر بولا۔ ''اکثر بے روزگار مسلمان جوان میرے گروہ میں شامل ہو چکے ہیں جس سے ہماری افرادی قوت بہت بڑھ چکی ہے اور کسی بھی شرارت کی صورت میں ایک مسلمان کے بدلے انہیں اپنے کئی آدمیوں سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ علاوہ ازیں میرا گروہ ہزاروں غریب مسلمان گھرانوں کی مالی اعانت بھی کر رہا ہے اسی وجہ سے طیش میں آ کر بجرنگ دل اور دوسری متعصب ہندو تنظیموں نے اپنے خصوصی اجلاس میں مجھے موت کی سزا سنائی ہے اور ان سب لوگوں نے بھگوت گیتا پر ہاتھ رکھ کر اس بات کا عہد کیا ہے کہ مجھے اغوا کر کے اپنے ہاتھوں سے وہ لوگ بدری ناتھ کے مندر میں کالی ماتا کے حضور میری قربانی دیں گے اور میرے لہو سے دیوی کو اشنان دیا جائے گا لیکن ابھی تک تو خدا کی مہربانی سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے آگے دیکھیں حالات کیا رُخ اختیار کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آپ لوگوں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔''

امر سنگھ اور وجے پوری توجہ سے اس کی رُوداد سن رہے تھے۔ کافی دیر خاموشی طاری رہی۔ حقیقتِ حال جان کر دونوں کے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔ امر سنگھ بولا۔

''خان! تم فکر نہ کرو۔ بجرنگ دَل کے خاتمے کے لئے ہم ہر طرح سے تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔ البتہ اس سلسلے میں ہمیں کافی محتاط رہنا ہوگا کیونکہ بھگت سنگھ خاصا عقلمند آدمی ہے۔'' اس کے بعد وہ تینوں کافی دیر تک آئندہ کی منصوبہ بندی کرتے رہے۔ واپسی پر وہ لوگ کچھ دیر کے لئے لکشمی کے گھر گئے اور اس کی خیریت دریافت کی۔ لکشمی اور کمال الدین نے بتایا کہ ابھی تک علی کی رحم کی اپیل کا فیصلہ نہیں ہوا لیکن وکیل کا کہنا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دو ماہ میں اپیل کا فیصلہ ہو جائے گا اور یہ کہتے ہوئے لکشمی کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ بچوں سے چھپانے کے لئے اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا لیکن عمر کے معصوم ذہن نے اپنی ماں کی حالت کا اندازہ کر لیا تھا بولا۔

''امی! آپ رو رہی ہیں نا۔ فکر نہ کریں میں ابو کو لے کر آؤں گا۔''

لکشمی نے اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں چاند! میں کیوں رونے لگی تمہارے ہوتے ہوئے میں بھلا رو سکتی ہوں۔ ایسے ہی آنکھوں میں پانی سا آ گیا تھا۔'' امر سنگھ اور وجے کا من بھی بوجھل سا ہو گیا تھا۔ کرن کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وجے بولا۔

''اچھا بہن! ہم چلتے ہیں۔'' سب لوگ دروازے تک انہیں چھوڑنے آئے تھے۔

اگلے روز ان کی طلبی بھگت سنگھ کے یہاں ہوئی۔ اپنے ہیڈ کوارٹر کے لان میں وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ لان میں ہی کرسیاں لگا دی گئیں۔ منا لعل بھی ان کے ساتھ تھا۔ چائے پیتے ہوئے بھگت سنگھ ان سے مخاطب ہوا۔

''امر سنگھ! تم لوگ کل بھی کافی دیر تک منشی خان کے یہاں موجود رہے ہو۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم اس کے ساتھ مل کر میرے خلاف کوئی جال بُن رہے ہو لیکن یاد رکھو اس کا حشر بہت بُرا ہوگا۔ اگر تم لوگوں نے کسی قسم کی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو لکشمی اور اس کے بچوں کو دنیا کی کوئی طاقت ہمارے غضب سے نہیں بچا سکتی۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاتھ اتنے لمبے ضرور ہیں کہ علی کو جیل کے اندر ہی کسی بھی وقت جہنم رسید کر سکتے ہیں۔''

امر سنگھ اس کی یہ بکواس تحمل سے سنتا رہا پھر بولا۔ ''بھگت سنگھ! میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ ہم ان گیدڑ بھبکیوں میں آنے والے نہیں لیکن بدقسمتی سے لکشمی اور اس کے بچے ہماری کمزوری ہیں اس وجہ سے ہم ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے جس سے انہیں گزند پہنچنے کا احتمال ہو۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے کہ ہم کتنا وقت منشی خان کے پاس گزارتے ہیں اور کیا باتیں کرتے ہیں۔ ہم نے تمہارے ساتھ عہد کیا تھا کہ منشی کو اغوا کر کے تمہارے حوالے کر دیں گے۔ تمہیں آم کھانے سے غرض ہونی چاہئے نا کہ ...''

اس کے لہجے کی استقامت نے بھگت سنگھ کو کسی حد تک متاثر کیا تھا کچھ نرم ہو کر بولا۔
''مجھے افسوس ہے میرا لہجہ قدرے سخت ہو گیا تھا۔ بہر حال ہمیں منشی خان زندہ حالت میں چاہئے اور اس میں غیر ضروری تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔''
اس کے بعد وہ کافی دیر تک اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد وجے بولا۔ ''گرو مہاراج! آج کیا پروگرام ہے؟''
امر سنگھ کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ دوڑاتے ہوئے بولا۔ ''آج منگل ہے، شاید تمہیں یاد نہیں کہ آج ہم نے سیٹھ ودیا چرن شکلا کے گھر جانا ہے جہاں وہ بد بخت 'کوشلیا' ہمارا انتظار کر رہی ہوگی اور شاید دو لاکھ روپیہ بھی ہمارا منتظر ہو۔''
وجے بولا۔ ''مجھے تو ان عورتوں کا نام سن کر ہی گھن آتی ہے۔ جی چاہتا ہے ابھی پولیس کو ان کے کرتوتوں سے آگاہ کر دوں تاکہ یہ خبیث روحیں اپنے انجام کو پہنچ سکیں۔''
امر سنگھ بولا۔ ''برخوردار! فکر نہ کر انہیں اپنے کئے کی سزا تو بھگتنی ہوگی مگر کچھ عرصہ بعد۔ ابھی تو فی الحال چلنے کی تیار کرو۔''
وہ لوگ جلد ہی تیار ہو کر ''آکاش بھون'' پہنچ گئے۔ گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی لاشعوری طور پر ان کا دھیان تالاب میں تیرتی آکاش کی لاش کی طرف چلا گیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا بچے کی ملامت بھری نگاہیں ان دونوں، کی طرف اٹھی ہوں۔ وجے نے سر جھٹک کر اس تصور سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ ڈرائنگ روم میں کوشلیا اور پدمنی پہلے ہی موجود تھیں۔ امر سنگھ بیٹھتے ہوئے بولا۔
''کوشلیا جی! پچھلے چند روز سے اخباروں میں آپ کے بھتیجے ''آکاش'' کی گمشدگی کا اشتہار مسلسل میری نگاہوں سے گزرتا رہا ہے اور اطلاع دینے والے کو ایک لاکھ انعام کی پیشکش بھی خاصی پُرکشش ہے۔ کہئے کچھ پتہ چلا یا نہیں؟''
کوشلیا اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے خوفزدہ انداز میں بولی۔ ''مسٹر! زیادہ طنز کرنے اور دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں۔ وعدے کے مطابق دو لاکھ روپے اس بیگ میں موجود ہیں تمہیں معلوم نہیں ہم نے یہ پیسہ کتنی دقت سے اکٹھا کیا ہے کیونکہ ابھی ہم سیٹھ جی کے اکاؤنٹ سے تو پیسہ نہیں نکلوا سکتے۔ اس کے لئے تو کافی لمبی قانونی کارروائی کرنا ہوگی اور اپنے کو ان کا جائز وارث ثابت کرنا ہوگا۔''
امر سنگھ نے محسوس کیا کہ جرم کے احساس نے اب اس مضبوط عورت کے اعصاب پر بھی اثر انداز ہونا شروع کر دیا ہے کیونکہ پہلے روز اس کی شخصیت میں جس غیر معمولی توانائی کا

احساس ہو رہا تھا وہ آج ناپید تھا۔ امر سنگھ جانتا تھا کہ کوئی بھی سنگین جرم کر لینا اتنی مشکل بات نہیں ہوتی لیکن اس جرم کو ہضم کرنا خاصا تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے اور اب یہ عورتیں غالباً انہی مراحل سے دوچار تھیں۔ دونوں کے خاوند کچھ زیادہ ہی زن مرید قسم کی چیز تھے یا انتہائی بے وقوف تھے کیونکہ پدمنی نے بتایا تھا کہ وہ اب بھی آکاش کی ''تلاش'' میں نکلے ہوئے ہیں۔ پراگ اور نیلا دھر بھی موجود نہ تھے۔ ان کی خراب ذہنی حالت کے سبب انہیں تبدیلی آب و ہوا کے لئے ''ڈلہوزی'' بھجوا دیا گیا تھا۔ مبادا ان کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس سے سارا بھانڈا پھوٹ جائے۔ امر سنگھ نے بیگ کھول کر رقم گنی اور غور سے کوشلیا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''سیٹھ جی نے اندازاً کتنی جائیداد چھوڑی ہوگی۔ پچاس لاکھ سے تو اوپر ہی ہوگی۔ اب تو تم لوگوں کی باقی زندگی بڑے مزے سے گزرے گی۔'' کوشلیا اسے قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے پھنکاری۔

''میں تمہیں دوبارہ کہہ رہی ہوں کہ آج کے بعد اس واقعہ کو بھول جانا ورنہ میں تمہارا منہ بند کرنے کے لئے کس حد تک جا سکتی ہوں اس کا اندازہ تمہیں ہو جانا چاہئے۔ میں اسی جائیداد میں سے دو چار لاکھ مزید خرچ کر کے کرائے کے غنڈوں کی پوری فوج تمہارے پیچھے لگا سکتی ہوں جو تمہارا نشان تک مٹا دیں گے۔'' امر سنگھ نے فی الحال مزید مغز ماری مناسب نہ سمجھی اور وہ لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔

اسی روز شام کو وہ دونوں سردار نرنجن سنگھ کے یہاں جا دھمکے۔ سردار جی اور مالتی نے بڑی خوشدلی سے ان کا استقبال کیا۔ سردار جی شکایتی لہجے میں بولے۔

''امر سنگھ جی! آپ نے تو کافی دنوں بعد ہمیں یاد کیا ہے۔ وجے تو اس دوران ایک بار آئے تھے۔''

امر سنگھ نے معذرتی انداز میں تاسف کا اظہار کیا۔ ''ہاں سردار جی! کچھ ایسی مصروفیت رہی کہ آپ کی طرف آنا نہ ہو سکا۔ البتہ وجے نے بتایا تھا کہ آپ کے یہاں بڑی خوبصورت محفل جمی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ اچاریہ جی جیسی روحانی شخصیت سے ملنے کی سعادت حاصل نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ وجے میجر بیدی کی بھی بہت تعریف کر رہا تھا۔'' وجے نے محسوس کیا کہ بیدی کا نام آتے ہی مالتی کی آنکھوں میں کئی چراغ جگمگا اٹھے تھے۔ سردار نرنجن سنگھ بولے۔

''خیر کوئی بات نہیں اگر آپ اچاریہ جی سے ملنے کے اس قدر مشتاق ہیں تو آپ کو ان

کی سیوا میں لے چلیں گے۔ آپ جبکہیں چلے جائیں گے۔''

امر سنگھ بولا۔ ''ان کی رہائش گاہ کہاں ہے؟''

نرنجن سنگھ عقیدت سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ارے بھئی رہائش گاہ کا کیا مطلب وہ تو ایک پورے سورگ (بہشت) کے مالک ہیں۔ ماؤنٹ آبو جیسے خوبصورت ہل سٹیشن کے پاس ''برننگ پیراڈائز'' دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی سندرتا کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ لفظ اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔''

ماؤنٹ آبو کا نام سن کر دونوں کے کان کھڑے ہو گئے تھے اس کے علاوہ اتنی تعریف سن کر وہ واقعی اسے دیکھنے کو بے قرار ہو گئے تھے۔ وجے بولا۔ ''سردار جی! آپ نے اس قدر تعریف کر دی ہے کہ ہم پہلی فرصت میں ہی وہاں جانا چاہتے ہیں بلکہ ہو سکے تو کل کا ہی پروگرام بنالیں۔''

نرنجن سنگھ جی کچھ سوچ کر بولے۔ ''میں تو آٹھ دس روز تک بہت مصروف ہوں وقت نہیں نکال سکتا۔''

مالتی دھیمے لہجے میں بولی۔ ''سردار جی! اگر آپ آ گیا دیں تو میں وجے بابو اور امر سنگھ جی کو لے کر چند روز کے لئے اچاریہ جی کے یہاں ہو آؤں۔ ویسے بھی ان دنوں من کچھ بوجھل سا ہو رہا ہے۔ کچھ طبیعت بہل جائے گی۔'' سردار جی غالباً اپنی پتنی کا کہا نہیں ٹال سکتے تھے۔ اس لئے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔ وجے کو محسوس ہوا یہ بوڑھا سردار اپنے ''ہونے'' کا اعلان کرتے کرتے ''اَن ہونی'' کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ امر سنگھ نے نرنجن سنگھ کو مزید سوچ بچار کا موقع نہ دینے کے لئے کہا۔

''تو پھر سردار جی! کل کا پروگرام طے رہا؟''

نہ چاہتے ہوئے بھی سردار جی کو رضامندی ظاہر کرنا پڑی کیونکہ مالتی بڑے محبوبانہ اور ملتجیانہ انداز سے ان پر نگاہیں گاڑے بیٹھی تھی۔ سردار جی بادل نخواستہ بولے۔

''مالتی! تم ان لوگوں سے کل کا پروگرام طے کر لو۔ میں بھی چند روز میں وقت نکال کر کوشش کروں گا کہ وہاں تمہارے پاس پہنچ سکوں۔''

مالتی نے ایک خوبصورت مسکراہٹ سردار جی پر نچھاور کی اور بولی۔ ''وجے بابو ہم کل دس اور گیارہ کے درمیان یہاں سے نکلیں گے تاکہ شام ہونے سے پہلے وہاں پہنچ سکیں۔ میں دس بجے آپ لوگوں کو تیار ملوں گی۔''

امر سنگھ بولا۔ ''اچھا اب ہمیں اجازت دیں۔'' راستے میں امر سنگھ بولا۔ ''قدرت ہم پر

خصوصی مہربان لگتی ہے۔ اسی لئے ہمارے مشن کی تکمیل میں آسانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔''

انہوں نے سونے سے پہلے بھگت سنگھ اور منشی خان کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ لوگ چند روز کے لئے جے پور سے باہر جا رہے ہیں۔ اگلی صبح وجے کمال الدین کو بھی اطلاع دے آیا تھا۔

ساڑھے نو بجے تیار ہو کر وہ چل پڑے۔ راستے میں وجے بولا۔ ''مجھے تو یہ سردار بڑا ہی قابلِ رحم نظر آتا ہے۔ اس سے وقت اور قسمت دونوں کی لکیریں روٹھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ واقعی بڑھاپے کے عشق کی طرح بڑھاپے کے دھوکے بھی بڑے ہی سنگین ہوتے ہیں۔''

ان ہی باتوں میں سردار جی کی کوٹھی آ گئی۔ برآمدے میں سردار جی اور مالتی کھڑے غالباً انہی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ گاڑی سے اتر کر ان کے پاس گئے اور ان کی خیریت دریافت کی۔ نرنجن سنگھ کا چہرہ کچھ بجھا بجھا سا تھا۔ البتہ مالتی کا انگ انگ مسکرا رہا تھا۔ وہ تیار تھی اس لئے وہیں کھڑے کھڑے وہ کچھ دیر نرنجن سنگھ سے باتیں کرتے رہے اور کچھ دیر بعد جے رام جی کی کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ وجے امر سنگھ کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھا جبکہ مالتی پیچھے تھی۔ دراز قامت سردار جی دوہرے تہرے ہو کر پچھلی کھڑکی سے منہ لگائے مالتی سے کھسر پھسر میں مصروف تھے۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی تو سردار جی سیدھے ہوئے اسی چکر میں شیشے سے ٹکرا کر ان کے سر پر بندھی سفید پگڑی نیچے آ پڑی تھی۔ وجے کو لگا کہ دستار سے منسوب روایتی غیرت بھی پگڑی کے ساتھ ہی مٹی میں مل کر سردار جی کو بہ زبان خموشی کہہ رہی ہو۔ حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے۔

○.....❖.....○

جے پور سے باہر نکل کر گاڑی اجمیر کی طرف رواں ہوئی تو چاروں طرف اونچی نیچی پہاڑیاں بڑا خوبصورت منظر پیش کر رہی تھیں۔ ''آرنیا'' اور ''مدار'' وغیرہ گزرنے کے بعد خواجہ غریب نواز کی نگری اجمیر شریف آ گیا۔ طائر تخیل انہیں سات آٹھ سو سال پیچھے لے گیا تھا جب پرتھوی راج چوہان اجمیر سے ایک لشکر جرار کے ساتھ غوری کے مقابلے کے لئے نکلا تھا۔ شہر کے اندر سے گزرتے ہوئے انہیں خواجہ معین الدین چشتی کے مزار کا سنہرا کلس الگ اور منفرد سا لگا۔ جسے دیکھ کر بھارت میں مسلمانوں کے تابناک ماضی کی خوشگوار یادیں ذہن پر چھا گئی تھیں۔ اجمیر کے بعد راستہ کافی دشوار گزار ہو گیا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف گہرے کھڈے اپنا منہ کھولے منتظر تھے کہ ڈرائیور کی ذرا سی کوتاہی سے کب کوئی گاڑی ان کی آغوش میں آ گرتی ہے۔ ''ماروواڑ جنکشن'' میں رک کر انہوں نے ایک چھوٹے سے ہوٹل سے چائے پی اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ سفر کے دوران مالتی اور وجے زیادہ تر مصروفِ گفتگو رہے تھے۔

گفتگو کا موضوع زیادہ تر میجر بیدی کی ذات ہی رہا تھا۔ مالتی کی باتوں سے بیدی اور اچاریہ جی کی شخصیت کے کئی اور پہلو بھی اجاگر ہوئے تھے۔ مالتی نے بتایا کہ بیدی شادی شدہ ہے اور اس کے دو بچے ہیں جو دہلی میں اپنی ماں کے ساتھ ''پہاڑ گنج'' میں مقیم ہیں۔ امر سنگھ نے باتوں میں زیادہ حصہ نہیں لیا تھا۔ اس نے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھی تھی۔

پہاڑیوں پر جگہ جگہ ہرنوں کی ٹولیاں بھاگتی نظر آتی تھیں۔ اس کے علاوہ کئی جگہ مور وجد میں آ کر جھوم رہے تھے۔ ان چیزوں نے سفر کو کافی خوشگوار بنا دیا تھا۔ پانچ بجے کے لگ بھگ وہ لوگ ''ماؤنٹ آبو'' کی حدود میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دور آگے سڑک پر ایک رکاوٹ کھڑی کر کے چند فوجی انہیں رکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ امر سنگھ نے گاڑی روک دی۔ ساتھ ہی ایک چیک پوسٹ تھی جس کے باہر پوسٹ کمانڈر کرسی ڈالے بیٹھا کسی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔ فوجیوں نے ان سے ''ماؤنٹ آبو'' آنے کا مقصد دریافت کیا۔ ان کے بولنے سے پہلے ہی مالتی بولی۔

''ہم لوگ برننگ پیراڈائیز میں اچاریہ جی کے درشنوں کے لئے جا رہے ہیں۔''

فوجیوں کے انچارج نے مزید جرح کئے بغیر رکاوٹ ہٹانے کا اشارہ کیا۔ امر سنگھ نے اس کا شکریہ ادا کر کے گاڑی آگے بڑھ دی۔ وجے بڑبڑایا۔

''عجیب بات ہے ایک تفریح گاہ پر آنے والوں سے پوچھ تاچھ کا بھلا کیا جواز ہے؟''

مالتی نے جواب دیا۔ ''یہ محض ہل سٹیشن نہیں ہے۔ چند سال پہلے یہاں کوئی چیک پوسٹ وغیرہ نہیں تھی لیکن پچھلے کچھ برسوں سے یہاں کوئی فوجی کیمپ وغیرہ قائم کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ انتظامات کئے گئے ہیں۔''

وجے نے پوچھا۔ ''آپ کبھی اس کیمپ میں گئی ہیں؟''

مالتی بولی۔ ''ہاں، کئی بار گئی ہوں کیونکہ پچھلے سال سے بیدی وہیں پر تو تعینات ہے۔''

امر سنگھ نے اس موضوع کو ختم کرنے کے لئے دخل اندازی ضروری سمجھی۔

''مالتی جی! اچاریہ مہاراج کا آشرم یہاں سے کتنی دور ہے؟''

مالتی نے جواب دیا۔ ''بمشکل دو میل دور ہو گا، وہ سامنے پہاڑیوں کے درمیان جو سرسبز وادی نظر آ رہی ہے وہی تو ہے۔''

اگلے راؤنڈ اباؤٹ سے پہلے ایک بڑی سی چٹان پر ''برننگ پیراڈائیز'' کے الفاظ کندہ تھے اور تیر کے نشان کے ذریعے بائیں طرف رہنمائی کی گئی تھی۔ انہوں نے کار ادھر موڑ لی تقریباً تین فرلانگ آگے سڑک پر بہت بڑا آہنی گیٹ نصب تھا جس کے دونوں اطراف دو

مسلح گارڈ پیلی یونیفارم میں ملبوس مستعد کھڑے تھے۔ انہوں نے گاڑی روک لی۔ مالتی نیچے اتری اور بولی۔

''ہم لوگ جے پور سے آئے ہیں اور سوامی جی کی سیوا میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔''

گارڈ مؤدب لہجے میں بولا۔ ''کماری جی! میں آپ کو پہچانتا ہوں لیکن قاعدے کی کارروائی ضروری ہے۔ آپ ساتھ والے کمرے میں جا کر اپنے نام پتے درج کروائیں۔''

امر سنگھ نے گاڑی ایک طرف لگا دی اور وہ دونوں بھی نیچے اتر آئے۔ ملحقہ کمرے میں ایک نوجوان مرد اور ادھیڑ عمر عورت موجود تھے۔ جنہوں نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا اور ان سے تھوڑی دیر بیٹھنے کی درخواست کی۔ ان کا مکمل نام پتہ درج کیا گیا، مکمل کوائف ایک چھوٹے سے خوبصورت کارڈ پر تحریر کر کے سب کو الگ الگ کارڈ دے دیئے گئے۔ کارڈز پر ہوسٹل نمبر چار تحریر تھا وجے نے اپنا کارڈ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ کارڈ کی پشت پر ہندی بھاشا میں اچاریہ جی کے مختلف ''فرمان'' درج تھے۔ جن کا لب لباب کچھ یوں تھا کہ ''انسانیت ہی سب سے بڑا دھرم ہے۔ جس نے انسان کو خوش کیا اس نے بھگوان کو راضی کر لیا کیونکہ آتما ہی ماتما ہوتی ہے۔ چار پانچ منٹ کے دوران لکھا پڑھی کا یہ عمل مکمل ہو گیا تھا۔ واپس گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وجے بولا۔

''یہ کسی روحانی پیشوا کی درگاہ ہے یا سی بی آئی کا تفتیشی مرکز۔ مالتی جی! آپ کے گھر پر تو اچاریہ جی کے اتنے نخرے نہیں تھے۔''

مالتی نے اس کا بازو دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ گیٹ کھلنے کے بعد وہ اندر داخل ہوئے اور کافی دور تک سیدھے چلتے گئے۔ اس کے بعد عمارتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ اندر اک جہانِ نو آباد تھا۔ خوبصورت عمارتوں پر مشتمل طویل سلسلہ۔ انہوں نے مالتی کے کہنے پر ایک عمارت کے سامنے پارکنگ لاؤنج میں گاڑی روک دی۔ عمارت کے صدر دروازے پر ہوسٹل نمبر چار کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ شیشے کا خوبصورت دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئے اور مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے کمرہ نمبر دس کے سامنے پہنچ گئے۔ مالتی نے وجے کا کارڈ پکڑ کر دیکھا اس پر بھی دس نمبر تحریر تھا۔ اس نے وجے کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ مالتی کو گیارہ اور امر سنگھ کو بارہ نمبر کمرہ الاٹ ہوا تھا۔ بارہ نمبر کمرے میں داخل ہو کر امر سنگھ کو محسوس ہوا کہ اسے ''کمرے'' کا تو محض نام ہی دیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ پورا اپارٹمنٹ تھا جو ایک خوبصورت بیڈ، سٹڈی روم اور ڈرائنگ روم پر مشتمل تھا۔ اس نے اپنا کپڑوں کا سوٹ کیس وغیرہ رکھ کر باتھ روم کا رخ کیا اور جب نہا دھو

کر نکلا تو ڈرائنگ روم میں مالتی اور وجے کو اپنا منتظر پایا۔ مالتی بولی۔

''کھانا یہاں کھائیں گے یا باہر؟''

''یہیں کھا لیتے ہیں اس کے بعد باہر چلیں گے۔'' امر سنگھ نے جواب دیا۔

مالتی نے میز پر موجود ٹیلی فون پر کسی کو تین کھانے لانے کو کہا۔ دس منٹ کے اندر کھانا حاضر تھا۔ کھانا لانے والے ملازم نے واپس جاتے وقت ان سے پوچھا۔

''شریمان! آپ کچھ اور پینا پسند کریں گے یا.....'' اس کا مطلب سمجھتے ہوئے وجے بولا۔

''نہیں شکریہ، ہم شراب نہیں پیتے۔''

اس نے مالتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ کچھ لینا چاہیں تو.....''

''نہیں میں بھی نہیں پیوں گی۔''

کھانا کھانے کے بعد تینوں باہر نکل پڑے۔ وجے نے مالتی سے پوچھا۔ ''سوامی جی سے کب ملاقات ہوگی؟''

مالتی بولی۔ ''یہاں پر سوامی جی کی حیثیت ایک راجہ کی سی ہے۔ انہیں اطلاع دے دی گئی ہے اب ان کی مرضی پر منحصر ہے کہ کب ہمیں طلب کرتے ہیں۔ میجر بیدی اور وہ تو بچپن کے دوست ہیں اور آپس میں انتہائی بے تکلف ہیں۔ اسی وجہ سے اس روز وہ ہمارے گھر تشریف لے آئے تھے۔ ورنہ وہ تو بڑے بڑوں کو بھی گھاس نہیں ڈالتے۔'' وہ دونوں جواب میں خاموش رہے تھے اور چاروں طرف پُر اشتیاق نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھولوں کی مہک سے پوری فضا معطر ہو رہی تھی۔ پھولوں کے تختے عجب طلسماتی سا منظر پیش کر رہے تھے وہ گھومتے ہوئے کافی دور نکل آئے تھے۔ ایک جگہ ایک سادھو زمین میں گڑھا کھود کر اس میں سر دیئے الٹا کھڑا ہوا تھا۔ پاس سے گزرنے والے ایک شخص نے بتایا کہ یہ مہاراج پچھلے تین سال سے اسی حالت میں ہیں۔ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار رات کے ٹھیک بارہ بجے آدھ گھنٹے کے لئے سیدھے ہوتے ہیں اور ہلکا سا کھانا کھا کر اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر دوبارہ اسی مراقبے میں چلے جاتے ہیں۔ تھوڑا آگے ایک سفید ریش جٹا دھاری پنڈت جی ایک تالاب میں گردن تک پانی میں کھڑے ہوئے تھے۔ یہ مہاشے بھی پچھلے چار سال سے اسی تپسیا میں مصروف تھے۔ انہوں نے ہاتھ میں ''ہنومان چالیسواں'' کی کتاب پکڑ رکھی تھی اور آنکھیں اس پر گاڑے نہ جانے کون سے جہاں میں گم تھے۔ ان کے بارے میں پتہ چلا کہ روزانہ صرف آدھ کلو گائے کا دودھ پیتے ہیں۔ وجے اور امر سنگھ کو ان سب کی ذہنی حالت پر

تعجب ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اچاریہ جی کی شخصیت بھی دھندلاتی جا رہی تھی۔

کچھ آگے چاروں طرف پھولوں کے کنج اور پھولدار جھاڑیاں تھیں۔ وہاں پہنچ کر تو دونوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں کیونکہ وہاں درجنوں جوڑے لباس فطرت میں ملبوس خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ان میں ہر عمر اور رنگ و نسل کے افراد شامل تھے۔ مالتی کے چہرے پر تعجب کے آثار نہیں تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ ان مخلوط محفلوں کی حصہ دار رہی ہے۔

دوسرے روز صبح ہی میجر بیدی آ موجود ہوا۔ غالباً اسے رات ہی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ بڑے پُرتپاک انداز سے انہیں ملا۔ وجے بولا۔

''ہم لوگ سوامی جی کے درشنوں کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ سے ملنے کا بھی اشتیاق تھا۔''

میجر بیدی بولا۔ ''میں نے رات ہی آ جانا تھا مگر مصروفیت ہی کچھ ایسی ہے۔ اصل میں ہمارے کیمپ میں تربیت حاصل کرنے والے پاکستانی تخریب کاروں کے موجودہ گروپ نے اپنی ٹریننگ مکمل کر لی ہے اور پرسوں ان کی ''پاسنگ آؤٹ'' پریڈ ہے۔ جس میں کور کمانڈر مہمان خصوصی ہوں گے۔ اس تقریب کے تمام انتظامات کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اس وجہ سے چند روز تک آپ لوگوں کو مکمل توجہ نہ دے سکوں گا۔ جس کے لئے ایڈوانس معذرت کرتا ہوں۔''

اس کی باتیں سن کر وجے اور امر سنگھ کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے لیکن بظاہر مردار سے لہجے میں وجے بولا۔ ''پھر تو ہمارا یہاں آنا بے کار ہی گیا۔ سوامی جی سے بھی ملاقات نہیں ہوتی۔''

بیدی بولا۔ ''آپ فکر نہ کریں ان سے ملاقات کا تو میں ابھی بندوبست کر دیتا ہوں لیکن پہلی بار یہاں آ کر اچاریہ جی کا درشن کرنے والے کچھ نہ کچھ بھینٹ ضرور کرتے ہیں۔''

امر سنگھ بولا۔ ''آپ فکر نہ کریں ہم دس ہزار روپیہ اسی مقصد کے لئے لے کر آئے ہیں۔''

وجے نے چونک کر اسے دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ بیدی اور مالتی کے باہر جانے کے بعد امر سنگھ سے کہنے لگا۔ ''استاد! وہ کوشلیا سے لئے ہوئے پیسے کیا اسی طرح اڑاؤ گے۔ اس سے تو بہتر ہے ان پیسوں سے ہردوار کی یاترا کر آئیں۔'' ابھی اس کی فضولیات جاری تھیں کہ بیدی واپس آ گیا۔

''چلئے مہاراج! آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ اچاریہ جی اتنی جلدی آپ سے ملنے

کے لئے رضامند ہو گئے ۔ جبکہ یہاں تو اکثر سیٹھ لوگ ہفتوں اور مہینوں تک ان کے درشنوں کو ترستے رہتے ہیں۔ جبکہ ان کی جیب میں لاکھوں روپے بھی موجود ہوتے ہیں۔ آپ لوگ یقیناً قسمت کے دھنی ہیں۔"

وہ ان بے سرو پا باتوں پر سر دھنتے ہوئے باہر آ گئے۔ وہ چاروں گاڑی میں بیٹھے اور چل پڑے۔ تقریباً دس منٹ کے سفر کے بعد وہ ایک چٹان کے دہانے پر موجود تھے۔ بیدی کے ہارن بجانے پر وہ چٹان نما دروازہ کھل گیا اور وہ گاڑی سے نیچے اتر کر ایک نیم روشن سی سرنگ میں داخل ہو گئے ۔ سرنگ زیادہ سے زیادہ بیس فٹ لمبی تھی اس کے دوسری طرف وہ ایک ہال نما کمرے میں داخل ہو گئے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے جو کچھ دیکھا اس سے ان کی طبیعت صاف ہو گئی تھی۔ وہ پتھر کی طرح ساکت ہو کر رہ گئے تھے اور ان کی آنکھوں میں حیرت، خوف، کراہت اور اشتیاق سبھی کچھ سمٹ آیا تھا۔

O......❖......O

پاکستانی ورچوئل لائبریری ڈاٹ کام

باب:5

یہ ایک وسیع وعریض ہال تھا جس کی چھت اور دیواروں پر ہندو دیو مالا کے اکثر کرداروں کی شبیہیں بنی ہوئی تھیں۔ چھت سے لٹکتے فانوسوں کی مدھم روشنیاں ماحول کو پُراسرار سا بنا رہی تھیں جبکہ کافور اور اگربتیوں کی خوشبو کے ذریعے روحانیت کا تقدس پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ داہنے کونے میں تقریباً ایک فٹ اونچے چبوترے نما ڈائس پر انتہائی قیمتی قالین بچھے تھے۔ چبوترے کے وسط میں اچاریہ جی آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ وہ بالکل ننگ دھڑنگ تھے۔ جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ باقی سارا فرش بھی کارپٹڈ تھا جہاں مختلف رنگ ونسل کے دس بارہ انسانی جوڑے آپس میں عجیب بیہودگیوں میں مصروف تھے۔

وہ چاروں خاموشی سے ہال میں داخل ہوئے۔ کسی نے ان کی آمد کا نوٹس تک نہ لیا، البتہ دروازے پر موجود خادم نما سادھو انہیں ڈائس تک لے گیا۔ مالتی اور بیدی نے اپنے جوتے ہال کے بیرونی دروازے ہی پر اتار دیئے تھے۔ وجے اور امرسنگھ نے بھی ان کی تقلید کی۔ وہ خادم کے ہمراہ ڈائس پر پہنچے تو اچاریہ جی نے آنکھیں نیم وا کر کے انہیں دیکھا اور ہلکے سے مسکرائے۔ غالباً یہی ان کا سواگت تھا۔ اس کے بعد دوبارہ مراقبے میں چلے گئے۔ وجے نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن میجر بیدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد بیدی کے اشارے پر امرسنگھ نے جیب سے دس ہزار روپے نکال کر اچاریہ جی کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے اور چاروں دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔

تقریباً آدھ گھنٹہ گزر گیا لیکن اچاریہ جی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ امرسنگھ نے سوالیہ انداز میں بیدی کو دیکھا۔ اسی وقت مہاراج نے آنکھیں دوبارہ کھول دیں اور بیدی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''بیدی جی! ان لوگوں سے کہیں یہ اپنے پیسے واپس رکھ لیں۔ ابھی ان لوگوں کے دل میں کھوٹ ہے۔ جب یہ دور ہو جائے گی، تب بھینٹ 'سویکار' کی جائے گی۔ ویسے یہ جب

تک چاہیں، سورگ میں رہ سکتے ہیں۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔"

دل کے کھوٹ والی بات سن کر وجے اور امر سنگھ دونوں ہی چونکے تھے۔ امر سنگھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مہاراج! کرپا کریں اگر ہمارے اندر کوئی کھوٹ ہے تو اسے دور کرنے کا اپائے سمجھائیں۔"

گرو مہاراج اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے بولے۔ "من کا کھوٹ دور کرنے کا یہی اپائے ہے کہ ایک لاکھ بار "گائتری منتر" کا جاپ کرو لیکن اس دوران تمہیں ماس، انڈے مچھلی اور شراب سے پرہیز کرنا ہوگا، اس کے علاوہ چالیس روز تک سورج نکلنے کے وقت سرسوتی دیوی کی پوجا کرنا ہوگی۔"

امر سنگھ نے عقیدت آمیز تشکر سے یوں سر ہلایا گویا مہاراج نے اسے ہفت اقلیم کی دولت بخش دی ہو۔ گرو جی نے اسے گائتری منتر پڑھایا اور وہ دونوں وہیں بیٹھ کر اس کے جاپ میں مصروف ہو گئے۔ اب باقی خواتین وحضرات بھی اپنی خرمستیاں چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، اس لئے اچاریہ جی نے سب حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"تم سب لوگ جانتے ہو کہ ہندو دھرم میں گائتری منتر کی کیا اہمیت ہے۔ دھرم کے مطابق سرسوتی دیوی کو رگ وید کے مقدس ترین منتر گائتری کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ سرسوتی دیوی چاروں ویدوں کی ماں بھی ہے اس پوتر منتر گائتری کو ساوتری منتر بھی کہتے ہیں۔"

اچاریہ جی کی آواز بتدریج بلند ہوتی جا رہی تھی۔ غالباً وہ وعظ کے موڈ میں آ گئے تھے۔ "یہ منتر اس قدر پوتر خیال کیا جاتا ہے کہ اسے کہیں لکھا بھی نہیں جاتا کہ اسے احاطہ تحریر میں لانا بے ادبی ہے۔ یہ منتر توصیفانہ بھی ہے اور دعائیہ بھی۔ اصل میں یہ منتر سورج دیوتا کی شان میں ہے جس میں اس کی مدح بیان کی گئی ہے۔ اس منتر میں سورج دیوتا کو خالق کے طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ ہر برہمن پر یہ فرض ہے کہ وہ اس منترل کو صبح وشام گیان دھیان کے وقت اپنے ذہن میں دہرائے۔ ویسے رگ وید شاعری کی ایک مخصوص بحر بھی گائتری کہلاتی ہے۔ رگ وید کے جس بند میں تین مصرعے ہوں اس بند کی بحر کو گائتری کہا جاتا ہے۔ رگ وید میں دس ہزار چار سو سترہ بند یا اشلوک ہیں۔ ان کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ یعنی دو ہزار چار سو بند گائتری بحر میں ہیں۔"

وجے اور امر سنگھ کو ہندو دھرم کی اس گرائمر سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی مگر اس وقت انہیں زبردستی یہ فضولیات سننا پڑ رہی تھیں۔ اچاریہ جی کا بھاشن جاری تھا۔ "امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں گائتری بحر کی نظموں کی تخلیق کا رواج بتدریج کم ہوتا گیا اور جب سنسکرت زبان وادب کا دور

آیا تو یہ بحر اور اس پر مبنی شاعری ختم ہو کر رہ گئی۔'' (لیکن اچاریہ جی کی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی)

''برہما دیوتا کی بیوی اور عقل و دانش کی دیوی ہونے کی وجہ سے سرسوتی قوت و ذہانت کے ملاپ کی مظہر ہے اور تخلیق کے عمل میں سرگرم کار ہے۔ برہما تخلیق کرنے کے بارے میں جو کچھ سوچتا ہے سرسوتی اس پر عمل درآمد کے لئے قدرت و اختیار فراہم کرتی ہے۔ مہا بھارت میں بھی سرسوتی کو ویدوں کی ماں کہا گیا ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق سرسوتی چاروں ویدوں یعنی رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر وید کے علاوہ ہندوؤں کی تین بڑی ذاتوں برہمن، کھشتری اور ویش کی ماں ہے۔ جنوبی بھارت کے علاقے میسور میں سرسوتی کو چونسٹھ علوم وفنون کی صدر نشیں دیوی سمجھا جاتا ہے۔''

وجے کا جی چاہ رہا تھا کہ امر سنگھ کا سر پھوڑ دے جو بڑے ہی انہماک سے اچاریہ جی کی باتوں میں محو تھا بلکہ یوں سر دُھن رہا تھا جیسے اسے اس کی آخری منزل مل گئی ہو۔ ادھر اچاریہ گنگا دھر گویا وجے کے زخموں پر مزید نمک پاشی کر رہا تھا۔

''سرسوتی بہت ہی صاحب جمال ہے۔ اس کی سواری کو موریا ہنس کھینچتے ہیں۔ ہندو دھرم کی مذہبی کتاب ''سکند پران'' کے مطابق سرسوتی، برہما بھگوان کو شادی شدہ ہونے کی حیثیت سے کوئی مخصوص رسم ادا کرنا تھی لیکن اس اہم موقع پر اس کی بیوی سرسوتی غیر حاضر تھی۔ برہما نے اسے بلانے کو پیغام بھیجا مگر سرسوتی بناؤ سنگھار میں مصروف تھی۔ کہلا بھیجا ابھی آتی ہوں، انتظار کریں۔ برہما بھگوان کو سرسوتی کے اس رویے پر بڑا تاؤ آیا۔ اس نے اپنے ماتحت دیوتاؤں کو حکم دیا میرے لئے فوراً کوئی دوسری بیوی لائی جائے۔ اِندر بھگوان راہ چلتی گائتری کو لے آئے اور وشنو اور شیو بھگوان نے شادی کر دی۔ سرسوتی بن سنور کر وہاں پہنچی اور گائتری کو اپنی سوکن بنے دیکھا تو اسے بے حد طیش آیا اور اس نے برہما سے کہا۔

''اے برہما! تُو نے مجھے مسترد کر کے مہا پاپ کیا ہے۔ میں نے تپسیا کر کے جو قدرت حاصل کی ہے، اس کی قسم، آج کے بعد سال میں صرف ایک دن کے سوا کسی مندر میں تیری پوجا نہیں ہو گی اور وشنو اور اِندر بھگوان! تم گائتری کو لائے ہو، تم دونوں مدت دراز تک دشمنوں کی قید میں رہو گے۔''

پھر شیو دیوتا سے کہنے لگی۔ ''مقدس رشیوں کی بددعا سے تُو قوتِ مردی سے محروم ہو جائے گا۔'' اور برہمنوں اور پنڈتوں سے یوں مخاطب ہوئی۔ ''آئندہ تم صرف لالچ کے لئے مندروں اور مقدس جگہوں میں حاضری دو گے۔ دوسروں سے خوراک لے کر تمہاری تسکین ہوا کرے گی اور اپنے گھروں سے غیر مطمئن رہو گے۔''

اس کے علاوہ سرسوتی نے سب دیوتاؤں کی بیویوں کو اجتماعی بددعا دی۔ ''تم سب بانجھ رہو..... تمہیں بچے کی خوشی کبھی نصیب نہ ہو۔'' بہرحال گائتری نے سرسوتی سے معافی مانگی اور خود دوسرے درجہ کی بیوی کے طور پر رہنا قبول کرلیا۔'' یہ قصہ سنا کر اچاریہ جی دوبارہ مراقبے میں چلے گئے۔

غور کرنے کے باوجود وجے کی سمجھ میں نہ آیا کہ کم بخت اچاریہ اپنی اس طویل تقریر سے کیا ثابت کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بیدی نے انہیں اٹھنے کا اشارہ کیا۔ امرسنگھ پیسے اپنی جیب میں رکھ کر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اسے بھی کسی قدر تعجب ہوا تھا کیونکہ اچاریہ جی کا رویہ اس کے لئے بھی قطعی غیر متوقع تھا۔ وہ الٹے قدموں چلتے ہوئے ڈائس سے اترے اور وہاں موجود لوگوں کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے باہر نکل آئے۔

ان لوگوں میں دو سفید فام جوڑے بھی تھے۔

واپس آتے ہوئے بیدی نے کہا۔ ''امرسنگھ جی! دل میلا نہ کریں، مجھے آشا ہے کچھ دنوں بعد آپ کی بھینٹ قبول کرلی جائے گی۔ اچاریہ مہاراج ہم سے بہتر سمجھتے ہیں کہ کون سا کام کس سمے پر کرنا ہے؟''

امرسنگھ بولا۔ ''ہاں بیدی جی! مجھے سخت مایوسی ہوئی ہے۔''

مالتی نے سوال داغا۔ ''امرسنگھ جی! آپ کو گرو مہاراج نے کس قدر متاثر کیا ہے؟'' وہ غالباً گرو جی کی مزید تعریف سننا چاہتی تھی۔

امرسنگھ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''مالتی جی! اردو بھاشا کے ایک شاعر ہوگزرے ہیں، شاید ان کا نام سودا تھا، انہوں نے غالباً اپنے اچاریہ جی ہی کے لئے کہا تھا۔

ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے کہانی
دیکھا انہیں جا کے تو عمامہ سوا پیچ

مالتی کے پلے کچھ بھی نہیں پڑا تھا، البتہ بیدی کے چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے امرسنگھ کا جواب پسند نہیں آیا۔ وہ لوگ واپس اپنے اپارٹمنٹ پہنچ گئے اور پھر سارا دن انہوں نے بیدی کی معیت میں برننگ پیراڈائیز کی سیر میں گزارا۔ وجے کے ذہن میں ایک سوال کافی دیر سے کلبلا رہا تھا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے پوچھ ہی لیا۔ ''بیدی جی! اچاریہ جی کے آشرم میں عورتیں اور مرد جن فضولیات میں مشغول تھے، کیا ان کی بھی کوئی دھارمک وجہ ہے؟''

بیدی نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''وجے جی! بھگوان سے

معافی مانگیں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ 'آتما مکتی تپسیا' کو فضولیات اور بے ہودگی کا نام دے رہے ہیں۔''

وجے حیرانی سے بولا۔ ''آتما مکتی تپسیا! یہ کیا چیز ہے بھائی؟''

''اچاریہ جی کے آدیش کے مطابق..... آدمی تب تک گناہوں سے باز نہیں آ سکتا جب تک وہ گناہوں سے اکتا نہ جائے..... اس لئے یہاں سورگ میں گرو دیو کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے والوں کو کچھ سمے کے لئے کھلا چھوڑ کر گناہ کا بھرپور موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ اس طرح جی بھر جانے کے بعد یہ لوگ خود ہی اچاریہ جی کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ اب وہ ایک سال تک کسی گناہ کے قریب نہیں پھٹکیں گے اور تن من دھن سے انسانیت کی سیوا کریں گے اور یہ لوگ واقعی اس بات پر عمل بھی کرتے ہیں اور سال بھر اپنی تمام تر توانائیاں سماجی بھلائی کے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ اب تک پچاس ہزار سے زیادہ افراد اس 'مکتی تپسیا' میں حصہ لے چکے ہیں۔'' بیدی نے وضاحت کی۔

وجے حیرانی سے میجر کا منہ تکے جا رہا تھا۔ اسے اس پڑھے لکھے اور روشن خیال آدمی کی ذہنی صحت مشکوک لگنے لگی تھی۔ وہ بولا۔ ''بیدی جی! کیا آپ بھی اس 'تپسیا' میں شامل ہو چکے ہیں؟''

بیدی نے جواب دیا۔ ''بالکل! پچھلے تین سال سے میں مسلسل اس سالانہ بھگتی پروگرام میں شریک رہا ہوں۔''

امر سنگھ اور مالتی نے ان دونوں کی اس گفتگو میں زیادہ حصہ نہ لیا تھا۔ شام سے ذرا پہلے ہی بیدی نے اجازت چاہی اور ان سے اگلے چند روز نہ ملنے کی پیشگی معذرت بھی کر لی کیونکہ اسے پاکستان جانے والے تخریب کاروں کی پاسنگ آؤٹ تقریب کی نگرانی کرنا تھی۔

امر سنگھ نے پوچھا۔ ''میجر صاحب! کیا ہم لوگ بھی یہ پریڈ دیکھ سکتے ہیں؟ مجھے عرصے سے ٹیررسٹوں کو دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ آج تک ایسے لوگوں کو صرف اخباروں یا فلموں میں دیکھتے رہے ہیں۔''

بیدی چند لمحے خاموش رہ کر غالباً انکار کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا کہ مالتی، سفارشی انداز اختیار کرتے ہوئے بولی۔ ''بیدی جی! کیا آپ ان کی اتنی سی اچھا بھی پوری نہیں کر سکتے؟ عجیب کیمپ کمانڈنٹ ہیں آپ۔''

اب شاید میجر بیدی کے لئے انکار کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، آپ تینوں میرے ذاتی مہمان کی حیثیت سے اس تقریب میں شامل ہوں گے لیکن وہاں اس

بات کا خیال رکھیں کہ آپ دونوں کی کسی بات سے یہ تاثر نہیں ملنا چاہئے کہ ہماری ملاقات زیادہ پرانی نہیں۔''

امر سنگھ نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ لوگ اس بات کا دھیان رکھیں گے۔

○.....❖.....○

اگلی صبح ساڑھے آٹھ بجے بیدی کا ڈرائیور اپنی ٹویوٹا جیپ سمیت حاضر تھا۔ وہ تینوں پہلے ہی تیار تھے، اس لئے فوراً روانہ ہو گئے۔ مالتی آگے ڈرائیور کے ساتھ تھی جبکہ ان دونوں کو پیچھے جگہ ملی۔ دس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد ان کی گاڑی خاردار تاروں سے گھرے ایک گیٹ پر رکی۔ سینٹرل ریزرو فورس کی وردی میں ملبوس سپاہیوں نے جیپ کے اندر جھانک کر ڈرائیور کی طرف سوالیہ نگاہیں ڈالیں اور جب ڈرائیور نے بتایا کہ یہ لوگ کیمپ کے ڈپٹی کمانڈنٹ کے ذاتی مہمان ہیں تو آگے سے رکاوٹ ہٹا لی گئی۔ گیٹ کے باہر ایک بڑے سے بورڈ پر ''جیالوجیکل سروے آف انڈیا'' نقش تھا جس کے ساتھ ہی ممنوعہ علاقے کا بورڈ بھی نصب تھا۔

اندر جا کر انہیں محسوس ہوا کہ تقریباً تین مربع میل پر مشتمل یہ کیمپ کئی بیرک نما عمارتوں پر مشتمل ہے۔ ایک وسیع میدان میں تقریب کا اہتمام تھا۔ ابھی مہمانِ خصوصی نہیں آئے تھے۔ البتہ چالیس پچاس افراد ڈائس کے پیچھے پڑی کرسیوں پر براجمان تھے۔ کچھ سینئر افسران کے اہلِ خانہ بھی موجود تھے۔ میجر بیدی کے نائب ایک کیپٹن نے آگے بڑھ کر ان کا سواگت کیا اور مخصوص نشستوں تک ان کی رہنمائی کی۔ دس بجنے سے چند منٹ پہلے کور کمانڈر ہربخش لعل چاولہ تشریف لے آئے۔ پریڈ کے تمام انتظامات پہلے ہی مکمل ہو چکے تھے۔

تبھی چالیس نوجوانوں پر مشتمل دہشت گرد پاکستانی کیڈٹس کا مسلح دستہ سفید رنگ کی یونیفارم میں ملبوس بھارتی جنرل کو سلامی دیتے ہوئے ڈائس کے سامنے سے گزرا۔ شکل و صورت سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ نوجوان پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں، البتہ اکثریت سندھ کے دیہی اور شہری علاقوں کی معلوم ہوتی تھی۔

امر سنگھ اور وجے کی ذہنی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی، خوشی اور رنج کے ملے جلے سے احساسات تھے۔ سگریٹ سلگانے کے بہانے وجے اپنے لائٹر میں ان لوگوں کی تصویریں محفوظ کر رہا تھا۔ پریڈ کے بعد ان لوگوں نے مختلف فنونِ حرب کا انفرادی اور اجتماعی مظاہرہ بھی کیا۔

مارشل آرٹس سے لے کر راکٹ لانچر فائر کرنے تک کا مظاہرہ ہوا۔ اس کے اختتام پر نمایاں کارکردگی دکھانے والے ''کیڈٹس'' کو خصوصی اعزازات سے نوازا گیا۔ اسٹیج سے ان کے نام تقرری بھی پکارے جا رہے تھے۔ جو یقیناً کوڈ نیم تھے۔ یہ تقریب کوئی دو گھنٹے جاری رہی۔

کھانے کے دوران ان کیڈٹس کو مہمانوں سے قطعی الگ تھلگ رکھا گیا۔ اس سے پہلے بھارتی کور کمانڈر نے کافی زہر اگلا اور دعویٰ کیا تھا کہ بھارت تو صرف ''انسانیت'' کے ناطے سے ان لوگوں کی تربیت کر رہا ہے تاکہ یہ ''مجاہد'' پوری طرح تیار ہو کر پاکستانی حکمرانوں کے جابر ''ہتھکنڈوں'' کا مقابلہ کر سکیں۔

واپسی پر وجے اور امر سنگھ دونوں کے دل و دماغ متضاد خیالات کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ جہاں یہ خوشی تھی کہ انہوں نے اپنا ٹارگٹ کسی حد تک حاصل کر لیا ہے وہیں یہ احساس انہیں دکھی کر رہا تھا کہ ان کی اپنی قوم کے چند گمراہ افراد اپنے ہی وطن کی جڑیں کاٹنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اپنے گھروندے کی حفاظت تو جانور بھی کرتے ہیں۔ یہ تلخ حقیقت یقیناً انہیں تکلیف دے رہی تھی۔ یہ اثرات ان پر دیر تک برقرار رہے۔ رہ رہ کر ان کے ذہن میں بھارتی کمانڈر کی تقریر کے الفاظ گونج رہے تھے کہ ''کسی بھی معرکے میں کامیابی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ تمام فرد یا گروہ جانتا ہو کہ وہ کس مقصد کے حصول کے لئے برسرِ پیکار ہے۔ واضح ہدف کی موجودگی میں آخر کار کامیابی مل جاتی ہے۔''

اگلے چند روز اسی نام نہاد بہشت کی سیر میں گزرے۔ وہاں کی صورتِ حال نے ان کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ شام کو چہل قدمی کرتے ہوئے وجے بولا۔ ''امر سنگھ جی! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی مشرقی معاشرے میں اس دھڑلے سے اخلاق و تہذیب کی دھجیاں اڑائی جا سکتی ہیں۔ مجھے شیکسپیئر یاد آ رہا ہے جس نے غالباً 'ہیملٹ' میں ایک مکالمہ لکھا ہے۔ 'ڈنمارک کی حکومت میں کچھ سڑ رہا ہے..... بو آ رہی ہے' میرے خیال میں موجودہ بھارتی معاشرہ بھی اسی سطح پر پہنچ چکا ہے۔''

امر سنگھ نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''وجے! ہمیں اپنے مشن میں ایک حد تک تو کامیابی ملی ہے لیکن میں اس سے مطمئن نہیں۔ تم نے کل بیدی کی باتوں سے اندازہ لگایا ہو گا کہ یہ لوگ صرف اس ایک کیمپ میں سات سو سے زیادہ پاکستانی افراد کو تخریب کاری کی تربیت دے کر پاکستان میں داخل کر چکے ہیں۔ اگر کسی طرح ان سب افراد کا ریکارڈ ہمارے ہاتھ لگ جائے تو اسے ٹھوس کامیابی قرار دیا جا سکتا ہے۔''

وجے بولا۔ ''دیکھیں، کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ہم لوگ اپنی طرف سے تو پوری کوشش کر رہے ہیں۔'' پھر دونوں سرگوشیوں کے انداز میں کچھ کھسر پھسر کرتے رہے۔

رات کے کھانے سے پہلے بیدی حسبِ معمول وارد ہو گیا۔ مالتی کے اپارٹمنٹ ہی میں محفل جمی اور گپ شپ کا دور شروع ہوا۔ ساتھ ساتھ بیدی اور مالتی شغلِ مے نوشی میں بھی مصروف تھے۔ ایک نئی بات البتہ یہ تھی کہ آج وجے بھی حسبِ توفیق ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

اس کے بعد کھانے کا دور چلا۔ پھر امر سنگھ کی تجویز پر وہ چاندنی رات میں باہر گھومنے کے لئے نکل آئے۔ ہلکی ہوا نے شب ماہ اور بادہ ناب کا اثر دوآتشہ کر دیا تھا۔ بہکے ہوئے قدموں کے ساتھ وہ مٹرگشت میں مصروف ہو گئے۔ وجے نے نثر میں شاعری کرنے کی کوشش کی۔ ''میجر! یہ شراب بھی عجیب چیز ہے۔ حلق سے نیچے اترتے ہی جسے یاد رکھنا ہو بھلا دیتی ہے اور گم گشتہ باتیں اور یادیں امنڈنے لگتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرے ماتا پتا چاہتے تھے میں بڑا ہو کر فوجی افسر بنوں۔ گو میری بھی یہی خواہش تھی کہ دشمن کے خلاف لڑتے ہوئے دیش کے لئے اپنی جان قربان کر دوں لیکن قسمت دیکھ لو کہ انشورنس ایجنٹ بنے اپنے ہی دیش واسیوں کو موت کے خوف سے ڈرا کر اپنی روٹی کمانے کے چکر میں ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسی زندگی پر لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے۔ میجر! آپ یہ نہیں کر سکتے کہ مجھے بھی چھاپہ ماری کی تربیت دے کر پاکستان بھجوا دو تا کہ بھارت ماتا کی کچھ سیوا کر سکوں؟''

میجر بیدی اسے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے جذبات قابلِ قدر ہیں۔ اگر تم واقعی یہ چاہتے ہو تو میں کچھ کروں گا۔ میرے کئی دوست 'را' اور ڈی ایم آئی (ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری انٹیلی جنس) میں ہیں جن کا نصب العین ہی یہی ہے بلکہ میں کل ہی کرنل بھاٹیہ سے رابطہ کروں گا۔ وہ آج کل 'را' میں ہیں اور پاکستان کا صوبہ سندھ انہی کے تحت ہے۔''

بیدی خاصی دیر تک ڈینگیں مارتا رہا۔ وہ ایسے بڑ ہانک رہا تھا گویا وہ بھارت کا آئی چیف ہو اور تمام بھارتی خفیہ ایجنسیاں اس کی ماتحتی میں کام کر رہی ہوں۔ انہوں نے باقی باتیں آئندہ کے لئے اٹھا رکھیں اور اپنے ہوسٹل لوٹ آئے۔

بیدی نے ان سے اجازت چاہی کہ وہ واپس اپنے کیمپ جا رہا ہے جبکہ وجے اور امر سنگھ دونوں ہی جانتے تھے کہ وہ واپس نہیں جائے گا۔ بہرحال میجر بیدی وہاں سے رخصت ہو گیا اور وہ تینوں بھی سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ تھوڑی دیر بعد وجے کو راہداری میں قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی اور مالتی کے کمرے کا دروازہ کھلنے اور بند

ہونے کی آہٹ آئی۔ وجے نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ صبح دن چڑھنے کے بعد ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ مالتی کے دروازے پر پہنچا۔ وہ غالباً کہیں باہر گئی ہوئی تھی۔ اس نے باآسانی اس کی خواب گاہ سے چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ اٹھا لیا جو خود اسی نے گلدان میں چھپایا تھا۔ امر سنگھ کے کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے بند کر کے وہ ریکارڈ شدہ کیسٹ سننے لگے۔ کیسٹ ختم ہونے کے بعد امر سنگھ نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''آج تو تم نے واقعی معرکہ سرانجام دیا ہے بشرطیکہ اس سے مطلوبہ نتائج بھی حاصل کر سکو۔''

وجے سینہ پھلا کر بولا۔ ''استاد! تمہاری آشیرباد حاصل رہی تو دیکھنا بقیہ مراحل بھی بخوبی طے ہو جائیں گے۔''

اس کے بعد امر سنگھ تو باہر نکل گیا جبکہ وجے اپنے کمرے میں بیٹھا مالتی کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً گیارہ بجے وہ لوٹی تو وجے اس کے کمرے میں پہنچ گیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ کچھ دیر بعد بولا۔

''مالتی جی! ایک مسئلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔''

وہ حیرت سے بولی۔ ''ہاں ہاں کہئے، آپ اتنا تکلف کیوں برت رہے ہیں؟''

وجے نے کہا۔ ''آپ مجھے میجر بیدی کے آفس لے چلیں اور ایک آدھ گھنٹہ اسے مصروف رکھیں تاکہ میں اس کے دفتر میں موجود فائلیں وغیرہ کھنگال سکوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری یہ پرارتھنا قبول کریں گی۔''

مالتی نے حیرت اور غصے کے ملے جلے جذبات سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وجے بابو! آپ کو یہ بات کرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ آپ نے کیونکر اندازہ کر لیا کہ میں آپ کی ان مشکوک سرگرمیوں میں حصے دار بنوں گی؟ میں ابھی میجر بیدی کو اس کی اطلاع دیتی ہوں۔''

وجے دھیمے لہجے میں بولا۔ ''مالتی جی! آپ یقیناً ایسا کر سکتی ہیں لیکن اس سے پہلے گزشتہ رات آپ اور بیدی میں ہونے والی گفتگو ٹیپ ریکارڈ پر سن لیں، پھر آپ کو کسی فیصلے پر پہنچنے میں آسانی رہے گی۔ اگر آپ میری بات نہیں مانیں گی تو اس کیسٹ کی ایک کاپی سردار نرنجن سنگھ جی کے پاس پہنچ جائے گی اور غالباً آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم دونوں کو سردار جی ہی نے آپ کے پیچھے لگا رکھا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے ہم دونوں کو معقول معاوضہ بھی دیا ہے۔ اصل میں ہم دونوں دہلی میں پرائیویٹ سراغ رسانی کا دھندا کرتے ہیں

اور یہی ہمارا ذریعہ معاش ہے۔ سردار جی کو کچھ مدت سے آپ اور میجر بیدی کے رویے مشکوک نظر آ رہے تھے اور انہوں نے اپنے ان شکوک کی تردید یا تصدیق کے لئے ہماری خدمات حاصل کی ہیں۔ غالباً آپ کو یاد ہو گا کہ پہلی بار سردار جی خود ہم دونوں کو ساتھ لے کر آپ کے پاس پہنچے تھے۔''

مالتی کی نگاہوں میں قدرے بے یقینی کے آثار تھے۔ وجے نے اپنی بات مزید آگے بڑھائی۔ ''آپ بخوبی جانتی ہیں کہ لاکھوں روپے کی جائیداد کی خاطر ہی آپ نے سردار جی سے شادی کی ہے اور اب تو میجر بیدی بھی آپ کی اس سازش میں شامل ہو چکا ہے۔ گزشتہ رات بھی آپ دونوں یہ سکیم بناتے رہے ہیں کہ کس طریقے سے نسبتاً جلد سردار جی کو راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ یہ کیسٹ سننے کے بعد آپ کو تمام جائیداد سے محروم ہی نہیں ہونا پڑے گا بلکہ مجرمانہ سازش کے الزام میں تعزیراتِ ہند کی دفعہ 120 کے تحت جیل کی ہوا بھی کھانا پڑے گی۔''

وجے کے اس طویل بھاشن نے مالتی پر خاطر خواہ اثر کیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا اور آواز میں ہلکی سی لرزش بڑی واضح تھی۔ اس نے کہا۔

''وجے! تم بڑے گھٹیا انسان ہو۔ بہر حال بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ ویسے میجر بیدی کبھی اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ میں یا تم اس کی دفتری فائلیں چوری کریں۔''

وجے نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''مالتی جی! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آپ صرف اتنا کریں کہ کسی روز مجھے بیدی کے دفتر لے چلیں اور اس کو چند گھنٹوں کے لئے کسی طرح بے ہوش کر دیں۔ باقی سب کچھ میں خود کر لوں گا۔''

مالتی اسے کڑی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولی۔ ''باقی رہ ہی کیا جائے گا جو تم کر لو گے۔ بہر حال تم نے اس قدر مکاری کا ثبوت دیا ہے کہ تمہاری بات مانے بغیر چارہ بھی نہیں۔''

واپسی پر وجے نے امر سنگھ کو اپنی کارکردگی کی مکمل رپورٹ دی تو اس نے اپنے یار کی تعریف میں زیادہ فراخ دلی کا مظاہرہ نہ کیا جس پر وجے بڑبڑاتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

اگلے روز سردار نرنجن سنگھ بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان کی خواہش تھی کہ مالتی واپس جے پور چلے مگر وجے کی وارننگ نے مالتی کو ایسا کرنے سے روکے رکھا۔ اس نے سردار جی کو بتایا کہ ابھی تک وجے اور امر سنگھ کو اچاریہ جی کی سیوا میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں ہوا۔ اس میں چند

روز اور لگیں گے۔ لہٰذا مالتی کو مزید یہاں ٹھہرنا ہوگا۔

سردار جی نے بُرا سا منہ بنایا لیکن امر سنگھ اور وجے کے پُرزور اصرار پر انہیں مروت کا مظاہرہ کرنا پڑا اور ایک روز ٹھہرنے کے بعد وہ جے پور واپس روانہ ہو گئے کیونکہ ان کے کاروبار کی دیکھ بھال کرنے والا پیچھے کوئی نہیں تھا۔ جمعے کے روز مالتی نے بتایا۔

''میں نے بیدی سے بات کر لی ہے کہ میں کسی روز اس کے دفتر آ کر کچھ اہم موضوعات پر اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ بیدی نے کہا ہے کہ پرسوں اتوار ہے، کوئی مصروفیت نہیں ہوگی اس لئے آ جاؤ۔'' وجے خود یہی چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس کام سے فارغ ہو جائے۔

اتوار کی صبح آٹھ بجے وجے اور مالتی کیمپ کے لئے روانہ ہوئے۔ مین گیٹ پر شاید پہلے ہی اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ڈپٹی کمانڈنٹ صاحب کے ملاقاتی آئیں گے، اس لئے کسی نے تعرض نہ کیا۔ بیدی اپنے آفس ہی میں موجود تھا۔ غالباً کچھ فائل ورک نپٹا رہا تھا۔ مالتی کے ساتھ وجے کو دیکھ کر اس نے ایسے منہ بنایا جیسے اچانک کونین کی گولی نگل گیا ہو لیکن مالتی کی وجہ سے اسے یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا اور وہ ظاہری تپاک سے بولا۔

''آئیں وجے بابو! اچھا کیا آپ بھی چلے آئے، ذرا گپ شپ رہے گی۔''

وجے نے کہا۔ ''ہاں، اسی لئے تو حاضر ہوا ہوں۔ امر سنگھ کو فلو سا ہو گیا ہے میں اکیلا بور ہو رہا تھا۔ مالتی جی سے پتہ چلا کہ آپ کے پاس آ رہی ہیں چنانچہ میں بھی ساتھ ہو لیا۔''

بیدی نے زہرخند لہجے کے ساتھ کہا۔ ''اس قدر وضاحت کی کیا ضرورت ہے، کوئی اور بات بتائیں۔''

مالتی بولی۔ ''آپ لوگ باتیں کریں، میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں۔''

دفتر کے ساتھ ہی موجود چھوٹے سے کمرے میں الیکٹرک کیتلی موجود تھی وہیں مالتی چائے تیار کرنے لگی۔ چائے تیار کرنے کے بعد اس نے ایک کپ میں وجے کی دی ہوئی چھوٹی سی گولی بھی ڈال دی تھی، وہ کپ میجر بیدی کے حصے میں آیا۔ چائے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران میجر بیدی نے کہا۔

''وجے جی! مجھ پر زبردست قسم کی غنودگی طاری ہوتی جا رہی ہے، پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔''

وجے بولا۔ ''یک دم بہت سی سیڑھیاں پھلانگنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے برخوردار! سوری میجر صاحب!''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟ اپنی بات کی وضاحت کرو.....'' بیدی کا لہجہ خوابیدہ تھا، چنانچہ اسے وجے سے پوری طرح وضاحت طلب کرنے کا موقع نہ مل سکا اور وہ میز پر سر رکھ کر خراٹے لینے لگا۔ مالتی کچھ گھبرا سی گئی تھی۔

''بیدی جی کو کچھ ہو تو نہیں جائے گا۔ ان کی جان کو تو کوئی خطرہ نہیں؟'' اس نے پے در پے سوالات داغ دیئے۔

''نہیں شریمتی جی! بیدی جی اتنی آسانی سے مرنے والے نہیں، صرف چند گھنٹوں کے لئے بے ہوش ہو گئے ہیں، کوئی خطرناک بات نہیں۔''

وجے نے اسے اطمینان دلایا اور پھر اٹھ کر اطمینان سے دفتر کی عمارت کے اندرونی دروازے بند کئے اور اپنی جیب سے ''ماسٹر کی'' نکال کر میجر کے آفس کی اکلوتی کیبنٹ کھول ڈالی۔ اس میں موجود کاغذات کھنگالنے پر اسے کوئی کام کی چیز نہ مل سکی۔

مالتی کرسی پر بے حس و حرکت بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ خوف اور دہشت کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہ رہی تھی کہ وجے سے اس کی ان حرکتوں کا مقصد ہی پوچھ سکتی۔ سارے کاغذات اچھی طرح کھنگالنے کے بعد وجے نے اسی سلیقے سے کاغذات واپس رکھ دیئے اور کیبنٹ بند کر دی۔ اس کے چہرے پر ہلکے سے مایوسی کے آثار تھے۔ میجر کے کمرے سے نکل کر وہ ساتھ کے کمروں کی تلاشی لینے لگا۔ ساتھ والے کمرے کے باہر جی ایس اوٹو آپریشنل کی تختی نصب تھی۔ اس کمرے کی الماریوں سے چند فائلیں اس کے مطلب کی مل گئیں۔ اس نے اپنے مطلوبہ صفحات مائیکرو کیمرے کی آنکھ میں بند کرنا شروع کر دیئے۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے جی ایس او تھری سکیورٹی اینڈ جوائنٹ اور کوارٹر ماسٹر سبھی کے کمرے اس کی دستبرد میں آئے۔ اس ایکسرسائز میں تقریباً تین گھنٹے صرف ہو گئے لیکن اس کے خاتمے پر وجے کا چہرہ شدتِ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ اسے توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد ایک دوسری پریشانی نے اسے گھیر لیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میجر بیدی کے ساتھ کیا سلوک کرے کیونکہ ان کے جانے کے بعد جب میجر کو ہوش آیا تو اس کا ردِعمل کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اگرچہ اس بات کا بھی امکان تھا کہ وہ اپنی بدنامی اور خوف کے مارے خاموش رہے لیکن اس اندیشے کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ اعلیٰ حکام کو فوراً ان کے بارے میں مطلع کر دیتا اور فوج اور پولیس ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے۔ جب وہ کسی قطعی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو رہنمائی کے لئے اس نے شارٹ

رینج ٹرانسمیٹر پر امر سنگھ سے رابطہ قائم کیا اور اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ امر سنگھ نے اسے ہدایت کی کہ وہ بیدی کو کار میں ڈال کر مالتی سمیت ماؤنٹ آبو کے سینٹرل پوسٹ آفس کی عمارت کے سامنے پہنچے، وہیں وہ ان سے آن ملے گا۔

وجے نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ کسی وقت بھی کوئی غیر متوقع صورتِ حال پیدا ہو سکتی تھی۔ اس نے بیدی کے کمرے میں آ کر مالتی سے کہا۔ ''میجر بیدی ہمارے ساتھ جائیں گے۔ تم دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھو گے۔ بیدی کا سر اپنے شانے کے ساتھ لگا کر تم یوں بیٹھو گی جیسے بیدی کثرتِ مے نوشی کے سبب بے ہوش ہو گیا ہو۔ میں گاڑی قریب لے آتا ہوں، ہم دونوں اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھائیں گے۔''

مالتی اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ وجے باہر نکل کر گاڑی اسٹارٹ کر کے برآمدے کے قریب لایا اور کوارٹر گارڈ پر موجود سپاہی سے بولا۔ ''تمہارے میجر صاحب کچھ زیادہ ہی پی گئے ہیں، اس لئے ہم لوگ انہیں ساتھ ہی لے جا رہے ہیں۔'' دونوں سپاہیوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر وجے اندر گیا اور میجر بیدی کو سہارا دے کر کھڑا کیا اور اس کا بازو اپنے کندھے پر رکھ کر چل پڑا۔ دوسری طرف کا بازو مالتی نے اپنی گردن میں حمائل کر رکھا تھا۔ میجر بیدی اچھا بھلا صحت مند آدمی تھا اس لئے گاڑی تک لاتے لاتے وجے کے پسینے چھوٹ گئے کیونکہ اس کا سارا بوجھ اسی کے کندھوں پر تھا۔ بڑی احتیاط سے اسے گاڑی میں بٹھایا گیا۔

دوسری طرف کا دروازہ کھول کر مالتی بھی میجر کے ساتھ بیٹھ گئی۔ دونوں سپاہیوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھا اور زیرِ لب مسکرانے لگے۔ غالباً وہ اپنے افسرِ اعلیٰ کے کالے کرتوتوں سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے انہوں نے کسی خاص حیرت کا اظہار نہ کیا۔ وجے نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور خدا کا نام لے کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ کیمپ کے مرکزی گیٹ سے باہر آ کر اس نے اطمینان کی سانس لی ورنہ اس سے پہلے تو اسے یہی دھڑکا لگا تھا کہ کسی بھی وقت دھر لیا جائے گا۔ تقریباً تین بجے سہ پہر وہ سینٹرل پوسٹ آفس کی قدیم عمارت کے پاس پہنچ گیا۔ ایک کونے میں امر سنگھ کھڑا اخبار بینی میں مصروف تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ قریب آ پہنچا اور وجے سے پوچھنے لگا۔

''خیریت تو ہے؟''

''خیریت تو پچھلی سیٹ پر موجود ہے۔ بہرحال اب کیا کرنا ہے؟'' وجے نے جواب میں سوال کیا۔

امر سنگھ نے کوئی جواب دیئے بنا گاڑی کی ڈگی کھولی اور اپنے اور مالتی کے کپڑوں وغیرہ کے بیگ اس میں رکھے۔ آگے آ کر وجے کو دوسری طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ کچھ دیر بعد وجے نے پوچھا۔

''اب ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟''

امر سنگھ نے عقبی آئینے میں بیدی اور مالتی کو دیکھا۔ بیدی بدستور بے ہوش تھا جبکہ مالتی کو چپ سی لگ گئی تھی۔ غالباً اس دھان پان سی لڑکی کے لئے یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ گنگ سی ہو کر رہ گئی تھی۔ امر سنگھ نے آبادی سے باہر نکل کر گاڑی سڑک کے کنارے روک دی اور جیب سے سرنج نکال کر گاڑی سے باہر آ گیا۔ پچھلا دروازہ کھول کر اس نے مالتی کے بازو میں بے ہوشی کا انجکشن لگا دیا۔ اس نے ہلکی سی مزاحمت کی اور پھر بے سدھ ہو گئی۔ اس کے علاوہ میجر بیدی کو بھی انجکشن کا شکار ہونا پڑا۔ تب گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے امر سنگھ بولا۔

''ان دونوں کو بے ہوش رکھنا ضروری تھا کیونکہ سفر لمبا ہے اور کہیں بھی یہ ہمارے لئے مسئلہ پیدا کر سکتے تھے۔''

''لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں؟'' وجے نے استفسار کیا۔

''ہم جے پور جا رہے ہیں۔ وہاں ہمیں منشی خان کی مدد لینا ہو گی کیونکہ فی الحال ہم بیدی کو مار بھی نہیں سکتے۔ اس کی موت ہمارے لئے نئے مسائل کا سبب بن جائے گی۔ اس کے علاوہ اس سے ہمیں کچھ اور کام کی باتیں بھی معلوم ہو سکتی ہیں۔ خیر، تم تفصیل سے بتاؤ کہ تمہاری کیا پروگریس رہی ہے؟''

وجے بولا۔ ''وہاں مابدولت نے تو لمبا ہاتھ مارا ہے۔ تقریباً ساڑھے پانچ سو پاکستانی تخریب کاروں کے اصل نام اور پتے مل گئے ہیں جنہیں اس کیمپ میں 'را' نے تربیت دی ہے۔ ان کے پاکستانی سرپرستوں کی لسٹ بھی ہاتھ لگی جن میں بعض نام ایسے ہیں جن کے بارے میں بظاہر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ لوگ ملک دشمنی میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ تخریب کاری کی ٹریننگ کے دوران پڑھائے جانے والے کورس کی کاپی بھی ہاتھ لگی ہے۔ اس کے علاوہ ان کو دیئے گئے بعض ٹارگٹ بھی علم میں آئے ہیں۔ شاید آپ کے لئے یہ بات حیران کن ہو کہ تخریب کاری میں صرف الذوالفقار ہی ملوث نہیں بلکہ چند دوسرے نسلی، لسانی اور مذہبی عناصر بھی شامل ہیں جو زبان، نسل اور فرقے کی بنیاد پر پاکستان میں ہنگامہ آرائی کی تربیت یہاں سے حاصل کر کے گئے ہیں۔ مجھے یہ جان کر اتنی حیرانی نہیں ہوئی کہ پاکستان کی

دشمنی میں بھارتی حکمران کس سطح پر اتر آئے ہیں البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ بہت سے پاکستانی مختلف وجوہات کی بنا پر اپنی بنیادیں تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' اس نے مختصراً امر سنگھ کو اپنی کامیابیوں سے آگاہ کیا۔ ''امر سنگھ جی! سندھ کو پاکستان سے الگ کرنے کے پلان کا بلیو پرنٹ بھی حاصل ہوا ہے جس کے مطابق اس مشن کا نام ''آپریشن راج دوت'' ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بھارت پورے سندھ کو پاکستان سے الگ کرنے میں قطعی دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ اس کی دلچسپی کا محور صرف یہ ہے کہ حیدر آباد، کراچی، ٹھٹھہ اور بدین کی پٹی کو علیحدہ کر دیا جائے بلکہ اگر ہو سکے تو اتنے حصہ پر خود قابض ہو جائے۔

آپ کو علم ہو گا کہ بالائی سندھ کے یہ علاقے تیل کی دولت سے مالا مال تصور کئے جاتے ہیں اگرچہ مناسب کھدائی نہ ہونے کے سبب ابھی تک ہم لوگ تیل کے یہ وسیع ذخائر دریافت نہیں کر پائے۔ اس کے علاوہ بھارت کو سندھ کے ہندوؤں سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی وہ انہیں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہے۔''

وجے کافی دیر تک اپنی معلومات منتقل کرتا رہا۔ پچھلی سیٹ کے مسافر بدستور بے ہوش تھے۔ گاڑی اجمیر کے قریب پہنچنے والی تھی۔ رات ہو چکی تھی لیکن پورے چاند کی روشنی میں چھوٹی بڑی پہاڑیاں بڑا دلکش منظر پیش کر رہی تھیں۔

وجے نے اپنا سوال دہرایا۔ ''اب ہمارا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے؟''

امر سنگھ کچھ دیر توقف کرنے کے بعد بولا۔ ''بظاہر ہم اپنے اصل فرض میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے ہیں جس کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے کہ ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان روانہ ہو جائیں لیکن مجھے یہ صورت گوارا نہیں کیونکہ کنول اور اس کے بچوں کی وجہ سے ہم پر کچھ انسانی اور اخلاقی ذمے داریاں آن پڑی ہیں۔ لہٰذا اپنے پیشہ ورانہ فرائض سے تھوڑا ہٹ کر چلنے پر میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔ ہم اپنی کامیابیوں سے ہیڈ کوارٹر کو آج ہی آگاہ کر دیں گے بلکہ تمہاری حاصل کردہ دستاویزات آج ہی وہاں منتقل ہو جائیں گی تاکہ ہمیں کسی ناخوشگوار صورتِ حال کا سامنا کرنا بھی پڑے تو ہمارا ضمیر مطمئن ہو کہ ہم نے اپنی ذمہ داریاں پوری دیانت داری سے انجام دی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی یہ پسند نہیں کرو گے کہ علی اور اس کے معصوم بیوی بچوں کو بجرنگ دَل کے درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔'' وجے نے اس کے خیالات سے مکمل اتفاق کیا اور اسے اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا۔

ان ہی باتوں کے دوران وہ لوگ جے پور کے مضافات میں داخل ہو گئے۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں راستے میں کسی ناگہانی آفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ گاڑی کا رُخ منشی خان

کے ہیڈ کوارٹر کی طرف تھا۔ گیٹ پر موجود پہرے دار نے منشی خان کو ان کی آمد کی اطلاع دی۔ فوراً ہی انہیں اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ کار پورچ میں منشی خان، بہ نفس نفیس ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ اس نے انتہائی خوش دلی سے ان دونوں کے ساتھ ہاتھ ملایا اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پر جھانکتے ہوئے بولا۔

''امر سنگھ! یہ نئے شکار کہاں سے اٹھا لائے، ان کا کیا کرنا ہے؟''

امر سنگھ بولا۔ ''فی الحال تو انہیں کسی محفوظ جگہ پہنچاؤ۔ ان کے بارے میں تفصیلی باتیں بعد میں ہوں گی۔''

منشی خان، وجے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''وجے صاحب! آپ ان صاحب کو باہر نکالیں۔ اس خاتون کو اٹھانے کے لئے میں کسی عورت کو بلاتا ہوں۔''

وجے فوراً بولا۔ ''منشی خان جی! میں اس کم بخت کو ہرگز نہیں اٹھاؤں گا۔ اگر یہ مر بھی جائے مجھے اس کی خبر نہ کرنا کیونکہ اس صحت مند کی نعش کو کندھا دینے کی ہمت بھی مجھ میں نہیں۔ اپنی ریڑھ کی ہڈی تو پہلے ہی سے گڑبڑ ہے۔''

منشی خان نے مسکراتے ہوئے اپنے آدمیوں کو بلا کر بیدی اور مالتی کو نمبر 3 میں لے جانے کا حکم دیا اور خود ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس دوران خادم چائے وغیرہ لے آیا تھا۔ امر سنگھ نے کہا۔

''ہم دونوں منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھائیں گے کیونکہ سخت بھوک لگ رہی ہے، اس وقت چائے پینے کا موڈ نہیں ہے۔''

ملازم نے ان دونوں کی رہنمائی ان کے کمروں تک کی جہاں پہلے ہی ان کے کپڑے پہنچائے جا چکے تھے۔ نہا دھو کر وہ تازہ دم ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ منشی خان وہیں آ گیا اور کھانے میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ امر سنگھ نے بیدی اور مالتی کے بارے میں اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ منشی خان نے پوچھا۔

''اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟''

امر سنگھ نے جواب دیا۔ ''فی الحال تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ میجر بیدی اور مالتی کو بحفاظت اپنی تحویل میں رکھیں۔ اس بات کا البتہ دھیان رکھیں کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، ہم نے تو ابھی بھگت سنگھ سے بھی نمٹنا ہے۔ اس کے علاوہ صبح کنول اور اس کے بچوں کی خبر گیری بھی کرنی ہے اور یہ بھی پتہ کرنا ہے کہ علی کی اپیل کا کیا بنا؟''

منشی خان بولا۔ ''آپ لوگوں نے کہا تھا کہ بجرنگ دل کے خاتمے کے لئے میری مدد

کریں گے۔اس بارے میں کیا خیال ہے؟''

''ہم اپنی بات پر قائم ہیں اور کل سے اپنی تمام تر توجہ کا مرکز اسے ہی بنائیں گے۔'' امر سنگھ نے اسے یقین دلایا۔اس کے بعد وہ لوگ سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

اگلی صبح آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے تینوں پھر سر جوڑ کر بیٹھے۔امر سنگھ نے منشی خان کو تاکید کر دی تھی کہ میجر بیدی اور مالتی کو کڑی نگرانی میں رکھا جائے۔منشی خان نے اپنے ذرائع سے میجر بیدی کے کمانڈر کے نام میڈیکل سرٹیفکیٹ اور چھٹی کی درخواست بھیج دی تھی جس کے مطابق اچانک علیل ہونے کی بناء پر مذکورہ میجر اپنے ہیڈ کوارٹر باقاعدہ چھٹی کی درخواست نہیں دے سکا تھا کیونکہ وہ اتوار کی تعطیل گزارنے کے لئے جے پور آیا تھا اور یہاں اچانک بیمار پڑ گیا۔امر سنگھ کو توقع تھی کہ یہ معاملہ زیادہ دیر لٹکا نہیں رہ سکتا۔

وجے بولا۔''آخر ہم لوگ میجر بیدی کا قصہ ہی تمام کیوں نہیں کر دیتے، خواہ مخواہ خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟''

امر سنگھ نے جواب دیا۔''تھوڑے دھیرج سے کام لو وجے! مجھے تمہارے جذبات کا احساس ہے۔میرے اپنے احساسات بھی تم سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔یقیناً میجر بیدی اسی انجام کا مستحق ہے کیونکہ جب میں سوچتا ہوں کہ وطنِ عزیز کے پبلک مقامات پر مارے جانے والے بے گناہ پاکستانی ان ہی درندوں کے پروردہ غنڈوں کے ہاتھوں شہید ہوتے ہیں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ بیدی کسی قسم کے رحم کے قابل نہیں البتہ اس معاملے میں مالتی مجھے قطعی بے قصور معلوم ہوتی ہے۔میں نہیں چاہتا کہ وہ بھی بے موت ماری جائے۔بہر حال اس معاملے کو چند روز تک معرضِ التوا میں ڈال کر بھگت سنگھ کے بارے میں سوچو کہ اس کا کیا کرنا ہے؟''

منشی خان بولا۔''ابھی تو کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی۔فی الحال تو اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا ہوگا۔واقعات کا دھارا خود ہی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کرے گا۔''

امر سنگھ اور وجے وہاں سے نکل کر اپنی رہائش گاہ پر پہنچے۔وہاں پہنچے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ منے لعل آ وارد ہوا۔''آپ لوگوں کو چیف نے یاد کیا ہے، وہ آپ کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔''

امر سنگھ بولا۔''ہم لوگ شام کو آئیں گے ابھی تو سفر کی تھکاوٹ سے بُرا حال ہے۔''

منے لعل واپس چلا گیا۔وجے بولا۔''بھگت سنگھ کا بلاوا بھی خالی از علت نہیں ہے۔وہ خبیث یقیناً کسی نئی شرارت کے موڈ میں ہوگا۔''

امر سنگھ نے جواب دینے کے بجائے صرف سر ہلا دینے پر اکتفا کیا۔شام پانچ بجے وہ

لوگ بھگت سنگھ سے ملنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

بھگت سنگھ حسبِ معمول بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کا چہرہ شدید ذہنی تناؤ کا مظہر تھا۔ ان کو اپنے سامنے پڑی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ غرایا۔ ''مسٹر امر سنگھ! ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو، میں بہت ہی بُرا آدمی ہوں۔''

''وہ تمہاری شکل ہی سے ظاہر ہے۔'' امر سنگھ کے بجائے وجے بول پڑا۔ بھگت سنگھ کو غالباً اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ کسی کھٹکنے کتے کی طرح غرایا۔

''وجے! مجھ سے بات کرتے وقت اپنی اوقات مت بھولا کرو ورنہ.....''

امر سنگھ دخل اندازی کرتے ہوئے بولا۔ ''بھگت سنگھ جی! آپ اس کی باتوں کا بُرا نہ منائیں اور مطلب کی بات کریں۔''

بھگت سنگھ اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ''تم لوگوں نے صرف چند روز کا کہا تھا اور اتنے دنوں بعد واپس آئے ہو۔ اس کا کارن کیا ہے؟''

وجے پھر اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا اور بولا۔ ''بھگت سنگھ جی! اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ ہمارے بنا اتنے اداس ہو جائیں گے تو ذرا جلدی آ جاتے۔ ویسے ہماری پھرتیوں کا تو یہ عالم ہے کہ کسی کی بارات میں شامل ہونے کے لئے گھر سے نکلیں تو ولیمے پر پہنچتے ہیں۔''

بھگت سنگھ نے اس کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ غالباً اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ایسے بدتمیز آدمی کے منہ لگنا ٹھیک نہیں، البتہ امر سنگھ نے وجے کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''تم اپنی بکواس بند نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ کی جگت بازی کوئی اچھی بات تو نہیں۔ ہاں، تو بھگت سنگھ جی! آپ کی یہ بات تو صحیح ہے کہ ہم نے آپ سے چند روز کی اجازت طلب کی تھی مگر اچاریہ گنگا رام کی سورگ اتنی دلچسپیوں کی حامل ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی کافی دیر رکنا پڑا۔ پتہ نہیں آپ کبھی اچاریہ جی کی جنت میں گئے ہیں یا نہیں؟''

بھگت سنگھ بولا۔ ''میں اچاریہ اور اس کی جنت سے بھلی بھانتی واقف ہوں۔ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہاں جانے اور اتنی دیر رکنے سے تمہارا کیا مقصد تھا اور تم وہاں کیا کارنامہ انجام دے کر آئے ہو؟'' یہ سن کر امر سنگھ بُری طرح چونکا تھا۔

○.....❖.....○

باب:6

اس نے بھگت سنگھ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔ ذرا کھل کر بات کرو۔''

بھگت سنگھ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ''تم گھبرا کیوں گئے ہو۔ خاطر جمع رکھو اور میری بات کو کوئی خاص معنی مت پہناؤ بلکہ یہی سمجھو کہ مجھے تم لوگوں کی حرکتوں سے کچھ مطلب نہیں۔ میں فی الحال تمہارے کسی معاملے میں مداخلت کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے تو صرف اپنے کام سے غرض ہے اور اسی سلسلے میں تم لوگوں کو بلایا گیا ہے۔''

امر سنگھ نے اس کا یہ طویل جواب سن کر قدرے اطمینان کا سانس لیا۔ ''ہاں اب ہم لوگ پوری توجہ اس کام پر مرکوز کریں گے بلکہ یوں سمجھو کہ ہم کامیابی کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں۔''

بھگت سنگھ کوئی جواب دیئے بنا چند ثانئے اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا تبھی الفاظ چباتے ہوئے بولا۔ ''امر سنگھ! اگرچہ بار بار کی دھمکیاں دینا مجھے پسند نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہا۔ آج سترہ ستمبر ہے اور یکم اکتوبر کو بجرنگ دَل کی ''ورش گانٹھ'' سالگرہ ہے اور غالباً اس سے ایک دو روز پہلے تم لوگوں کی قربانی والی عید ہے۔ کل ہماری تنظیم کی کمانڈ کونسل کا اجلاس ہوا تھا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ پانچویں سالگرہ کے دن ہی ''جنم اشٹمی'' کا شبھ تیوہار ہونے کے کارن اس بار یہ تقریب خصوصی اہمیت کی حامل ہونی چاہئے اس لئے اس شبھ گھڑی پر ''بجرنگ بلی'' کے چرنوں میں منشی خان کا بلیدان دیا جائے گا اور بعد میں اسی کے خون سے مہادیو کو اشنان بھی دیا جائے گا۔ اس لئے تمہیں اس سے پہلے ہی منشی خان کو ہمارے حوالے کرنا ہوگا۔''

یہ حکایتِ خونچکاں سن کر ایک بار تو وہ دونوں سناٹے میں آ گئے تھے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد امر سنگھ دھیرے سے بولا۔ ''لیکن بھگت سنگھ یہ تو بہت ہی کم سمے ہے، یہ تو

ہمارے ساتھ زیادتی ہے۔''

مگر بھگت سنگھ کا لہجہ اٹل تھا۔ ''نہیں تم لوگوں کو ہم نے اس کام کے لئے معقول وقت مہیا کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ تم نے شروع میں کافی سے اپنی مصلحتوں کی بناء پر ضائع کیا ہے۔ اب ہم زیادہ دیر کے متحمل نہیں ہو سکتے اور اس ڈیڈ لائن میں مزید توسیع ممکن نہیں رہی۔ تمہیں یہ کام اسی محدود مدت میں مکمل کرنا ہوگا۔''

امر سنگھ بولا۔ ''لیکن اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام رہے تو.....''

بھگت سنگھ کا انداز بڑی حد تک طنزیہ تھا۔ ''تو..... لکشمی اور اس کے بچے تو اپنے انجام کو پہنچیں گے ہی..... تم بھی واپس پاکستان نہیں جا پاؤ گے۔ ہم اتنے بے بس بھی نہیں کہ تم ہمیں غچہ دے کر غائب ہو جاؤ۔''

اب امر سنگھ نے مزید بحث مناسب نہ سمجھی۔ ''اچھا، ہم لوگ اپنی سی کوشش تو کریں گے۔'' لیکن بھگت سنگھ آج کسی رعایت کے موڈ میں نہیں تھا۔

''کوشش نہیں مجھے مثبت نتیجہ چاہئے۔ میرے شبد کوش (ڈکشنری) میں کامیابی یا ناکامی کے سوا کوئی تیسرا لفظ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی عذر یا تاویل مجھے متاثر کر سکتی ہے۔ اب تم لوگ جا سکتے ہو۔''

واپس جاتے ہوئے وجے نے کہا۔ ''آج تو حرامخور نے چائے تک کا بھی نہیں پوچھا۔''

امر سنگھ اسے قہر آلود نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا۔ ''چائے پر لعنت بھیجو صرف یہ سوچو کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔''

وجے نہایت سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر آپ میرا مشورہ مانیں تو چل کر منشی خان سے کہتے ہیں کہ بھائی چل کر بھگت سنگھ کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لے اور اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں سے آئندہ کے لئے توبہ کر لے یا کچھ دے دلا کر معاملہ رفع کروا لے۔ اس معاملے میں ہم لوگ بھی بھگت سنگھ سے منشی کی سفارش کر دیں گے۔ مجھے یقینِ واثق ہے کہ بھگت سنگھ جیسا مہاپورش اسے معاف کر دے گا۔''

یہ کہہ کر وہ داد طلب نگاہوں سے امر سنگھ کو دیکھنے لگا گویا اس نے کوئی معرکے کی تجویز پیش کر دی ہو لیکن امر سنگھ نے اس کی اس ساری بکواس پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنی نگاہیں ونڈ اسکرین کے پار جمائے رکھیں۔ وجے کو اپنی اس معرکتہ الآرا تجویز کی ناقدری پر کافی افسوس ہوا تھا۔

○.....❖.....○

کچھ دیر بعد وہ لوگ لکشمی کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اس کے گھر پہنچ گئے تھے۔ اندر داخل ہوئے تو گھر کے مکینوں کی آنکھوں میں زندگی کے چراغ جل اٹھے تھے۔ کمال الدین اور کنول کے ساتھ کرن اور عمر کے مرجھائے ہوئے چہروں پر آس کی رمق پیدا ہوگئی تھی۔ کرن بولی۔

''انکل! میں تو سمجھی تھی اب آپ لوگ کبھی واپس نہیں آئیں گے بالکل ہمارے ابو کی طرح سے۔'' بچی کی معصوم باتوں نے انہیں آبدیدہ کر دیا تھا۔ کنول بھی بچی کی تائید کرتے ہوئے بول اٹھی۔

''وجے بھیا! کرن صحیح کہہ رہی ہے، ہم سب کا خیال تھا کہ آپ لوگ ہمیشہ کے لئے چلے گئے ہیں اور آپ ایسا کرنے میں حق بجانب بھی ہوتے۔ آخر آپ نے سارے جہان کے درد دور کرنے کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا۔ آپ لوگوں نے پہلے ہی ہمارے ساتھ جس ہمدردی کا مظاہرہ کیا ہے ہم تو اس کا بدلہ دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں اور غالباً کبھی ہوں گے بھی نہیں۔''

امر سنگھ قدرے شکایتی لہجے میں بولا۔ ''لکشمی بہن! شاید آپ کو ابھی تک انسانوں کی پہچان بھی نہیں آئی وگرنہ ایسی تلخ و ترش باتیں ہرگز نہ کرتیں۔ ہم لوگ اپنی زبان سے نکلے الفاظ کو نبھانے کی خاطر کہاں تک جا سکتے ہیں تمہیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں۔ ہماری زندگیوں کا تو مقصد ہی یہی کچھ رہ گیا ہے بلکہ یہ کہنا شاید اتنا نامناسب ہرگز نہیں ہوگا کہ ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغ ندامت۔ بہر حال آپ یہ بتائیں کہ علی کا کیا بنا؟''

لکشمی کے لہجے میں افسردگی کا عنصر غالب تھا۔ ''بھیا! وہی تو بتانے جا رہی ہوں۔ پرسوں وکیل صاحب آئے تھے ان کا کہنا ہے کہ آئندہ پندرہواڑے میں لازماً اپیل کا فیصلہ ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنے ذرائع سے دہلی سے پتہ کروایا ہے۔ راشٹر پتی بھون میں موجود ان کے کسی آدمی نے بتایا ہے کہ راشٹر پتی جی نے رحم کی اپیل خارج کر دی ہے لیکن اس کی باقاعدہ اطلاع آئندہ دو ہفتوں میں ملے گی۔ اس وجہ سے ذہن اور زبان پر قابو نہیں رہا اور اسی کیفیت کے زیر اثر نہ جانے میں آپ سے بھی کیا کچھ کہہ گئی ہوں۔''

یہ سن کر وجے اور امر سنگھ کو ایک لمحے کے لئے زمین گھومتی محسوس ہوئی تھی لیکن تبھی وجے سنبھل کر بولا۔ ''کنول بہن! یہ وکیل لوگ نری بکواس کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں نے سچ بولنا تو سیکھا ہی نہیں ہوتا۔ جس ملزم کو یقینی سزا ہونے والی ہو اسے آخری لمحے تک جھانسا دیتے

رہتے ہیں کہ تم بری ہو جاؤ گے۔ بھلا ایسے لوگوں کی کسی بے بنیاد بات پر دل چھوٹا کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟'' اس کی باتوں سے گھر والوں کو تھوڑی سی ڈھارس بندھی تھی۔ بچوں کو پیار کرنے کے بعد وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

''امر سنگھ جی! حالات کچھ زیادہ ہی دگرگوں ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ ایک طرف بھگت سنگھ نے ایک ہفتے کا الٹی میٹم دیا ہے تو دوسری طرف علی کا معاملہ بھی تیزی سے اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میجر بیدی کا معاملہ اس پر مستزاد ہے۔''

امر سنگھ نے بھی سر ہلا کر اس کی تائید کی۔ اس کے چہرے پر بھی تشویش صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ رات گئے تک آوارہ گردی کرنے کے بعد وہ منشی خان کے ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوئے اور بھگت سنگھ سے ہونے والی تمام گفتگو سے اسے آگاہ کیا اور علی کے بارے میں بھی تازہ ترین معلومات اسے بہم پہنچائیں۔ امر سنگھ نے منشی خان سے دریافت کیا کہ میجر بیدی اور مالتی کس حال میں ہیں؟ منشی خان نے جواب دیا۔

''انہیں کل ہی جے پور سے چالیس میل دور ''سوجت سٹی'' نامی قصبے میں منتقل کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ اڈہ ابھی تک بھگت سنگھ کے گروہ کی نظروں سے محفوظ رہا تھا۔'' ویسے بھی منشی خان نے انتہائی حساس ادارے کے ایک اعلیٰ افسر کو جے پور کے ٹھکانے پر رکھنے کا رسک نہیں لیا تھا۔ ابھی ان کی بات چیت جاری تھی کہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے ایک ملازم نے آ کر منشی خان کے کان میں کچھ کہا۔ منشی خان ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ملازم سے بولا۔

''ٹرانسمیٹر یہیں لے آؤ میں خود بات کرتا ہوں۔'' فوراً ہی شارٹ رینج وا کی ٹا کی حاضر کر دیا گیا۔ منشی خان کچھ دیر بات کرتا رہا اور آخر میں بولا۔

''پوری کوشش کرو ان لوگوں کو بچ کر نہیں نکلنا چاہئے۔'' بات چیت ختم کرنے کے بعد فکر مند لہجے میں بولا۔ ''امر سنگھ جی! بڑی بُری خبر ہے۔ سوجت سٹی والے میرے اڈے سے میجر بیدی اور مالتی ہمارا ہی ایک ٹرک لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اگرچہ میرے آدمی ان کا پیچھا کر رہے ہیں لیکن صورتِ حال گھمبیر ہو گئی ہے۔ میجر بیدی کے ٹرک کا رخ ''ناگور'' کی جانب ہے اگر وہ لوگ شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو غضب ہی ہو جائے گا۔''

امر سنگھ بولا۔ ''کیا خیال ہے وہ لوگ دوبارہ قابو میں آ جائیں گے؟''

منشی خان کسی قدر تذبذب سے بولا۔ ''امید تو ہے لیکن یقین سے کیا کہا جا سکتا ہے۔ مجھے تو ان کے فرار پر بھی حیرانی ہو رہی ہے۔ وہاں سے آج تک کوئی بچ نکلنے میں کامیاب نہیں

ہوا تھا۔

''وجے بولا۔'' کیا ہم لوگ یہیں بیٹھے قیاس کے گھوڑے دوڑائیں گے یا ہمیں بھی وہاں چلنا ہوگا؟''

منشی خان نے جواب دیا۔''اس وقت ہمارا وہاں جانا زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمارے وہاں پہنچنے سے قبل ہی اونٹ کسی کروٹ بیٹھ چکا ہوگا۔''

البتہ منشی خان کا ریڈیائی رابطہ اپنے آدمیوں سے مسلسل قائم تھا اور ایک ایک لمحے کی رپورٹ موصول ہو رہی تھی۔ تبھی پیغام آیا کہ ٹرک کا پتہ چل گیا ہے وہ اس وقت سوجت روڈ سے تقریباً بیس میل آگے ناگور کی طرف بڑھ رہا ہے۔ غالباً وہ راستے میں کہیں خراب ہو گیا تھا۔ ورنہ ان لوگوں کو اب تک بہت دور نکل جانا چاہئے تھا۔ منشی کے آدمیوں کی جیپ ان کے کافی قریب پہنچ گئی تھی لیکن تبھی اطلاع ملی کہ ٹرک سے اسٹین گن کی گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی ہے جس سے منشی خان کے دو آدمی جاں بحق اور جیپ تقریباً ناکارہ ہو گئی تھی لیکن اسی دوران دوسری طرف سے منشی کے آدمیوں کا ایک ٹرک اور جیپ آ گئے تھے جس کی وجہ سے بیدی اور مالتی کے لئے فرار کا راستہ مسدود ہو گیا۔ کیونکہ پچھلی جانب تباہ شدہ جیپ نے سڑک بند کر رکھی تھی اور ارد گرد ویسے ہی پہاڑیاں تھیں جس وجہ سے بیدی اور مالتی کو ٹرک چھوڑ کر پیدل بھاگنا پڑا تھا لیکن درجن بھر سے زائد منشی کے ماتحت شکاری کتوں کی طرح ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ دونوں کی حالت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ وہ مزاحمت بھی نہیں کر پائے تھے حالانکہ بیدی کے پاس اسٹین گن کی گولیوں کا ایک پورا بیلٹ موجود تھا۔

ان کی گرفتاری کی خبر سن کر تینوں کے چہروں کی رونق لوٹ آئی تھی۔ منشی خان نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ لوگ ان دونوں کو لے کر قریب ترین ٹھکانے پر پہنچ جائیں کیونکہ اتنی فائرنگ وغیرہ کے بعد یہ مناسب نہیں تھا کہ انہیں جے پور آنے کا کہا جاتا۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ پولیس اور آر اے سی (RAC) کی ٹکڑیوں نے قرب و جوار کے تمام علاقے کی ناکہ بندی کر رکھی ہوگی۔ انہوں نے بھی وہ دن جے پور ہی میں گزارا تا کہ پولیس کی چوکسی میں کچھ کمی آ جائے تو باہر نکلیں۔

اگلے روز وہ لوگ ''مکرانہ'' پہنچ گئے تھے جہاں منشی کے اڈے میں بیدی اور مالتی بند تھے۔ یہ بظاہر بھیڑ بکریاں پالنے کا فارم تھا جو کافی وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف خاردار تار لگا کر اسے کافی محفوظ بنا دیا گیا تھا۔ جب وہ تینوں ایک چھوٹے سے کمرے

میں داخل ہوئے تو سامنے کرسیوں پر مالتی اور بیدی کو رسیوں سے بندھا ہوا نڈھال حالت میں موجود پایا۔ انہیں دیکھتے ہی مالتی کی نگاہوں میں شدید نفرت کے آثار نمودار ہوئے اور نفرت کے اظہار کے لئے اس نے فرش پر تھوک دیا۔ وجے نے ہمت کر کے اسے مخاطب کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کی نگاہوں کے کڑے تیور دیکھ کر اپنے اندر حوصلہ نہ جٹا پایا۔ ویسے وہ مالتی کی ذہنی کیفیت کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ بظاہر اس وقت بھی ایک خوفزدہ لڑکی تھی لیکن اس وقت وہ ڈرپوک لڑکی بیدی سے کہیں نڈر محسوس ہو رہی تھی۔ البتہ بیدی کی حالت بڑی ہی قابلِ رحم تھی اور تھوڑی دیر بعد امر سنگھ کے اشارے پر مسلح محافظ کرسی سمیت مالتی کو گھسیٹ کر دوسرے کمرے میں لے گیا۔ امر سنگھ نے بیدی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''میں جو کچھ پوچھوں گا اس کا جواب درست دے سکے تو شاید تمہاری موت قدرے آسان ہو جائے۔''

جواب میں بیدی نے نہایت غلیظ گالی دیتے ہوئے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ امر سنگھ وجے اور منشی خان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''میرا خیال ہے میجر بیدی پر وقت ضائع کرنا مناسب نہیں مجھے لگ رہا ہے کہ ہم اس سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکیں گے۔ اس لئے اس کی مزید زندگی ہماری موت کا سبب بن سکتی ہے، اس لئے بہتر ہے اسے فوراً ختم کر دیا جائے۔''

یہ سن کر بیدی کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور اپنی ساری اکڑفوں بھول کر وہ منت سماجت پر اتر آیا تھا اور رحم کی بھیک مانگنے لگا تھا۔ اس کی حالت سے وجے بڑی حد تک متاثر بھی ہوا اس لئے امر سنگھ کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ امر سنگھ غالباً اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

''وجے! میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو لیکن میجر بیدی کا جرم اتنا سنگین ہے کہ اسے معاف کرنا خارج از امکان ہے۔ تمہیں احساس ہے پچھلے چند سالوں میں لاتعداد پاکستانیوں کا خون کس کے سر ہے اور کون تخریب کاروں کو مسلح کر کے وہاں بھیجتا ہے۔ ان ہزاروں معصوم افراد کا خون بیدی اور اس جیسے دوسرے افراد کی گردن پر ہے اور ان پر رحم کرنا بدترین ناانصافی ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا ابرہام لنکن نے بیدی اور اس کے ساتھیوں ہی کے لئے کہا تھا کہ اس آدمی نے پہلے اپنے ماں اور باپ دونوں قتل کیا اور جب اس جرم میں اس شخص کو سزائے موت سنائی گئی تو اس آدمی نے اس بنیاد پر عدالت سے رحم کی درخواست کی کہ چونکہ وہ یتیم ہے اس لئے اسے معاف کر دیا جائے۔''

اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے، ایک دوسرے کمرے میں آ کر بیٹھتے ہوئے منشی خان نے پوچھا۔ ''آپ لوگوں کے خیال میں اس لڑکی اور میجر کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جانا چاہئے۔''

امر سنگھ کا جواب قطعی اور اٹل تھا۔ ''میجر بیدی کو کل صبح ہونے سے پہلے موت کے گھاٹ اتار دو البتہ اس سے پہلے اسے کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائی جائے اور بعد میں بھی اس کی لاش کی تشہیر کرنے کی ضرورت نہیں کسی ویران جگہ گڑھا کھود کر اسے دبا دینا ہی مناسب ہوگا۔ البتہ مالتی کو تب تک قید میں رکھنا ناگزیر ہے جب تک ہم لوگ بجرنگ دَل یا بجرنگ دَل ہم لوگوں سے نپٹ نہیں لیتا۔ تب تک اس کو رہا کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔''

وجے اور منشی نے اس بات سے کسی قسم کا اختلاف ظاہر نہ کیا۔ چائے پینے کے دوران منشی خان بولا۔ ''اب آپ لوگوں کی آئندہ حکمت عملی کیا ہوگی؟''

امر سنگھ تھوڑی دیر اسے غور سے دیکھتا رہا تبھی فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ''منشی خان جی! میرا خیال ہے ایک بار آپ کو اغوا ہو کر بھگت سنگھ کی تحویل میں جانا پڑے گا۔ اس کے سوا کوئی راستہ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔''

منشی کی آواز تحمل اور بُردباری سے مزین تھی۔ ''وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اس معاملے کے سبھی پہلوؤں کو مدِنظر رکھنا ہوگا یہ نہ ہو کہ ہم لوگ رضاکارانہ طور پر اغوا ہو کر ایسے پھنس جائیں کہ بعد میں وہاں سے جان چھڑانا ہی مشکل ہو جائے۔''

وجے خاموشی سے گفتگو سن رہا تھا۔ امر سنگھ اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''تم خاموش کیوں ہو، اپنی رائے کیوں نہیں دیتے؟''

وجے ایک لمبی جماہی لیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے فی الحال مفت مشورے بانٹنا چھوڑ رکھا ہے۔ آپ لوگ جو بھی فیصلہ کریں گے مابدولت اس کی اندھی تقلید کریں گے اگرچہ آنکھیں بند کر کے کسی کی تقلید کرنا کوئی مستحسن بات نہیں لیکن کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ایسا کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔''

امر سنگھ اس کے اس طویل مگر لغو جواب پر برا سا منہ بنا کر بولا۔ ''خواہ مخواہ افلاطون مت بنو۔ ویسے بھی یہ سنجیدگی تمہارے چہرے پر اچھی نہیں لگتی۔ بہرحال آؤ میں تم دونوں کو آئندہ کے بارے میں کچھ بریف کرتا ہوں۔'' اس کے بعد وہ تینوں ایک گھنٹے سے زائد تک بجرنگ دَل اور اس کے چیف بھگت سنگھ کے بارے میں گفتگو کرتے رہے اور کافی بحث و تمحیص کے بعد آئندہ کے لائحہ عمل کو ٹھوس شکل دینے میں کامیاب ہو گئے۔

اگلی صبح ان دونوں کو بتایا گیا کہ گزشتہ رات میجر بیدی کو سوتے میں ایک انجکشن لگا کر نسبتاً آرام دہ موت کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ سن کر کچھ دیر کے لئے وجے کو رنج اور افسوس کا شدید احساس ہوا کیونکہ کسی بھی انسان کی موت خوشگوار ردِعمل کا باعث نہیں بن سکتی جبکہ وجے وغیرہ نے تو بیدی کی معیت میں چند اچھے دن گزارے تھے۔ اس کے بعد وہ تینوں جے پور میں منشی کے ٹھکانے پر پہنچ گئے اور بنا کپڑے تبدیل کئے وہ بھگت سنگھ کے حضور پہنچ گئے تھے۔ محافظوں نے فوراً ہی انہیں بھگت سنگھ کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے انہیں دیکھ کر کچھ تعجب کا اظہار کیا تھا۔

''امر سنگھ جی! خیریت تو ہے؟ آج پہلی مرتبہ میرے طلب کرنے کے بغیر آپ یہاں پدھارے ہیں۔ آپ لوگوں کے ارادے کچھ نیک نظر نہیں آتے۔''

امر سنگھ نے کہا۔''فی الحال تو ہمارے ارادے نیک ہی ہیں، تم نے ہمارے ذمہ منشی والا کام لگایا تھا اسی سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔''

بھگت سنگھ پُر اشتیاق نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔''آپ لوگ تشریف رکھیں نا، اطمینان سے بیٹھ کر مجھے بتائیں کہ یہ معاملہ کہاں تک آگے بڑھا ہے؟'' وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئے۔

''بھگت سنگھ جی! ہم نے منشی کو اغوا کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے اور ہمیں قوی امید ہے کہ اپنے مقصد میں کامیاب رہیں گے۔'' بھگت سنگھ کی باچھیں مزید کھل گئی تھیں۔''بھگت جی! ہم منشی کو عین عید کے روز ہی اغوا کریں گے۔'' بھگت سنگھ کا انداز غیر یقینی سا تھا۔

''لیکن آخر کیسے؟ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ منشی اتنا تر نوالہ نہیں ہے۔ ورنہ اب تک ہم خود اسے جہنم رسید کر چکے ہوتے۔ بہر حال اگر تمہارے ذہن میں کوئی قابلِ عمل اور ٹھوس منصوبہ ہو تو تبھی اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔''

امر نے اسے یقین دلایا کہ یہ سب کچھ اتنی صفائی سے ہو گا کہ ناکامی کے امکانات نفی کے برابر ہیں۔ اس کے بعد تو بھگت سنگھ ہمہ تن گوش ہو گیا تھا اور وہ دونوں اسے اپنی حکمتِ عملی سے آگاہ کرنے لگے۔

اگلے دو روز نسبتاً خاموشی سے گزرے تھے۔ صرف ایک بار امر سنگھ منشی سے ملنے گیا تھا یا کچھ دیر کے لئے بھگت سنگھ نے انہیں طلب کیا تھا اور امر سنگھ کے ساتھ علیحدگی میں کافی دیر تک گفت و شنید کی تھی جس میں منشی کے اغوا کی تمام تر تفصیلات طے کی گئی تھیں۔ فیصلہ ہوا تھا کہ بجرنگ دَل کے بیس ''رام سیوک'' بمعہ پانچ گاڑیوں کے امر سنگھ کے ڈسپوزل پر ہوں گے اور

وہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔ عیدالضحیٰ 28 ستمبر کی تھی اور اسی روز یہ آپریشن انجام دیا جانا تھا۔ اس مہم کا کوڈ نام ''آپریشن یوٹرن'' طے پایا تھا۔

28 ستمبر کو اتوار کا دن تھا۔ امر اور وجے علی الصبح تیار ہو گئے تھے۔ ناشتے کے دوران وجے بولا۔ ''گرو دیو! بھگت سنگھ بڑی حرامی شے ہے۔ مجھے نہیں امید کہ ہم اسے چکر دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑا کر شاید ہم زیادہ دانشمندی کا ثبوت نہیں دے رہے۔'' اس نے یہ بات محض امر سنگھ کو چڑانے کے لئے کی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ عجیب وغریب شخص بڑی سے بڑی بات پر خوش نہیں ہوتا تھا لیکن چھوٹی سی بات پر ناراض ہو جانا اس کی عادت تھی۔

حسبِ توقع اس وقت بھی اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے۔ ''وجے! یاد رکھو کہ سچائی ہمیشہ مؤثر ہوتی ہے اگرچہ یہ کثیر نہیں ہوتی۔ ویسے اگر تمہارا ذہن اس بارے میں واضح نہیں تو تم اس وقت بھی اس معاملے سے الگ ہو سکتے ہو۔''

وجے کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے بولا۔ ''استاد جب تک تم سے تھوڑی سی جھاڑ نہ پڑ جائے تو خاکسار کی تسلی ہی نہیں ہوتی اور اب جبکہ یہ کوٹا پورا ہو گیا ہے تو میں قطعی نارمل ہو گیا ہوں۔ اب ذرا جلدی کرو ہم نے عید کی نماز منشی خان کے ہمراہ چاند پول گیٹ کے باہر والی جامع مسجد میں ادا کرنی ہے۔''

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ تیار ہو کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے عام طور پر وہ قیام بھارت کے دوران شعائرِ اسلامی کو کھلے روپ سے ادا کرنے سے گریز ہی کیا کرتے تھے کیونکہ وہ وہاں ہندو بن کر رہ رہے تھے اور نماز روزے کی کھلے عام ادائیگی انہیں کئی مسائل سے دوچار کر سکتی تھی۔ مگر اس روز طے شدہ منصوبے کے مطابق وہ نماز عید کی ادائیگی کے لئے گھر سے نکلے تھے۔ عید نماز کا وقت ساڑھے آٹھ بجے تھا مگر وہ پونے آٹھ بجے کے لگ بھگ ہی مسجد میں پہنچ گئے تھے۔

ابھی مسجد میں صرف چند افراد ہی موجود تھے اور مولوی صاحب بھی قدرے بے ربط انداز میں وعظ میں مصروف تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد سب سے آخری صف میں داخلے کے دروازے کے قریب ہی بیٹھ گئے تھے۔ امر سنگھ نے بیٹھنے کے بعد ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں تو اسے محسوس ہوا کہ طے شدہ پلان کے عین مطابق بجرنگ دَل کے پندرہ افراد نے آخری صف پر قبضہ جما رکھا تھا اور وہ متعصب اور جنونی ہندو سفید لباس میں ملبوس یوں انہماک سے تقریر سننے میں مصروف تھے گویا وعظ کا ایک لفظ بھی سننے سے رہ گیا تو قیامت ہی آ جائے

گی۔ امر سنگھ نے مخصوص سگنل کے ذریعے اپنی شناخت کرائی تو دوسری طرف سے بھی ایسا ہی کیا گیا۔

ویسے تو مسجد کے باہر کے دروازے کے بائیں ستون پر چاک کے مخصوص نشان کے ذریعے ہی ابتدائی شناخت ہوگئی تھی جو اس بات کا مظہر تھی کہ فی الحال خطرے کی کوئی بات نہیں اور ''آپریشن یوٹرن'' اپنے طے شدہ خطوط کے مطابق پایہ تکمیل کو پہنچا دیا جائے گا۔ اسی دوران ان پندرہ افراد میں سے درمیانی قد و قامت کا ادھیڑ عمر شخص ان کی طرف بڑھا اور ان دونوں سے مصافحہ کرنے کے بعد ان کے درمیان گھس کر بیٹھ گیا۔ وجے کو اس کی اس بدتمیزی پر تاؤ تو بہت آیا مگر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا کیونکہ اسے علم تھا کہ یہ بھی شناختی عمل کا ایک حصہ ہے۔ وہ آدمی بیٹھنے کے بعد دھیرے سے بولا۔

''امر بابو! ہم لوگ پوری طرح سے تیار ہیں۔ کوئی نیا حکم ہو تو بتا دیں۔ ویسے ہمارے چار آدمی مسجد کے چاروں کونوں میں سب مشین گنوں کے ساتھ پوزیشن سنبھالے ہوئے ہیں۔ بوقتِ ضرورت استعمال کے لئے باہر موجود آدمیوں کے پاس ہینڈ گرنیڈ بھی معقول مقدار میں ہیں۔ جبکہ باہر چار گاڑیاں اور دو ٹرک بھی بکھری ہوئی حالت میں موجود ہیں جن کے ڈرائیور پوری طرح چوکس اور مستعد ہیں۔ اب آپ ہمیں مزید گائیڈ کریں۔''

وجے اور امر سنگھ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وجے نے تو خاموش رہنا ہی مناسب جانا۔ البتہ امر سنگھ نے اسے کہا۔

''تھوڑی دیر بعد منشی خان بھی آ جائیں گے۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ انہیں اسی صف میں اپنے ساتھ بٹھاؤں۔ اس کے بعد نماز کی پہلی رکعت میں دوسرے سجدے کے دوران سارا کام انجام دینا ہے۔ تم لوگوں کی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ اس صف کے اردگرد کوئی غیر متعلقہ شخص نہ بیٹھ پائے۔'' اس کے بعد وہ آدمی اٹھ گیا تھا اور وہ وعظ سننے میں مصروف ہو گئے تھے۔ البتہ ان کی نظریں بار بار اپنی کلائی پر بندھی گھڑیوں پر جاتی تھیں۔

آٹھ بج کے چھبیس منٹ پر منشی خان نمودار ہوا تھا۔ آج اس کے ساتھ صرف دو آدمی تھے۔ امر سنگھ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور تیزی سے ان کے استقبال کو لپکا تھا اور بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا تھا۔ اسے دیکھ کر منشی خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ امر سنگھ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے زبردستی اپنے پاس لے آیا تھا اور بیٹھنے کی پیشکش کی۔ منشی نے بھی بیٹھنے میں زیادہ تامل کا مظاہرہ نہ کیا۔ وہاں جگہ محدود ہونے کی بنا پر اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو اگلی صف میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے (جو غالباً اس کے باڈی

گارڈ تھے) کچھ پس و پیش کا اظہار کیا لیکن اپنے باس کی حکم عدولی کی ہمت ان میں نہیں تھی۔ اس لئے بادلِ نخواستہ آگے بڑھ کر اگلی قطار میں بیٹھ گئے۔ مسجد میں موجود اکثر نمازیوں کی خواہش تھی کہ منشی خان سب سے اگلی صف میں بیٹھے لیکن اس نے سب سے معذرت کر لی تھی۔ جے پور کے تمام مسلمان اسے دل سے چاہتے تھے اس لئے اکثر لوگ اٹھ کر عقیدت مندانہ انداز میں اس ۔سے ہاتھ ملا رہے تھے اور وجے اس نامی بدمعاش کی اس پذیرائی پر حیران ہو کر یہ سوچ رہا تھا کہ شہرت اور بدنامی میں تمیز کرنا خاصا کٹھن کام ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ امر سنگھ نے کھڑے ہوتے ہوئے بجرنگ دَل کے آدمیوں کی طرف نظر دوڑائی اور نگاہوں ہی میں انہیں فائنل راؤنڈ کی تیاری کے احکامات صادر کر دیئے تھے۔ قیام اور رکوع کے بعد جب وہ لوگ سجدے میں گئے تو ایک بار تو امر سنگھ کا ارادہ بھی کچھ متزلزل ہو گیا تھا کہ نماز جیسے مقدس فریضے کے دوران اس کی مجوزہ حرکت کس حد تک مناسب ہے لیکن یہ لمحاتی سوچ تھی۔ شاید اب سوچنے کا وقت گزر چکا تھا اور کچھ کر گزرنے کا سمے آن پہنچا تھا۔ جوں ہی دوسرے سجدے کے لئے سب لوگ زمین بوس ہوئے وہ تڑپ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنے پیچھے کھڑے بھگت سنگھ کے آدمی کے ہاتھ سے جلدی سے ایک سوتی چادر پکڑی تھی اور سجدہ ریز منشی خان کے سر پر ڈال دی تھی۔ چادر غالباً پوری طرح سے کلورو فارم میں بھیگی ہوئی تھی۔ کلورو فارم کی مقدار اس قدر زیادہ تھی کہ منشی خان کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہونے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔ امر سنگھ نے فوراً اسے اپنے کندھوں پر ڈالا اور مسجد سے باہر نکل گیا۔ وجے نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ ان کے ساتھ ہی پوری پچھلی صف کے نمازی غائب ہو گئے تھے۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں وقوع پذیر ہوا تھا اور اگلی صفوں میں موجود نمازیوں کو اس کی شاید بھنک تک بھی نہیں پڑی تھی۔ بجرنگ دَل کے کارکن جو پچھلی صف کو گھیرے ہوئے تھے، باہر نکل کر مختلف سمتوں میں بکھر گئے تھے۔

یہ سارا کھیل غالباً تیس سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں مکمل ہو گیا تھا۔ امر سنگھ نے منشی خان کو اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر دھکیلا اور وجے نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ چند ثانیوں میں وہ مسجد سے کافی دور نکل آئے تھے۔ گاڑی کا رخ اب بجرنگ دَل کے ہیڈ کوارٹر کی طرف تھا۔ وجے نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو خطرے کی کوئی بات نظر نہ آئی۔ بھگت سنگھ کے آدمی ایک کار اور ٹرک میں غالباً ان کی حفاظت کے لئے پیچھے آ رہے تھے۔ تقریباً 20 منٹ بعد ان کی گاڑی ہیڈ کوارٹر کا مرکزی گیٹ کراس کر رہی تھی، ان کے پیچھے ٹرک بھی اندر آیا تھا۔ البتہ بجرنگ دَل کے دیگر افراد شاید کسی دوسری طرف نکل گئے تھے اس لئے نظر نہیں آ رہے تھے۔ اندر موجود

محافظ نے گاڑی کا دروازہ کھول کر منشی خان کو اٹھایا اور اندر لے گیا۔ امر سنگھ اور وجے بھی اس کے پیچھے ہال نما کمرے میں داخل ہوئے جہاں بھگت سنگھ خوشدلی سے مسکراتا ہوا موجود تھا۔

''آیئے آیئے، امر سنگھ جی! آپ کو اس شاندار کامیابی پر میری طرف سے مبارک باد۔ یقیناً آپ نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔''

اس عرصہ میں محافظ نے منشی خان کو بڑی میز پر پٹخ دیا تھا اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ امر اور وجے بلاتکلف کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے لیکن بھگت سنگھ پاس کھڑا غور سے منشی خان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ مسرت اور فخر کے بے پایاں احساس نے اس کی آنکھوں کو روشن کر رکھا تھا۔ اسے غالباً محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ کمرے میں اس کے اور منشی خان کے علاوہ بھی کوئی ہے۔

وجے نے کسی قدر لئے میں کہا۔ ''بھگت سنگھ جی! منشی خان کو بعد میں دیکھتے رہئے گا یہ تو اب آپ ہی کی ملکیت ہے۔ ذرا ادھر بھی توجہ دیں آخر ہم بھی تو پڑے ہیں۔''

بھگت سنگھ کی محویت میں تھوڑا سا فرق آیا اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''وجے بابو! آج میں واقعی بہت خوش ہوں۔ آپ کو اس کے شایانِ شان صلہ بھی دیا جائے گا۔'' اس کے ساتھ ہی کمرے میں منا لعل داخل ہوا اور بھگت سنگھ کو پرنام کر کے مؤدب کھڑا ہو گیا۔ بھگت سنگھ نے اسے مخاطب کیا۔ ''منے لعل! اس راکھشش کو بے ہوشی کا ایک اور ٹیکہ لگا دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خبیث ہوش میں آ جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یقیناً ایک بڑا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔'' اس کا واضح اشارہ منشی کی طرف تھا۔ اس کے لہجے میں چھپی ہوئی خوف آمیز نفرت پوری طرح عیاں تھی۔

منے لعل باہر نکلا اور چند لمحوں بعد ہاتھ میں سرنج پکڑے ہوئے ایک ڈاکٹر نما شخص اندر داخل ہوا جس نے بڑی احتیاط کے ساتھ سوئی منشی خان کے بازو میں اتار دی۔ اس کے بعد وہ ڈاکٹر تو باہر نکل گیا البتہ منا لعل وہیں بیٹھ گیا۔ اب بھگت سنگھ پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھا۔ اس دوران پُرتکلف چائے بھی آ گئی تھی۔ چائے پیتے ہوئے امر سنگھ بولا۔

''بھگت سنگھ! اب ہمیں اجازت دو ہم نے وعدے کے مطابق اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔''

بھگت سنگھ جواب میں کچھ نہ بولا البتہ اس کی نگاہوں کا مرکز وہی دونوں تھے۔ ''وجے اور امر سنگھ جی! آپ تو یقیناً اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے ہیں لیکن آخر میری بھی تو کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں بہرحال پورا کرنا ہو گا۔'' بھگت سنگھ نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی لیکن

اس ادھورے پن میں بھی وجے کو بہت کچھ پنہاں محسوس ہوا۔ اس کے ذہن میں کئی اندیشوں نے سر ابھارا لیکن فی الحال یہ خدشات ہی تھے اور ان کی تصدیق ہونا ابھی باقی تھی۔ کافی دیر کمرے میں سکوت طاری رہا پھر امر سنگھ نے خاموشی توڑی۔

''بھگت جی! اب آپ لوگ منشی کے ساتھ کیا سلوک روا رکھیں گے؟'' جواب میں بھگت سنگھ کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''ارے بھائی! آپ لوگ کیوں فکرمند ہو رہے ہیں۔ ہم انتہائی مہذب دشمن ہیں منشی خان پر معمولی سا تشدد بھی نہیں ہوگا۔ ویسے اس وقت بجرنگ دَل کی کمانڈ کونسل اجلاس میں ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں پتہ چل جائے گا کہ اس کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ تب تک آپ لوگ بھی انتظار کریں۔'' امر سنگھ جواب میں کچھ نہ بولا۔ بھگت سنگھ ابھی تک خود کلامی میں مصروف تھا۔ ''مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ منشی خان اس آسانی کے ساتھ ہمارے قابو میں آ گیا ہے۔'' کچھ دیر بعد باہر سے ایک خدمت گار اندر داخل ہوا اور کاغذ کی ایک چٹ بھگت سنگھ کے ہاتھ میں تھما دی۔ بھگت سنگھ چٹ پڑھ کر ہلکا سا مسکرایا اور منے لعل سے بولا۔ ''نمبر تھرٹین کے ساتھ مل کر تم منشی کو آپریشن روم میں پہنچا دو، ہم لوگ بھی وہیں آ رہے ہیں۔''

منے لعل نے باہر نکل کر تھرٹین کو پکارا جو ایک دراز قد شخص تھا۔ اس کے بازوؤں کی ابھری ہوئی مچھلیاں اور کشادہ سینہ اس کی جسمانی طاقت کا مظہر تھا۔ اس نے اور منے لعل نے منشی خان کو بازوؤں اور ٹانگوں سے پکڑ کر اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ بعد بھگت سنگھ کرسی سے اٹھا۔ ''آئیں مہاراج! آپ کو ایک تماشا دکھائیں مجھے یقین ہے آپ اس سے محظوظ ہوں گے۔''

وجے اور امر بھی اس کی پیروی میں کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ ہال سے باہر نکل آئے۔ ایک راہداری مڑ کر وہ ایک دروازے کے سامنے پہنچے جس کے باہر آپریشن تھیٹر کی تختی آویزاں تھی۔ دروازے پر موجود مسلح محافظ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ تینوں اندر داخل ہو گئے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وجے کے ذہن کو شدید جھٹکا پہنچا کیونکہ صورتِ حال اس کی توقع سے زیادہ گھمبیر لگ رہی تھی۔ آپریشن تھیٹر میں سرجری کے جدید ترین آلات موجود تھے اور دو ڈاکٹر اور تین میل نرس موجود تھے۔ ان کے علاوہ ایک خاتون نرس بھی نہایت مستعد کھڑی تھی۔ تمام ڈاکٹرز اور نرسوں نے آپریشن کے دوران کا مخصوص لباس پہنا ہوا تھا اور اپنے ہاتھوں اور چہروں کو دستانوں اور ماسک سے ڈھانپے ہوئے تھے۔ وجے کے لہجے میں خوف اور نفرت کی لرزش تھی۔

''کیا تم لوگ آپریشن کے ذریعے منشی خان کی کاٹ چھانٹ کرنا چاہتے ہو؟''

بھگت سنگھ نہایت خوشگوار موڈ میں بولا۔ ''مسٹر وجے! میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا تھا کہ اس پر کسی قسم کا تشدد نہیں کیا جائے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم بھارتی تو بابو گاندھی کے پیروکار ہیں جو جیون بھر اہنسا (عدم تشدد) کا پرچار کرتے رہے ہیں اس لئے بھلا ہم تشدد کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟'' اس کی نیت کی خیانت دھیرے دھیرے ظاہر ہو رہی تھی۔ ''تم جانتے ہو کہ پرسوں یکم اکتوبر کو بجرنگ دَل کی پانچویں ورش گانٹھ (سالگرہ) ہے۔ ہماری کمانڈ کونسل نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس شبھ سمے پر منشی خان کے لہو سے بجرنگ بلی کو اشنان دیا جائے گا لیکن تمہیں پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ منشی خان کے شریر پر ہلکی سی خراش بھی نہیں آئے گی۔ حالانکہ اس نے ہمارے درجنوں ساتھیوں کو قتل کیا ہے اور ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ جس کا منطقی تقاضا تو یہ ہونا چاہئے کہ اسے خوفناک انتقام کا نشانہ بنایا جائے تاکہ آئندہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں لیکن ہم نے کمال مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سیدھے سادے طریقے سے منشی خان کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا جائے تاکہ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اسی خون سے پرسوں دیوی اشنان ہوگا۔ ویسے بھی اس طریقے سے خون ضائع نہیں ہوگا اور اس خون سے مورتی کے اردگرد کا استھان بھی دھویا جا سکے گا۔ ڈاکٹر کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس کے جسم سے بڑی مقدار میں خون حاصل ہوگا اور ممکن ہے اس سے مہادیو کو بھی غسل دیا جا سکے۔''

بھگت سنگھ نہایت روانی سے اپنی مکروہ گفتگو جاری رکھے ہوئے تھا مگر صورتِ حال کی سنگینی سے وجے کی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ خوف کی ایک سرد لہر پورے جسم میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ بھگت سنگھ اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ایک لحاظ سے تو منشی خان بڑا نصیبوں والا ہے جس کو یہ فخر حاصل ہوگا کہ اس کا لہو اس شبھ کام کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔'' بھگت سنگھ وجے کے چہرے پر چھائے ہوئے خوف کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا لیکن امر سنگھ کا چہرہ قطعی سپاٹ تھا اور بھگت سنگھ کو یہ دیکھ کر کچھ جھنجھلاہٹ سی بھی ہو رہی تھی۔

سامنے میز پر منشی خان بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا جبکہ ایک ڈاکٹر نرسوں کی مدد سے اس کے جسم کو ٹیبل کے ساتھ باندھ رہا تھا۔ وجے سوچ رہا تھا کہ ''ہندو سیکولر'' معاشرے میں بھارتی مسلمانوں کے لئے منشی خان جیسے افراد کا وجود بھی غنیمت تھا جو گاہے بگاہے ہندو جنونیوں کی مسلم کشی کی مجنونانہ خواہش کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر

بعد مزید سات آٹھ افراد اندر داخل ہوئے یہ لوگ سول لباس ہی میں تھے البتہ ان کی پیشانیوں پر قشقہ سے تین متوازی لکیریں کھینچی ہوئی تھیں جو اس بات کا مظہر تھیں کہ وہ شیو پرست گروہ سے متعلق ہیں۔

شمالی بھارت میں شیو بھگوان کی پوجا اکثر و بیشتر کی جاتی ہے۔ یوں تو شیو بھگوان کے ایک ہزار آٹھ صفاتی نام ہیں لیکن عام طور پر اسے بھولے ناتھ، مہیشور، وشوناتھ، چندر شیکھر، پسوپتی اور مہادیو کے نام سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔ شیو کا رنگ سفید مگر گردن نیلی ہوتی ہے جو روایت کے مطابق دودھ کے سمندر کو بلوتے وقت واشو کی ناگ کا زہر پینے کی کوشش میں نیلی ہوگئی تھی۔ اس کے پانچ سر، چار بازو اور تین آنکھیں ہوتی ہیں۔ تیسری آنکھ پیشانی پر ہے۔ رگ وید کے مطابق یہ تیسری آنکھ اس وقت پیدا ہوئی تھی جب اس کی بیوی ''اوما'' نے پیار سے اس کی دونوں آنکھیں موند رکھی تھیں تو دنیا میں مکمل اندھیرا چھا گیا تھا۔ چنانچہ دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے اسے تیسری آنکھ پیدا کرنی پڑی تھی جس سے دنیا فوراً ہی روشن ہوگئی تھی۔ شیو اپنی الجھی ہوئی جٹاؤں (بالوں) کو ایک ناگ کی کنڈلیوں میں باندھے رکھتا ہے۔ دوسرا ناگ اس کے کندھے پر ہوتا ہے جبکہ تیسرے ناگ کو وہ بدن پر پہنے ہوتا ہے۔ شیو کی علامت اس کا بیل ''نندی'' نامی ہے جب کوئی شیو پرست مرجاتا ہے تو اس کے لواحقین ایک بیل آزاد کر دیتے ہیں۔ شیو بھگوان کی اوّلین اور بنیادی صفت تباہی نازل کرنا ہے۔ بھارت میں شیو پوجا اکثر ''شیولنگ'' کی صورت میں کی جاتی ہے۔ اس کے بہت سے پجاری اپنے بدن کو اذیتیں پہنچانے کے لئے سخت تپسیا کرتے ہیں۔ کئی کئی دن تک بے حس و حرکت بیٹھے رہتے ہیں۔ نوکیلی کیلوں کے بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔ کبھی اپنے گوشت میں گہرے زخم لگا لیتے ہیں کیونکہ شیو بھگوان خود بھی بڑا تپسوی ہے اس لئے ایسی ریاضتوں سے خوش ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کچھ پجاری اپنی انگلیوں میں میخیں آر پار کر لیتے ہیں۔ کچھ سورج کو مسلسل تکتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اندھے ہو جاتے ہیں، کچھ ہمیشہ کے لئے نہ بولنے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ یہ سب باتیں وجے کے ذہن میں مسلسل گردش کر رہی تھیں۔

اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ منشی خان کو شیو پوجا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔ نئے آنے والوں نے قریب آ کر ''جے بجرنگ بلی'' اور ''جے مہادیو'' کا نعرہ بلند کیا تھا۔ جواب میں بھگت سنگھ اور ڈاکٹروں نے بھی اسی انداز سے جواب دیا تھا۔ بھگت سنگھ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''امر سنگھ! یہ ہماری کونسل کے تاحیات ممبر ہیں اور یہی ہماری تنظیم کی سپریم باڈی ہے جو

تمام اہم فیصلے کرنے کی مجاز ہے۔'' اس کے ساتھ ہی وہ کمانڈ کونسل کے ارکان کی طرف متوجہ ہوا۔ ''یہ امر سنگھ اور وجے ہیں، جن کا غائبانہ تعارف تو آپ سے ہو چکا ہے۔''

ستے ہوئے چہرے کے ایک منحنی سے شخص نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ان لوگوں کو تو بعد میں مل لیں گے۔ پہلے شیو بھگوان کی پوجا کر لی جائے تا کہ اس کے بعد منشی خان کے شریر سے خون لیا جا سکے۔'' وہ غالباً کسی نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔

''جی!'' بھگت سنگھ نے تعمیل میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''رتی رام جی! ابھی حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔'' اس کے بعد مکروہ چہرے والے پجاری نے اپنی بھدی آواز میں بھجن گانے شروع کر دیئے اور باقی لوگ سمادھی میں بیٹھے سر ہلانے میں مصروف تھے۔

پنڈت مہاراج نے لگاتار پندرہ منٹ تک یہ پکار اگ جاری رکھا۔ اس کے بعد پرارتھنا (دعا) ہوئی جس میں ہندومت کے احیا کی دعا مانگی گئی۔ بعد میں بھگت سنگھ نے ڈاکٹر کو اشارہ کیا کہ اپنا کام شروع کرے۔ ڈاکٹر نے منشی خان کی کلائی پکڑ کر نس کی تلاش شروع کر دی۔ آپریشن ٹیبل کے نیچے چھ سات خون حاصل کرنے والے خالی بیگ پڑے تھے۔ ان میں سے ایک بیگ کو پکڑ کر ڈاکٹر نے الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ تب تک ٹھگنے قد والا ڈاکٹر نس تلاش کر چکا تھا اور نیڈل کلائی میں چبھو دی تھی۔ فوراً ہی نیچے پڑے بیگ میں منشی خان کا سرخ و سفید خوں جمع ہونے لگا تھا۔ اس موقعے پر امر اور وجے کے علاوہ سبھی حاضرین نے ''جے بھولے ناتھ'' اور ''ہر ہر مہادیو'' کے نعرے بلند کئے تھے۔

چند منٹوں میں پانچ سوسی سی پر مشتمل خون کا بیگ بھر گیا تھا۔ امر سنگھ اور وجے کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا کیونکہ اس جدید دور میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈاکٹروں کا اس بے ہودہ طریقے سے جنونی نعرے لگانا بڑا غیر فطری سا لگ رہا تھا۔ پہلا بیگ ہٹا کر اب دوسرے بیگ کی تیاری ہو رہی تھی۔ وجے کے چہرے پر ہیجانی کیفیت طاری تھی اسے یوں لگ رہا تھا کہ اگر یہی صورتِ حال برقرار رہی تو کچھ دیر بعد وہ ہیجان ہذیان میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ خود انجام کی پروا کئے بنا کوئی بھی قدم اٹھا بیٹھے گا۔ امر سنگھ کے چہرے کی سنگینی میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ جبکہ وجے کو امر سنگھ کی خاموشی بُری طرح کھل رہی تھی۔ امر سنگھ نے بھگت سنگھ سے پوچھا۔

''کیا آپ کی سپریم کونسل کے یہی آٹھ افراد ہیں؟''

بھگت سنگھ بولا۔ ''ہاں یہی ہیں البتہ میں بھی کونسل کا اعزازی رکن ہوں گو مجھے کسی بھی معاملے میں ووٹ کا حق حاصل نہیں۔'' یہ سن کر امر سنگھ نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور سرسری انداز میں بولا۔

''اگر آپ سبھی لوگوں کو بیک وقت کوئی ناگہانی حادثہ پیش آ جائے تو بجرنگ دَل کا کیا بنے گا؟''

بھگت سنگھ اور رتی رام نے چونک کر اسے دیکھا لیکن کوئی غیر معمولی بات نہ دیکھ کر بھگت سنگھ بولا۔ ''ایسا ہونا قطعی ناممکن ہے۔ ویسے بھگوان نہ کرے اگر ایسا ہو جائے تو تنظیم تقریباً ختم ہو کر رہ جائے گی اور دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے اسے طویل عرصہ درکار ہوگا۔ بہرحال تم ہماری فکر چھوڑو اور اپنے بارے میں سوچو کیونکہ مجھے تمہارا انجام بھی منشی خان سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتا۔ خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال ہمیں ڈسٹرب نہ کرو اور اپنی زبان بند رکھو۔''

امر سنگھ چند لمحوں بعد بولا۔ ''بھگت سنگھ جی! ہم دونوں سے یہ منظر نہیں دیکھا جاتا۔ اس لئے ہمیں دوسرے کمرے میں جانے کی آگیا دیں۔'' بھگت سنگھ اسے فاتحانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''بس ابھی سے گھبرا گئے، امر سنگھ بھئی! ابھی تو عشق کے اصل امتحان باقی ہیں۔ بہرحال اگر تم کہتے ہو تو میں منے لعل سے کہہ دیتا ہوں وہ تمہیں دوسرے کمرے میں لے جاتا ہے لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو اب تم دونوں یہاں سے ہماری مرضی کے بغیر نہیں جاؤ گے اور اگر تم نے ایسی حماقت کی تو اپنے نقصان کے خود ذمہ دار ہو گے۔''

امر سنگھ نے جواب میں کسی قسم کی بحث مناسب نہ سمجھی۔ البتہ اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے سگریٹ نکالا اور سگریٹ سلگا کر سگریٹ کیس اپنی کرسی پر کھلا ہی چھوڑ دیا اور وجے کے ساتھ منے لعل کی رہنمائی میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ جاتے ہوئے اس نے دیکھا کہ منشی خان میز پر بے حس و حرکت پڑا تھا اور اس کے جسم سے خون نکالنے کا عمل جاری تھا۔ ایک کرسی پر امر سنگھ کا سگریٹ کیس کھلا پڑا تھا اور باہر نکلنے سے پہلے امر اس کے اندر لگے ہوئے چھوٹے سے بٹن کو پش کرنا نہیں بھولا تھا۔ دوسرے کمرے میں بیٹھنے کے بعد اس نے لائٹر نما ریموٹ کنٹرول کا آلہ اپنی جیب سے نکالا اور اس پر لگا ننھا سا زرد رنگ کا بٹن باہر کھینچ لیا۔

○.....❖.....○

باب: 7

یہ سگریٹ کیس دراصل بے ہوش کر دینے والی گیس کا منبع تھا۔ اس میں سے ایسی گیس خارج ہو رہی تھی جو دس سے پچیس سیکنڈ کے عرصہ میں 50 مربع فٹ کے دائرے میں ہر ذی روح کو بے ہوش کر دیتی۔ یہ گیس اس قدر مؤثر تھی کہ اس کے ''متاثرین'' کم از کم ایک گھنٹے سے قبل ہوش میں نہیں آ سکتے تھے۔ ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے کے بعد امر سنگھ نے اپنے ملک کی ایک علاقائی زبان میں وجے کو گیس کے بارے میں بتایا تھا۔ جسے سن کر اس کے ہونٹوں پر بھی ایک مطمئن سی مسکراہٹ آ گئی تھی لیکن تبھی اس نے پوچھا۔

''امر سنگھ جی! یہ گیس منشی خان کو بھی تو متاثر کرے گی کہیں اس کی جان کو تو کوئی خطرہ پیدا نہیں ہو جائے گا؟''

امر سنگھ بولا۔ ''اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ البتہ بے فکر رہو۔ کسی کی جان کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

منے لعل ہونقوں کی مانند ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ شاید اس کی چھٹی حس اپنا کام دکھا رہی تھی کیونکہ اس کے چہرے پر شک اور اضطراب کی ملی جلی سی کیفیت طاری تھی۔ امر سنگھ نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ غالباً لاشعوری طور پر اس سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔ امر سنگھ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ رسید کیا۔ اس کو تو شاید اس کی توقع بھی نہیں تھی اس لئے مزاحمت کئے بنا ڈھیر ہو گیا۔ امر سنگھ نے آگے بڑھ کر اس کی کنپٹی کی رگوں کو اچھی طرح مسل دیا تاکہ اس کے جہنم میں رسید ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ دونوں نے اسے اٹھا کر کرسی کی پشت سے لگا کر بٹھا دیا گویا سرسری انداز سے دیکھنے والے کو یہ محسوس ہو کہ وہ تھک کر سو رہا ہے۔ امر سنگھ نے وجے کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے باہر نکل کر آپریشن تھیٹر کی جانب بڑھ گیا۔ اسی دوران باہر سے فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ اس وجہ سے عمارت میں موجود تمام مسلح محافظ باہر کو لپک

رہے تھے۔اس وجہ سے کسی نے ان دونوں پر خاص توجہ نہ دی۔

آپریشن تھیٹر کا دروازہ بند تھا۔ وہ دونوں جیب سے ریوالور نکال کر ہاتھوں میں لے چکے تھے اور محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ امر سنگھ نے آہستگی سے آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھولا اور خود چند منٹ باہر ہی کھڑا رہا تھا کہ کمرے میں موجود گیس باہر عمارت میں پھیل جائے جس سے اس کے زہریلے اثرات میں قدرے کمی آ جائے۔ خود ان دونوں نے بھی چہرے پر باریک سے ماسک چڑھا لئے تھے۔ یہ ماسک امر سنگھ نے ہی اپنی جیب سے نکال کر وجے کو دیا تھا۔ غالباً اسے آنے والے حالات کا پہلے سے ہی اندازہ تھا۔ چند منٹ بعد وہ دونوں اندر داخل ہوئے کمرے میں موجود سبھی افراد بے ہوش پڑے تھے البتہ ڈاکٹرز اور نرسیں تھوڑے بہت ہاتھ پاؤں ہلا رہے تھے۔ چہرے پر موجود ماسک نے انہیں پوری طرح بے ہونے سے بچا لیا تھا البتہ باقی افراد بمعہ منشی خان بے سدھ پڑے تھے۔

منشی خان کے چہرے پر کچھ زیادہ ہی زردی چھائی ہوئی تھی کیونکہ خون کا دوسرا بیگ بھی بھر چکا تھا اور جسم سے اس قدر خون نکلنے پر اور اس پر مستزاد گیس کے مضر اثرات نے اسے کچھ زیادہ ہی متاثر کیا تھا۔ امر سنگھ نے آگے بڑھ کر اس کے بازو سے سوئی کو الگ کیا اور وہاں موجود تھوڑی سی روئی ٹیپ کے ساتھ نیڈل نکالنے والی جگہ پر چپکا دی جہاں سے اب بھی خون تیزی سے رِس رہا تھا۔ امر سنگھ کے ذہن میں غالباً پہلے ہی سے سب کچھ واضح تھا۔ اس نے سائلنسر لگے ریوالور کی نال بھگت سنگھ کی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ وجے تو کب سے اسی وقت کے انتظار میں تھا۔ اس لئے اس نے رتی رام کا بھیجا اڑانے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں بجرنگ دَل کی کمانڈ کونسل کے باقی سات ارکان بھی سورگ سدھار گئے تھے۔ اس سارے عمل میں دو منٹ سے زیادہ کا عرصہ نہیں لگا تھا۔ اسی دوران باہر ہو رہی فائرنگ میں شدت پیدا ہو گئی تھی۔ ابھی تک انہوں نے ڈاکٹرز اور نرسز کو گولی مارنے سے پرہیز کیا تھا۔ وجے بولا۔

''امر سنگھ جی! ان ڈاکٹرز کو کس خوشی میں معاف کیا جا رہا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں تھا کہ یہ خبیث بھی کیسے بڑھ چڑھ کر ''جے بجرنگ بلی'' کے نعرے لگا رہے تھے۔''

امر سنگھ بولا۔ ''تمہاری بات بڑی حد تک صحیح ہے لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ پہلے کسی طرح اس بات کی تصدیق کر لی جائے کہ یہ لوگ واقعی بجرنگ دَل سے متعلق جنونی ہندو ہیں یا محض اپنی کسی مجبوری کی بنا پر اس تنظیم کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی بے گناہ ہمارے ہاتھوں مارا جائے۔ فی الحال انہیں کچھ مت کہو۔ تھوڑی دیر بعد صورتِ حال واضح ہو

جائے گی۔“

وجے نے بھی اس کی بات سے اتفاق کیا البتہ احتیاطاً ان سب کی کنپٹیوں پر ریوالور کے دستے کی ایک ایک زوردار ٹھوکر مزید لگائی تھی تاکہ وہ پوری طرح بے سدھ ہو جائیں اور اگلے چند گھنٹوں تک ان کے ہوش میں آنے کا اندیشہ نہ رہے۔ باہر فائرنگ اور دھماکوں کا سلسلہ جاری تھا۔ شاید بجرنگ دَل کے تمام ہی افراد حملہ آوروں سے مڈبھیڑ میں مصروف تھے۔ اسی وجہ سے آپریشن تھیٹر میں ہونے والے اصل ہنگامے پر کسی نے بھی توجہ نہ دی تھی۔ اب محسوس ہو رہا تھا کہ حملہ آور گروہ دھیرے دھیرے عمارت کے قریب پہنچ رہا ہے کیونکہ فائرنگ کی آواز لحہ بہ لحہ قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔

وجے نے ایک طرف پڑا جگ اٹھایا اور سارا پانی منشی خان کے چہرے پر انڈیل دیا۔ جس کے ساتھ ہی اس کا جسم ہلکے سے کسمسایا تھا۔ وجے نے آگے بڑھ کر ایک لمحے کے لئے منشی خان کی ناک چٹکی میں لے کر بند کر دی تھی جس سے اس کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا تھا اور وہ منہ کھول کر تیز تیز سانس لینے لگا۔ البتہ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ اب وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ وجے نے اس کی ناک چھوڑ دی تھی اور اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر ہلکے ہلکے دبانا شروع کر دیا۔ اس کے چہرے سے نقاہت کا اظہار بڑا واضح تھا۔ وہ لوگ اب اس کی طرف سے کچھ مطمئن ہو گئے تھے۔ اس لئے اسے چھوڑ کر بیرونی حالات کی طرف متوجہ ہوئے۔ امر سنگھ نے کہا۔

”میرا خیال ہے منشی کے آدمیوں کا پلہ بھاری پڑ رہا ہے لیکن اندر سے اب بھی کافی مدافعت ہو رہی ہے۔ آؤ باہر چل کر دیکھیں ہم اس صورتِ حال میں کیا کر سکتے ہیں۔“

ہاتھ میں پستول پکڑے وہ دونوں محتاط انداز میں باہر نکلے اور آہستہ آہستہ کوریڈور میں دو مخالف سمتوں میں بڑھنے لگے۔ وجے دائیں طرف گیا تھا جبکہ امر سنگھ نے بائیں طرف کے دروازے کا رخ کیا تھا۔ وجے تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ اسے سیڑھیوں کی آڑ میں نمبر تھرٹین کھڑا نظر آیا جو اپنی سب مشین گن سے باہر کی طرف فائرنگ میں مصروف تھا۔ اسی وجہ سے حملہ آوروں کو آگے بڑھنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ وجے نے ایک لحہ ضائع کئے بنا تھرٹین کی پشت چھید ڈالی۔ اتنے پاس سے فائر ہونے کی بنا پر نمبر تھرٹین اچھل کر نیچے جا پڑا تھا۔ وجے نے آگے بڑھ کر اس کی مشین گن خود سنبھال لی اور اس کا میگزین چیک کیا جس میں ابھی کافی تعداد میں ایمونیشن موجود تھا۔ وہ گن سنبھالتا ہوا کچھ دیر وہاں کھڑا رہا لیکن اس طرف کافی خاموشی چھا گئی اس لئے وہ دوسری طرف بڑھا جدھر سے ابھی تک بغیر کسی

وقفے سے فائرنگ جاری تھی۔

دن کا وقت ہونے کی وجہ سے دور تک ہر چیز واضح تھی۔ وجے نے دیکھا کہ ادھر رام پرشاد موجود ہے جو ایک گاڑی کی اوٹ سے باہر لان کی طرف نشانہ بازی میں مصروف تھا۔ وجے بھی آج مکمل طور پر چاند ماری کے موڈ میں تھا۔ کافی عرصہ بعد اسے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تھا۔ وجے نے اس کی ٹانگوں کا نشانہ لیا اور بے دریغ گولی چلا دی۔ اس کی چیخ بڑی خطرناک تھی حالانکہ اس کا اوپری دھڑ ہنوز بالکل محفوظ تھا۔ وجے نے آگے بڑھ کر مشین گن کی نالی اس کی پیشانی سے لگاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''رام پرشاد! کھیل ختم ہو چکا ہے۔ بلند آواز میں اپنے بچے کھچے آدمیوں کو حکم دو کہ سب ہاتھ اٹھا کر سامنے آ جائیں اور مقابلہ بند کر دیں ورنہ ابھی تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔''

رام پرشاد نے حکم کی تعمیل میں زیادہ دیر نہ لگائی۔ اس سے پہلے وہ جتنی بڑھکیں ہانکا کرتا تھا اس وقت ان کا شائبہ تک موجود نہیں تھا۔ اس نے اونچی آواز میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''سب لوگ ہتھیار پھینک کر باہر نکل آئیں کیونکہ یہ چیف کا حکم ہے۔''

ماسوائے ایک آدمی کے سب لوگوں نے اس کے حکم پر عمل کیا۔ دس گیارہ افراد مختلف سمتوں سے ہاتھ اٹھائے نمودار ہوئے اور کار پورچ میں رک گئے۔ بائیں طرف سے برآمدے سے ایک آدمی کی بڑبڑاہٹ سنائی دے رہی تھی جو بیٹھے ہوئے گلے کے ساتھ رام پرشاد کو گالیاں دے رہا تھا اور اپنے ساتھیوں کو نصیحت کر رہا تھا کہ وہ غدار رام پرشاد کی بات پر عمل نہ کریں جس نے دشمن کا ساتھ دیا ہے۔ اس کے ساتھ وہ شخص وقفے وقفے سے ایک آدھ راؤنڈ فائر کر دیتا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے پاس گولیوں کی خاصی کمی ہے اور وہ ممکن حد تک کارتوس بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔ اس پر قابو پانے کے لئے وجے کو کافی دور کا چکر کاٹ کر آنا پڑا اور جب وہ رینگتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو اس شخص نے ہلکی سی آہٹ پا کر اپنی اے کے 47 رائفل کا رخ فوراً اس کی طرف کیا لیکن اس وقت وجے پر تو ایک جنون سا طاری تھا۔ اس نے اچھل کر اس کی گردن دبوچ لی تھی اور وہ فائر کرنے کی حسرت دل میں لئے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا تھا۔ وجے کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا دباؤ ابھی تک اس کی گردن پر برقرار تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابل پڑی تھیں۔ خود وجے کا جسم بھی پسینے میں نہا گیا تھا۔ چند لمحوں بعد اس کی وحشت میں قدرے کمی واقع ہوئی اور وہ اٹھ کھڑا

ہوا۔

اس دوران منشی خان کے آدمی تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھتے ہوئے آگے بڑھے اور ہاتھ اٹھائے کھڑے بجرنگ دل کے رام سیوکوں پر پل پڑے تھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں بُری طرح رسیوں سے جکڑ دیئے گئے تھے اور چیخ و پکار سے باز رکھنے کے لئے ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا۔ اس کے بعد منشی خان کا نائب خلیل ان دونوں کے ساتھ آپریشن روم کی طرف بڑا۔ منشی کا زرد چہرہ دیکھ کر خلیل کا پارہ ایک دم چڑھ گیا تھا۔ اس نے نیچے جھک کر منشی خان کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر سہلایا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

''خان! اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو جاتا تو جے پور کے بے کس مسلمان بالکل بے سہارا ہو جاتے۔'' منشی خان نے خلیل کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پلکیں جھپکاتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چند ثانئے اِدھر اُدھر سر جھٹک کر غالباً ذہنی کسلمندی سے چھٹکارا پانے کی کوشش میں مصروف رہا۔ اس عرصے کے دوران منشی کے ساتھی تمام کمروں کی تلاشی میں جٹے رہے۔

تلاشی کے دوران غیر ملکی کرنسی سمیت بڑی تعداد میں مقامی کرنسی اور ہتھیار برآمد ہوئے۔ اس کے علاوہ سٹور روم میں ہیروئن اور چرس کا ایک بڑا ذخیرہ بھی ان کے علم میں آیا۔ وہ سبھی بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ امر سنگھ نے منشی کو بھگت سنگھ کی لاش کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''مبارک ہو خان! آج تمہارا ایک بڑا حریف اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے۔''

منشی نے دھیرے سے جواب دیا۔ ''اس معاملے میں آپ لوگوں کی معاونت نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔''

امر سنگھ بولا۔ ''لیکن اس کے باوجود اس کا اصل کریڈٹ تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو ہی جاتا ہے۔ اگر خلیل اور اس کے ساتھی طے شدہ منصوبے پر اس خوبصورتی سے عمل نہ کرتے تو شاید معاملات اتنی جلدی اور اتنے سلیقے سے نہ سلجھتے۔''

وجے نے گفتگو میں ٹانگ اڑاتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج! یہ فیصلہ بعد میں ہوتا رہے گا کہ اس کامیابی کا سہرا کس کے سر ہے۔ فی الحال تو یہ سوچیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ ہم ستائشِ باہمی میں مصروف رہیں اور پولیس آ کر ہم سب کا تیا پانچہ کر ڈالے۔''

منشی خان نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور استفہامیہ نظروں سے امر سنگھ کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر وہ چاروں آپس میں مشورہ کرتے رہے۔ آخر امر سنگھ بولا۔

''ہمیں فوری طور پر یہ جگہ چھوڑ دینی ہوگی۔ یہ ممکن نہیں کہ اتنے بڑے ہنگامے کے بعد

مقامی پولیس خاموش رہے۔ کسی بھی لمحے پولیس یہاں پہنچ سکتی ہے۔ یہ دیر بھی غالباً اس وجہ سے ہوئی ہے کہ مقامی پولیس کے اکثر اہلکار بجرنگ دَل کے زرخرید ہیں یا نظریاتی طور پر اس کے حامی ہیں اور یہاں ہونے والے اکثر غیر معمولی واقعات سے چشم پوشی کے عوض انہیں معقول معاوضہ ملتا ہے لیکن یہ معمولی واقعہ نہیں ہے۔ آدھ گھنٹے تک ہونے والی مسلسل فائرنگ اور دو درجن کے قریب لاشیں آسانی سے ہضم نہیں ہوں گی۔''

تبھی منشی خان نے اپنے نائب خلیل کو بلا کر کہا۔ ''اپنے آدمیوں کو کہو فوراً یہاں سے نکل کر اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں اور کوشش کریں کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہ چھوڑیں جس سے یہاں پر ہماری موجودگی ثابت ہو سکے۔''

''لیکن خان! ان ڈاکٹرز اور نرسوں کا کیا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو دوسرے کمرے میں بندھے پڑے ہیں۔''

منشی خان چند لمحے سوچتا رہا پھر امر سنگھ اور وجے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اس بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ ویسے میں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ ڈاکٹرز سمیت یہ تمام لوگ بجرنگ دَل کے نظریاتی ارکان ہیں۔ مجھے علم ہے کہ ان سب لوگوں نے اپنے لہو سے عہد نامے پر دستخط کر رکھے ہیں جس کے مطابق بھارت میں ''رام راجیہ'' کے قیام کا عہد کیا گیا ہے اس کے علاوہ تمام بھارتی مسلمانوں کو ''شدھی'' کے ذریعے دوبارہ ہندو بنانے کے عزم کا اظہار بھی ہے۔ ان لوگوں کے ہاتھ سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کے ہاتھ سے رنگے ہوئے ہیں۔ اس لئے انہیں زندہ چھوڑنا لڑائی کے کسی معیار کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ ویسے بھی یہ سب ہمارے خلاف چشم دید گواہوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

امر سنگھ تھوڑی دیر پُرخیال انداز میں ان سبھی کی طرف دیکھتا رہا۔ ''ٹھیک ہے ان سب لوگوں کو فوراً ٹھکانے لگا کر یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔ اس کے علاوہ یہاں موجود منشیات کے ذخیرے کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ منشیات کی بڑے پیمانے پر یہاں سے برآمدگی ہمارے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس چیز سے اس واقعے کی نوعیت میں خاطر خواہ الجھاؤ پیدا ہو سکتے ہیں جس سے تحقیقات کی سمت متعین کرنے میں قدرے دقت پیش آئے گی۔ جس کا بالواسطہ فائدہ یقیناً ہمیں پہنچے گا۔''

○.....❖.....○

یہ کہہ کر وہ سبھی باہر نکل پڑے تھے۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے اندر سے گولیاں چلنے کی آواز آئی تھی اور چند کربناک چیخوں کے بعد مکمل سکوت طاری ہو گیا تھا۔ واپسی پر

انہوں نے عام معروف راستوں کا استعمال نہیں کیا تھا تا کہ پولیس کے ساتھ مڈبھیڑ سے بچا جا سکے۔ اسی شام کو منشی خان کے ایک متبادل ٹھکانے پر چائے کے دوران وہ تینوں آنے والے حالات کے بارے میں مختلف امکانات پر بحث کر رہے تھے۔ منشی کی زبانی انہیں معلوم ہوا تھا کہ ان کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد پولیس کی بڑی تعداد نے بجرنگ دَل کے ہیڈ کوارٹر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ تیس انسانی لاشوں کی موجودگی نے ایک دھماکہ خیز صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔ مختلف تفتیشی ایجنسیاں ہمہ جہتی تحقیقات میں مصروف تھیں۔ منشیات کی بھاری مقدار میں موجودگی سے پولیس افسروں کے ایک حلقے کا خیال تھا کہ یہ واقعہ سمگلروں کے دو مختلف گروہوں کی پیشہ ورانہ رقابت کا شاخسانہ ہے لیکن اس حادثے کا براہِ راست نتیجہ جے پور اور اس کے گردونواح میں ہندو مسلم فسادات کی شکل میں برآمد ہوا تھا۔

مسلمان تو صبح ہی سے عین نماز کی حالت میں مسجد سے منشی خان کے اغوا کے بعد احتجاج میں مصروف تھے لیکن جب ہندوؤں کو پتہ چلا کہ بجرنگ دَل کی تمام قیادت قتل کر دی گئی ہے تو ان کی نفرت کا رُخ مسلمانوں کی طرف ہونا ناگزیر تھا۔ جگہ جگہ آتشزدگی اور چھرا گھونپنے کی وارداتیں ہوئی تھیں لیکن یہ صورتِ حال زیادہ دیر برقرار نہیں رہی تھی۔ منشی کے گروہ کے ارکان نے مختلف مقامات پر اپنے آہنی ہاتھوں کے ساتھ ظلم و تشدد پر مبنی اس ہندو لہر کو دبا دیا تھا۔ ہندو جنونیوں کے عام طبقات کو بھی جلد ہی اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اب ان کی پشت پناہی کے لئے بجرنگ دَل جیسی منظم تنظیم نہیں رہی اس وجہ سے ان کی روایتی بزدلی نے ان پر غلبہ پا لیا تھا۔ اس لئے رات تک حالات بڑی حد تک نارمل ہو گئے تھے۔ البتہ تشدد کے چھٹ پٹ واقعات جاری تھے۔

وہ رات کو دیر تک جاگتے رہے تھے۔ بھگت سنگھ کی موت کے بعد ان کے سر سے بھاری بوجھ اتر گیا تھا۔ انہیں زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اتنے بڑے حادثے کے باوجود ابھی تک منشی خان کا نام نہیں آیا تھا۔ اگرچہ منشی کے اپنے ذرائع کے مطابق بعض پولیس افسران نے دبی زبان میں اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ اس معاملے میں منشی کا گروہ ملوث ہو سکتا ہے لیکن حکام بالا فوری طور پر اس مفروضے کی پذیرائی کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہے تھے۔ غالباً انہیں خدشہ تھا کہ اس بات کو ہوا دینے سے بڑے پیمانے پر مسلم کش فسادات شروع ہو سکتے تھے۔

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو ابھی تک خان بچا ہوا تھا لیکن دوسری صبح کے اخبارات دیکھ کر ان کی تمام خوش فہمیاں دور ہو گئیں۔ تقریباً تمام اخبارات نے بجرنگ دَل کی تباہی کی داستان نمک مرچ لگا کر شائع کی تھی۔ جے پور اور اجمیر سے نکلنے والے ہندی اخبار ''دینک نوجیوتی''

نے جلی حروف میں سرخی لگائی تھی ''منشی خان کے ہاتھوں بجرنگ دَل کی مکمل تباہی'' اخبار نے اپنے نامہ نگار کی ذاتی تحقیق پر مبنی طویل سٹوری کو خصوصی سپلیمنٹ کی صورت میں شائع کیا تھا جس کے مطابق بجرنگ دَل کے رام بھگتوں کے قتل عام کی ذمہ داری براہِ راست منشی خان پر عائد کی گئی تھی اور مقامی انتظامیہ کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا تھا کہ تقریباً بیس گھنٹے گزرنے کے باوجود ابھی تک منشی خان یا اس کے کسی آدمی کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔

ناشتے کے بعد اخبارات کے مطالعے کے دوران ان تینوں کے چہروں پر تشویش کے آثار بڑے واضح تھے۔ جودھ پور اور کوٹا سے شائع ہونے والے روزنامہ ''راجستھان پتریکا'' کے کرائم رپورٹر نے بھگت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے ''سفاکانہ'' قتل کو ''بلائنڈ کیس'' قرار دیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ''بھگت سنگھ کے قاتلوں کی نشاندہی میں غیر ضروری عجلت کئی پیچیدگیوں کو جنم دے سکتی ہے کیونکہ بھگت سنگھ کے بے شمار دشمن تھے۔ اس کے علاوہ سورگیہ بھگت سنگھ میں یہ خداداد صلاحیت تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت میں کم سے کم دوست بنانے کا عادی تھا جبکہ چند لمحوں میں بیسیوں دشمن بنا لینے کا بے مثال ہنر اسے بخوبی آتا تھا۔ اس کی خود اعتمادی کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ کسی دوسرے پر اسے اعتماد نہیں رہا تھا۔

دہلی اور احمد آباد سے نکلنے والے ''نو بھارت ٹائمز'' نے اپنے اداریے میں بجرنگ دَل کے اکابرین کے بہیمانہ قتلِ عام کو ہندو دھرم کے لئے سخت شرمناک اور قابلِ افسوس قرار دیا تھا۔ اخبار کے مطابق اتنے بھیانک اور گھناؤنے جرم صرف ''کلجگ'' میں ہی ممکن ہیں۔ وجے کے دماغ میں نہ جانے کیا آیا کہ پوچھ بیٹھا۔

''مہاراج امر سنگھ جی! آپ کے ہندو دھرم میں ''کلجگ'' سے مراد کون مہاشے ہیں؟''

امر سنگھ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کچھ دیر وجے کو دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ ''وجے جی! آپ کو یہ بھی معلوم نہیں۔ اصل میں ہندوؤں کے ہاں وقت کی دیو مالائی تقسیم کے مطابق برہما دیوتا کے ایک دن میں ایک ہزار مہا یُگ ہوتے ہیں۔ اس کا ایک دن چار ارب بتیس کروڑ برس پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان مہا یگوں (ادوار) کی طوالت یکساں ہوتی ہے۔ یعنی ہر مہا یگ تینتالیس لاکھ بیس ہزار برس پر مشتمل ہوتا ہے اور اس ہر اک مہا یگ میں چار زمانے یا ادوار ہوتے ہیں۔ پہلے 'کرت یگ' ہوتا ہے۔ جو سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار ارضی برسوں پر محیط ہوتا ہے۔ اسے 'ست یگ' بھی کہتے ہیں۔ چاروں زمانوں میں یہ سب سے بہترین ہوتا ہے۔ اس دور میں ہر طرف نیکی اور سچائی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اس دور میں دھرم کی چار ٹانگیں یعنی سچائی، شفقت انصاف اور نیکی کا چلن عام ہوتا ہے۔ اس سنہری دور میں ہر

شخص مذہب میں کامل ہوتا ہے۔

دوسرا دور 'ترت یگ' کا ہے۔ اس وقت دھرم کی صرف تین ٹانگیں رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں نیکی ایک چوتھائی کم ہو جاتی ہے۔ لوگ قدرے چالاک ہو جاتے ہیں۔ اس یگ کی طوالت بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال ہوتی ہے۔ تیسرے زمانے 'دواپر یگ' میں مذہب آدھا رہ جاتا ہے۔ سچائی کو زوال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ دھرم کی صرف دو ٹانگیں رہ جاتی ہیں۔ نفسانی خواہشات غلبہ حاصل کر لیتی ہیں۔ یہ دور آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس کا ہوتا ہے۔

'کالی یگ' (کلجگ) چوتھا اور آخری دور ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے خیال میں آج کل کا زمانہ وہی ہے۔ کلجگ دکھوں اور گناہوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس زمانے میں دھرم یا نیکی کی صرف ایک ٹانگ باقی بچتی ہے۔ اس لئے دھرم بے سہارا ہو کر نیچے گر پڑتا ہے۔ نیکی کا صرف ایک چوتھائی حصہ بچتا ہے۔ یہ چوتھائی بھی روز افزوں گناہوں میں ڈوب جاتا ہے۔ مقدس رسمیں ادا کرنے سے منفی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ساری مخلوق زوال آشنا ہو جاتی ہے۔ دھوکہ، فریب، جھوٹ اور مفلسی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ بیماریاں عام ہو جاتی ہیں۔ بیویاں شوہروں کی رہنمائی کرتی ہیں اور عورتیں ضرورت سے زیادہ بے باک ہو جاتی ہیں۔ حکمران حکومت کی بجائے حاکمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے حکمرانوں میں ظلم و جبر کا چلن عام ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ہی رعایا کا خون بہانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ زمانہ چار لاکھ بتیس ہزار برس پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس یگ کے خاتمے کے بعد 'مہا پرلے' (قیامت) آ جاتی ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق آج وہ رواں مہا یگ کے دور 'کالی یگ' کی چھٹی ہزاری میں رہ رہے ہیں۔ ابھی اس کے چھ ہزار برس پورے نہیں ہوئے۔ سال رواں یعنی 192ء کلجگ کا 5082 برس ہے۔''

اتنا کہہ کر امر سنگھ غالباً سانس لینے کے لئے رکا تھا۔ منشی خان اسے حیرت اور تحسین کے ملے جلے جذبات سے دیکھ رہا تھا۔ البتہ وجے، امر سنگھ کو انتہائی غصیلی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے طویل بھاشن سے اکتا کر پچھتا رہا تھا کہ اس نے امر سنگھ سے کلجگ کی وجہ تسمیہ پوچھنے کی حماقت ہی کیوں کی۔

''ہاں تو وجے! میں تمہیں کلجگ کے بارے میں بتا رہا تھا۔''

امر سنگھ نے سلسلہ کلام آگے بڑھانے کی غرض سے کہا لیکن وجے نے اسے دوبارہ اسٹارٹ لینے سے روک دیا۔ ''بھاڑ میں گیا کلجگ۔ مجھے اس بارے میں مزید معلومات درکار

نہیں۔ آخر آپ ہر وقت اپنی علمیت بگھارنے پر کیوں تلے رہتے ہیں۔ منشی خان جی! ذرا دوبارہ چائے تو منگوائیں کہیں ایسا نہ ہو چائے پینے سے پہلے ہی دھرم کی چوتھی ٹانگ بھی غائب ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔'' اس کی جھنجھلاہٹ سے امر سنگھ اور منشی دونوں لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد امر سنگھ کی آواز انہیں دوبارہ حقائق کی دنیا میں کھینچ لائی۔

امر سنگھ نے منشی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے، ان خبروں کی اشاعت کے بعد پولیس کا ردِعمل کیا ہوگا؟''

منشی خان نے چائے کا گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ ''وہ لوگ یقیناً مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگرچہ انتظامیہ کے اندر میرے ہمدرد عناصر بھی موجود ہیں جو اس فیصلے کی مزاحمت کریں گے لیکن پریس کے موجودہ دباؤ کے سامنے وہ بھی نہیں ٹھہر سکیں گے۔''

''تو پھر آپ کے آئندہ کے کیا ارادے ہیں؟'' وجے نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے مجھے گرفتاری دے دینی چاہئے۔ چند ہفتے یا چند ماہ جیل میں رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر اتنی بڑی کامیابی کی کچھ قیمت تو ادا کرنی ہی پڑے گی۔''

امر سنگھ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھی طرح سوچ لو، یہ بات اتنی معمولی بھی نہیں ہے۔ حکومت میں شامل فرقہ پرست عناصر اپنی پوری توانائیاں صرف کر کے تمہیں مجرم ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔''

منشی خان کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آہستگی سے بولا۔ ''یقیناً آپ کی بات صحیح ہے لیکن میری رُوپوشی سے بھی تو کئی مسائل جنم لیں گے۔ اوّل تو یہ رُوپوشی بذاتِ خود اقبالِ جرم کے مترادف ہوگی۔ دوسری طرف اس سے میرے گروہ اور عام مسلمانوں کے مورال پر بھی منفی اثرات مرتب ہوں گے جبکہ گرفتار ہونے کی صورت میں یہ لوگ میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہ کر پائیں گے۔ میرے آدمیوں کے دباؤ کے سامنے ہمارے خلاف کوئی ٹھوس شہادت ا اکرنا خاصا مشکل کام ہے۔''

کافی بحث و تمحیص کے بعد یہی طے کیا گیا تھا کہ وجے اور امر سنگھ تو یہیں موجود رہیں جبکہ منشی خان اپنے معروف ٹھکانے پر منتقل ہو جائے تاکہ گرفتاری کی صورت میں موجودہ جگہ پولیس کی نگاہ میں نہ آ سکے۔ تھوڑی دیر بعد منشی خان وہاں سے منتقل ہو گیا تھا۔ دوپہر کو خبر آئی کہ اسے بجرنگ دَل کے تیس افراد کے قتل کی سازش تیار کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا

ہے۔ اس پر 302، 120-B307 کی دفعات کے تحت مقدمات درج کر لئے گئے تھے۔ ان کے علاوہ بہت ساری دوسری دفعات کے تحت اسے نشانہ مشق بنایا گیا تھا۔

○……❖……○

اگلے روز تک منشی خان کے وکلاء کے پینل نے اکثر مقدمات میں راجستھان ہائی کورٹ سے اس کی ضمانت کے احکامات حاصل کر لئے تھے مگر حکومت اتنی بے بس بھی نہیں تھی اسی روز ڈیفنس آف انڈیا رولز (DIR) کے تحت منشی خان کی نظر بندی کے احکامات جاری کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے تقریباً تمام مقدمات میں ضمانت کے باوجود اس کی رہائی ناممکن بنا دی گئی اور اسے جے پور جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔

اگلے چند روز تقریباً تمام اخبارات کی خصوصی توجہ کا مرکز وہی رہا۔ امر سنگھ اور وجے کو اس سارے معاملے میں اخبارات کے رویے نے خاصا متوحش کر دیا تھا۔ وہ موجودہ دور میں میڈیا کی قوت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے اس چیز کو انڈر ایسٹمیٹ نہیں کر سکتے تھے۔ وجے نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''امر سنگھ جی! یہ معاملہ تو خاصا پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اخبارات کی نظر کرم ''منشی کیس'' پر اسی رفتار سے جاری رہی تو اس کا بچنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ ان اخبارات کا کوئی علاج ہونا چاہئے۔''

امر سنگھ نے اس سے متفق ہوتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری بات بالکل صحیح ہے لیکن اس کا حل بھی آسان نہیں ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اخبارات کی توجہ کسی دوسرے معاملے کی طرف موڑ دی جائے۔ کوئی ایسا سکینڈل ہو جس کے ذریعے پریس دوسری طرف متوجہ ہو جائے۔''

وجے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد میز پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''آ گئی……ایک ترکیب سمجھ میں آ گئی۔''

امر سنگھ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یار! کبھی تو نیچے بیٹھا کرو۔ پتہ نہیں کب تمہارا الڑکپن ختم ہو گا۔ آخر ایسی کون سی بات ہے جو تم یوں اچھل کود کر رہے ہو؟''

وجے نے اس کی ڈانٹ کی پروا کیے بنا کہا۔ ''حضرت! بات ہی ایسی ہے۔ آپ سنیں گے تو آپ بھی اچھلے بنا نہیں رہیں گے۔''

امر سنگھ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اب منہ سے کچھ پھوٹو گے بھی یا تمہید باندھنے میں مصروف رہو گے۔''

وجے بولا۔ ''میں نے سوچا ہے کہ چند ماہ پہلے ''گلتا جی'' کے تالاب میں ڈوبنے والے بچے ''آکاش'' کے قتل کے بارے میں تمام حقائق پریس تک پہنچا دیئے جائیں۔ مجھے یقین ہے اس سکینڈل کے ذریعے اخبارات کا کئی دنوں تک پیٹ بھر جائے گا۔''

امر سنگھ کی آنکھوں میں بھی چمک سی آ گئی تھی۔ ''بالکل صحیح بات ہے۔ کبھی کبھار تم سے بھی کوئی عقل کی بات سرزد ہو ہی جاتی ہے۔''

وجے برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''مہاراج! اب آپ میری توہین کر رہے ہیں۔ مابدولت کی باتیں ہمیشہ ہی علم و حکمت کے خزینوں سے معمور ہوتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ وہ باتیں صرف اہل دانش کی سمجھ میں آتی ہیں۔''

امر سنگھ نے اس کی لغویات کو درخورِ اعتنا نہ جانتے ہوئے خلیل کو بلوایا۔ اسے ساری صورتِ حال سمجھائی۔ انہوں نے چند آدمیوں کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ بچے ''آکاش'' کو ڈبونے کے وقت لی گئی پراگ اور نیلا دھر کی تصاویر تمام بڑے اخبارات کے دفتر میں پہنچا کر آئیں۔ ان تصاویر کے ساتھ امر سنگھ نے گمنام شخص کے طور پر بچے کے قتل کے اصل حقائق بھی تحریر کر دیئے تھے۔ تصاویر اور مذکورہ خط کی ایک ایک کاپی تمام اخبارات میں بھجوا دی گئیں۔ ''راجستھان پتریکا'' کے چیف ایڈیٹر ''رنبیر جی'' اور ''نو بھارت ٹائمز'' کے بیورو چیف ''ٹی ایس آنند'' کے علاوہ ''نوجیوتی'' کے فیچر رائٹر ''چندا'' تک یہ لفافے پہنچا دیئے گئے تھے۔ ان کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ اگلے روز کے اخبارات میں منشی خان سے متعلقہ خبریں اندرونی صفحات پر منتقل ہو گئی تھیں جبکہ ''آکاش ہتیا کانڈ'' نے جے پور اور آس پاس کے اضلاع میں خصوصی توجہ حاصل کر لی تھی۔ اخبارات کے مطابق پراگ، نیلا دھر کو فوراً گرفتار کر لیا گیا تھا جن سے پولیس تفتیش کر رہی تھی۔ سنسنی خیز انکشافات کی توقع ظاہر کی گئی تھی۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ اب ''معصوم آکاش'' کی شیطان صفت پھوپھیاں پدمنی اور کوشلیا بھی اپنے انجام سے نہیں بچ پائیں گی۔ حالانکہ ان سے حاصل کردہ بلیک میلنگ کی خطیر رقم ابھی بھی وجے اور امر سنگھ کے پاس محفوظ تھی۔

بہرحال اب منشی خان کے خلاف اخباری مہم میں قدرے کمی آ گئی تھی جس سے انہیں بھی تھوڑا سکون میسر آیا تھا لیکن یہ اطمینان قطعی عارضی ثابت ہوا۔ کچھ روز تو وہ دونوں مکمل طور پر زیرِ زمین رہے تھے۔ انہوں نے ہر قسم کی سرگرمیوں سے ہاتھ کھینچ لیا تھا کیونکہ بجرنگ دَل کی قیادت کے قتلِ عام نے پورے صوبے میں ہیجانی سی فضا پیدا کر رکھی تھی اور ماحول میں انتہائی کشیدگی تھی۔ خود ان کے اعصاب بھی کافی بوجھل تھے۔ چند روز بعد اس کشیدگی میں کچھ کمی آئی

تو امر سنگھ بولا۔

''اب ہمیں باہر نکل کر لکشمی اور اس کے بچوں کی بھی خبر لینا چاہئے تاکہ اس کام سے فارغ ہو کر وطن عزیز جانے کی سوچیں۔''

وجے نے بھی اس کی رائے سے اتفاق کیا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی گاڑی مانوس راستوں پر رواں دواں تھی۔ راستے میں بھی موجودہ حالات اور مستقبل کے خدشات کا تجزیہ جاری رہا۔ لکشمی کے گھر میں داخل ہوتے ہی ان کے اندیشے حقیقت کا روپ دھارے نظر آئے۔

○.....❖.....○

گھر میں قبرستان کا سا سناٹا طاری تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی بغیر کسی تمہید کے لکشمی نے بتایا۔ ''گزشتہ روز علی کی رحم کی اپیل خارج ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے 'ڈیتھ وارنٹ' (جسے جیل کی مروجہ زبان میں 'بلیک وارنٹ' کہتے ہیں) بھی جاری ہو گئے ہیں۔ 29 اکتوبر کی صبح اسے پھانسی دے دی جائے گی۔ عمر اور کرن کے لئے بسکٹ اور ٹافیاں لانے والے ہاتھوں کو منوں مٹی تلے دبا دیا جائے گا اور.....''

وجے اور امر سنگھ کو اس کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں سہمی ہوئی نظروں سے اپنی ماں کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ ''وجے بھیا! زندگی کے میلے ہمیشہ جنازوں کے جلوسوں کی شکل کیوں اختیار کر لیتے ہیں؟''

وجے بھلا اس مظلوم عورت کو کیا جواب دیتا۔ وہ لکشمی کی ذہنی حالت کا بخوبی اندازہ کر سکتا تھا۔ اسے علم تھا کہ کوئی ایسا آدمی جس سے گہرا تعلق ہو اگر مر جائے تو اس کے ساتھ ہی جینے والے کی زندگی کا ایک حصہ بھی مر جاتا ہے۔ اس وقت وجے اور امر سنگھ کی اپنی ذہنی حالت بھی زیادہ اچھی نہیں تھی۔ لکشمی کے سپاٹ چہرے پر ایسے بہت سے سوالات تھے جن کا جواب فی الحال ان کے پاس بھی نہ تھا۔ دونوں بچوں کی معصوم آنکھیں ان پر جمی تھیں اور وجے کو لگ رہا تھا کہ وہ لوگ اگر تھوڑی دیر اور وہاں بیٹھے رہے تو ان پتھرائی ہوئی نگاہوں کی تپش اسے پاگل کر دے گی۔

وہ ان کمسن فرشتوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ دنیا میں ظالموں کے روپ ہزار ہو سکتے ہیں لیکن مظلوم کی شکل ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ امر سنگھ نے جلد ہی اپنے اوپر قابو پا لیا تھا اور اپنی کسی حرکت سے اپنے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ اس نے علی کے والد کمال الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کمال صاحب ہمت سے کام لیں۔ اگر آپ اور لکشمی بھی ہمت ہار بیٹھے تو ان بچوں کا

کیا ہوگا؟ ابھی انتیس اکتوبر میں پورے سولہ دن باقی ہیں اتنے عرصہ میں تو بڑے سے بڑے مسئلہ کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں، خدا بہتر کرے گا۔''

امر سنگھ کی گفتگو قدرے بے ربط ہوگئی تھی دورانِ گفتگو وہ لکشمی کے لئے کبھی ''آپ'' اور کبھی ''تم'' کا لفظ استعمال کر رہا تھا جس سے اس کے ذہنی دباؤ کی عکاسی ہو رہی تھی لیکن اس کی تسلی بھری گفتگو سن کر چند ثانیوں کے لئے لکشمی کے چہرے پر اطمینان چھا گیا تھا۔ شاید مصائب و آلام کے بھنور میں ڈوبتے ہوئے اسے تنکے کا سہارا مل گیا تھا۔ شاید یہ بھی زندگی کا ایک تاریک پہلو ہے کہ ہر ڈوبنے والے کو تنکے کے سہارے کی آس ہوتی ہے جبکہ خود تنکے کے مقدر میں کوئی سہارا نہیں ہوتا۔

امر سنگھ نے شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر لکشمی کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''رومت لکشمی بہن! جن بہنوں کے بھائی زندہ ہوں وہ روتے ہوئے عجیب لگتی ہیں۔ ان آنسوؤں کو سنبھال کر رکھو یہ تو بھائیوں کی موت پر بہائے جاتے ہیں۔'' اس کے بعد وہ بچوں سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ نامعلوم یہ امر سنگھ کی تسلی تھی یا لکشمی کے ایمان کا کرشمہ کہ اب اس کا چہرہ جذبات سے قطعی عاری تھا۔ اس کے لہجے میں بھی ٹھہراؤ آ گیا تھا۔

''امر سنگھ بھیا! آپ ٹھیک کہتے ہیں فقط رونے دھونے سے بھی کبھی مسائل کا خاتمہ ہوا ہے؟ مصائب تو ہمت ہی سے برداشت کئے جاتے ہیں۔ آپ بتائیں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یقین مانیں اپنے علی کے لئے میں اپنی اور اپنے بچوں کی جان تک قربان کر سکتی ہوں۔''

وجے کو اس کی یہ بات سن کر قدرے اطمینان ہوا تھا۔ ''بہن! آپ کو کچھ بھی نہیں کرنا سوائے حوصلہ کرنے کے ہم خود سارے معاملات کو سنبھال لیں گے۔ خدا نے چاہا تو تمہارے علی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔''

واپس آتے ہوئے وجے کو اپنی اس لاف زنی پر کچھ رنج بھی ہوا تھا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ اگر وہ لوگ اپنی بات کو نہ نبھاہ پائے تو اس کنبے کو دوہرا صدمہ ہوگا اور وہ زندہ درگور ہو جائیں گے کیونکہ اب وہ علی کی موت کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں تھے واپسی کے سفر میں وجے نے بات کی ابتدا کی۔

''مہاراج! کیا خیال ہے اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا ہوگا؟''

امر سنگھ بولا۔ ''فی الحال باقی تمام معاملات کو پسِ پشت ڈال کر ساری توجہ اسی بارے میں صرف کریں گے۔ سب سے پہلے ہمیں جے پور سینٹرل جیل کے اندرونی ماحول سے

آ گاہی حاصل کرنی ہوگی۔اس کے بعد اگلا مرحلہ آئے گا۔"

وجے نے بھی جواب میں چند تجاویز پیش کیں۔خلیل نے ایک ہی روز میں انہیں علی اور جیل کے اندر کے بارے میں مطلوبہ معلومات مہیا کر دیں۔تفصیلات کے مطابق علی کی رحم کی اپیل خارج ہوتے ہی اسے پھانسی کوٹھڑی نمبر 27 سے تیس نمبر میں منتقل کر دیا گیا تھا۔جے پور جیل میں ساٹھ پھانسی کوٹھڑیاں تھیں جن میں سے ایک سے اٹھائیس نمبر تک کوٹھڑیاں ایک ہی قطار میں تھیں جبکہ تیس فٹ کے فاصلے پر ان کے سامنے 33 نمبر سے ساٹھ تک کوٹھڑیاں تھیں۔البتہ 29 سے 32 نمبر چار کوٹھریاں الگ تھیں ان چاروں میں صرف ان افراد کو رکھا جاتا تھا جن کے بلیک وارنٹ جاری ہو چکے ہوں اور پھانسی کی تاریخ بھی طے ہو چکی ہو۔دیگر ضروری معلومات میں جیل کے حفاظتی انتظامات اور اس کے افسران کے بارے میں مبنی تفصیلات تھیں۔وجے نے یہ سب سننے کے بعد کہا۔

"مجھے تو یہی سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنے کام کی ابتدا کہاں سے کریں گے۔یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے کیونکہ جے پور جیل کی نوے سالہ تاریخ میں کوئی بھی پھانسی کا ملزم فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"

امر سنگھ کچھ دیر کھڑکی سے باہر پھولوں کی طرف متوجہ رہا پھر بولا۔"ارے یار، اتنے ناامید کیوں ہو۔ہمارے لئے یہ سچویشن نئی ہونے کے باوجود پریشان کن نہیں ہونی چاہئے اور پھر تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس وقت ہم لوگ قانون کے محافظ نہیں بلکہ مقامی معاشرے کے "ملزم" ہیں۔پولیس یا جیل انتظامیہ کے مقابلے میں ہمیں "پہل" کرنے کا بنی فٹ حاصل ہے۔ملزم کی حیثیت سے ہم اپنے کسی بھی "انشی ایٹو" کے ذریعے کوئی سی بھی صورتِ حال پیدا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔اس لئے میرے خیال میں یہاں کے قانون کے مقابلے میں ہمیں بالادست فریق کا مقام حاصل ہے اور ایک دوسری بات ذہن میں رکھو۔کوئی سا بھی سنگین جرم کر لینا قطعی مشکل نہیں البتہ جرم کے ارتکاب کے بعد اپنے آپ کو قانون کی گرفت سے محفوظ رکھنا ہی اصل اور اہم مرحلہ ہوتا ہے۔کیونکہ اپنے ملک میں کوئی بھی شخص ہمیشہ کے لئے قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتا لیکن یہاں ہماری صورتِ حال قطعی مختلف ہے۔ہمیں صرف علی کو فرار کرانا ہے۔اس کے فوراً بعد ہم لوگ پاکستان چلے جائیں گے جہاں ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

اگلے کچھ روز تک ان کی توجہ کا مرکز جیل ہی رہی تھی۔مختلف منصوبے زیر بحث آئے اور ان میں کاٹ چھانٹ کا عمل جاری رہا۔علی کی پھانسی کے دن سے دو روز قبل یعنی 27 اکتوبر کو

دیوالی کا تہوار تھا اور ان کی خواہش تھی کہ تب تک اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنا دیں۔ وہ منشی خان سے ملاقات کے لئے جیل نہیں گئے تھے اور ایسا انہوں نے صرف احتیاط کو مدِنظر رکھتے ہوئے کیا تھا ورنہ خلیل نے تو انہیں پیشکش بھی کی تھی کہ وہ انہیں جیل میں منشی سے ملوانے کا بندوبست کر سکتا ہے لیکن امر سنگھ کے نزدیک یہ احمقانہ دلیری بلکہ دیدہ دلیری انہیں مہنگی بھی پڑ سکتی تھی اور وہ فی الحال اس قسم کے احمقانہ رسک کے موڈ میں نہیں تھے۔ البتہ خلیل کے ذریعے منشی خان سے ان کے پیغامات کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا جس سے انہیں اس کی خیریت معلوم ہوتی رہتی تھی۔ خلیل کے ذریعے ہی ان کے درمیان علی کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا تھا۔ منشی نے یقین دلایا تھا کہ وہ اس کام میں پورا تعاون کرے گا۔

جیل میں منشی خان پورے دھڑلے سے رہ رہا تھا۔ اگرچہ قانونی طور پر تو جیل میں سی کلاس ہی دی گئی تھی اور اسے سات نمبر حوالاتی وارڈ میں رکھا گیا تھا جہاں صرف زیرِ سماعت مقدمات کے ملزمان بند تھے مگر اسے وہاں ایک خاص احترام حاصل تھا۔ جیل حکام کا رویہ بھی کافی بہتر تھا۔ خصوصاً جیل سپرنٹنڈنٹ شانتی لعل اس کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اسے وہ تمام سہولتیں میسر تھیں جو جیل میں بند کسی بھی ملزم کا آئیڈیل ہو سکتی ہیں۔

خلیل کے بقول اس اچھے رویے میں جیل افسران کے اپنے مفادات پوشیدہ تھے کیونکہ اس سے پہلے جیل میں افسران سے زیادہ ''سردار گینگ'' کا حکم چلتا تھا۔ ان کا دبدبہ اس حد تک تھا کہ کسی جیلر کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ اس گروپ سے پوچھے بنا کسی عام سے قیدی کو بھی ایک بیرک سے دوسری بیرک میں منتقل کر سکے۔ یہ گروہ پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ یہ پانچوں ملزمان دہلی سے تعلق رکھتے تھے اور قتل اور ڈکیتیوں کی پچاس سے زیادہ وارداتوں میں ملوث تھے اور ان کے مقدمات دہلی، ہریانہ اور یوپی کی مختلف عدالتوں میں زیرِ سماعت تھے لیکن اس گروہ کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ تقریباً تمام مقدمات کی کارروائی ان کے حق میں جا رہی تھی۔ بشمول پولیس افسران کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ ان کے خلاف گواہی دیتا۔ اس گروہ میں سردار بخشیں سنگھ، سردار بلدیو سنگھ، بلونت سنگھ اور ایک گورکھا رام بہادر سنگھ شامل تھا۔ ان کا سرغنہ سردار ''سردار اسنگھ'' تھا۔ ''یہ دہلی کے علاقے لاجپت نگر کا رہنے والا تھا۔ یہ پانچوں سابق فوجی تھے اور پچیس سے پینتیس سال کی عمر کے تھے۔ ان لوگوں نے بڑے سلیقے سے فوج سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی یا طبی بنیادوں پر اپنے ''ان فٹ'' ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے فوج سے چھٹکارا پا لیا تھا۔ جس کے بعد پانچوں منظم ڈھنگ سے ڈاکوں میں مصروف ہو گئے تھے اور بہت ہی تھوڑے عرصے میں شمالی بھارت کے نامی ڈاکوؤں میں اپنا

مقام بنالیا تھا۔

1982ء کی جنوری میں ہریانہ میں ''سونی پت'' کے مقام پر ایک ریٹائرڈ میجر جنرل ''اجیت سنگھ دوگل'' کے ہاں ڈاکے کے دوران انہیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں یہ بھی شدید زخمی ہوگئے تھے اور انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ اجیت سنگھ دوگل انتہائی بارسوخ شخص تھا۔ خود ریٹائرڈ جنرل ہونے کے علاوہ اس کا چھوٹا بھائی فوج کی پریذیڈنٹ گارڈ میں بریگیڈیئر تھا جبکہ دوگل کا بڑا بیٹا اشوک سنگھ دوگل ہریانہ پولیس میں سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا۔ اس لئے ان پانچوں افراد کی ضمانت وغیرہ کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔ ڈیڑھ ماہ زیر علاج رہنے کے بعد ان کے زخم صحیح ہوگئے تھے البتہ ان کی فوری رہائی کی صورت ناپید ہوگئی تھی اس لئے انہیں تہاڑ جیل دہلی میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی بے مثل دلیری اور آپسی اتفاق کی بناء پر جلد ہی جیل میں بھی اپنی حیثیت منوالی تھی۔ یہ لوگ جیل میں شہزادوں کی طرح رہتے تھے اور جیل سپرنٹنڈنٹ تک سے جگا ٹیکس وصول کرتے تھے۔ جیل حکام نے جیل میں ان پر بے حد سختی بھی کی لیکن ان پر کوئی خاص اثر نہ ہوا لیکن ان کا رویہ روز بروز شدت اختیار کرتا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ یہ جب چاہتے سپرنٹنڈنٹ کے جیل کے دورہ کے دوران جس افسر کی چاہتے ماں بہن ایک کر دیتے۔ ان پر ہر طرح کا تشدد کر کے دیکھ لیا گیا تھا مگر ان کی رفتار بے ڈھنگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ انہیں دہلی، ہریانہ، مدھیہ پردیش اور یوپی کی تقریباً تمام قابلِ ذکر جیلوں میں ٹرانسفر کیا جاتا رہا لیکن کسی بھی جیل کے حکام ان پر ڈسپلن لاگو نہ کر پائے جس کے نتیجے میں افسران نے اپنی شکست لاشعوری طور پر تسلیم کر لی تھی۔ تمام قیدی اور عملے کے ارکان ان کی خوشنودی کا خاص خیال رکھتے۔ پچھلے ماہ سے یہ لوگ جے پور جیل میں بند تھے اور یہیں سے دہلی وغیرہ میں اپنے مقدمات کی پیشیوں کے لئے جاتے تھے۔ پوری جیل میں ان کے نام کا سکہ چلتا تھا۔

منشی خان بھی پہلے روز جس دن جیل میں آیا تو اتفاق سے اسے سات نمبر وارڈ کی بیرک نمبر تین میں بند کیا گیا۔ منشی کے لئے جیل کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس میں بھی ایک خاص قسم کی خود اعتمادی موجود تھی۔ شام کو گنتی بند ہونے کے بعد سردارا سنگھ نے حسبِ معمول جب نئے آنے والوں سے تعارف حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو اسے حیرانی ہو رہی تھی کہ آج اکثر ملزمان اس کونے کی طرف تھے جدھر نووارد حوالاتی منشی خان کا بستر تھا۔ سردارا سنگھ کی حیرت آہستہ آہستہ طیش میں تبدیل ہوتی گئی۔ اس نے بیرک کے نمبردار ''راگناتھ'' کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ راگناتھ نے قریب آ کر پوچھا۔

''سردار جی! کیا حکم ہے۔''

سردار اسنگھ اسے غلیظ گالی دیتے ہوئے بولا۔''ابے حرامی کی اولاد! اتنے دور سے پوچھ رہے ہو۔ کیا میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں جو تمہیں وہاں آ کر بتاؤں کہ کیا کرنا ہے۔''

راگناتھ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔''سردار جی! میں تو آپ کے قدموں میں موجود ہوں۔ بتائیں آپ کی کیا سیوا کروں؟''

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس وقت روزانہ نئے آنے والے میرے سامنے حاضری دیتے ہیں۔''

راگناتھ نے کہا۔''معلوم ہے سرکار!''

''تو پھر تم نے اپنے اس سسرے کو یہاں کیوں نہیں پیش کیا۔'' سردار سنگھ کا واضح اشارہ منشی خان کی طرف تھا۔ تقریباً سبھی بیرک اب سردار اسنگھ اور راگناتھ کی طرف متوجہ تھی۔

راگناتھ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''سردار جی! وہ منشی خان ہیں۔''

سردار کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔ راگناتھ کے منہ پر زور سے تھپڑ رسید کرتے ہوئے بولا۔''تیری..... وہ منشی خان ہو یا منشی رام اس حرامی کو بلا کر لاؤ اور تم دونوں ڈبے سے پتی چینی لے کر ہمارے لئے چائے بناؤ۔''

راگناتھ خوفزدہ نگاہوں سے کبھی سردار اسنگھ کی طرف دیکھتا اور کبھی اس کی نگاہیں منشی خان پر جا ٹکتیں۔ اس ہنگامے نے منشی خان کو بھی ان کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ راگناتھ بوجھل قدموں سے منشی خان کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

''خان صاحب! آپ کو سردار جی بلا رہے ہیں، ذرا ان کو چائے بنا کر دے دیں۔''

منشی خان ہکا بکا سا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ اس نے سنا ہے راگناتھ وہی کہنا چاہتا تھا۔

○.....❖.....○

باب:8

ساری بیرک پر سناٹا سا چھا گیا تھا کیونکہ اکثر ملزمان کا غائبانہ تعارف منشی خان سے تھا جبکہ ''سردارا گینگ'' کے لچھنوں کے تو وہ سبھی چشم دید گواہ تھے ہی۔ سبھی جانتے تھے کہ آئی جی جیل خانہ جات تک ان کے منہ لگنے سے پرہیز کرتا تھا کیونکہ وہ پانچوں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی پگڑی اچھالنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے اور بڑے سے بڑا تشدد بھی ان کے حوصلوں کو زیر نہیں کر سکا تھا۔ منشی خان کچھ دیر پلکیں جھپکائے بغیر سردارا کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر ایک بے نام سے مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اپنے بستر سے کھڑا ہو کر نپے تلے قدموں سے سردارا سنگھ کی طرف بڑھا۔ سردارا سنگھ اسے نظر انداز کرتے ہوئے راگناتھ سے بولا۔

''ابے پنڈت! تُو کھڑا کیا منہ دیکھ رہا ہے۔ آگے بڑھ اور اس نئے پنچھی کے ساتھ مل کر چائے بنا۔ جسم بہت ٹوٹ رہا ہے۔'' اتنی دیر میں منشی ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔ راگناتھ کے چہرے پر عجیب سی مردنی چھا گئی تھی۔ اس نے سردارا سنگھ کے سرہانے رکھے ٹین میں سے چائے کی پتی اور چینی نکالی اور نیچے بیٹھ کر لوہے کے چولہے میں لکڑیاں جلانے لگا۔ منشی خان پاس کھڑا دلچسپ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ تبھی سردارا سنگھ غرایا۔ ''ابے سالے! میرا منہ کیا تک رہے ہو، نیچے بیٹھ کر راگناتھ کا ہاتھ بٹاؤ۔''

منشی خان بھی شاید موجودہ صورتِ حال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آگے بڑھ کر بولا۔

''راگناتھ جی! میرے لئے کیا آدیش ہے، مجھے بھی کوئی کام بتائیں۔''

راگناتھ خوفزدہ نگاہوں سے منشی خان کو دیکھ کر رہ گیا۔ اس کا چہرہ عجیب بے بسی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ وہ کبھی سردارا سنگھ کی طرف دیکھتا اور کبھی اس کی سہمی نگاہیں منشی کی طرف اٹھ جاتیں۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے پھر سردارا سنگھ کو مخاطب کیا۔ ''سردار جی! آپ لوگ چند دنوں سے پیشی بھگتنے کے لئے بھوانی (ہریانہ) گئے ہوئے تھے اس لئے یہاں کے حالات

سے لاعلم رہے ہیں۔ آپ لوگ آج ہی پیشی سے واپس آئے ہیں اس لئے منشی خان جی سے واقف نہیں ہیں۔''

سردار اسنگھ نے کوئی جواب نہ دیا تھا مگر اس کی آنکھوں اور چہرے کی بدلتی رنگت اس بات کا مظہر تھی کہ اسے راگناتھ کی بات قطعی پسند نہیں آئی۔ اسی دوران راگناتھ منشی کی طرف متوجہ ہوا۔ ''خان صاحب! آپ رہنے دیں میں خود ہی چائے بنا لیتا ہوں، آپ چل کر بیٹھیں۔''

سردار اسنگھ کے چاروں ساتھی صورتِ حال سے بے نیاز ایک کونے میں کمبل بچھائے تاش کی بازی میں مست تھے لیکن اب سردار اسنگھ اپنا دھیرج کھو چکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر راگناتھ کی پسلیوں میں زوردار ٹھوکر رسید کی۔

''ابے پنڈت کی اولاد! تم نے سنا نہیں کہ میں نے کیا کہا تھا۔ کیا یہ اٹھائی گیرا تمہاری بہن کا خاوند ہے جو تم اسے کام نہیں کرنے دے رہے۔''

درد کی شدت سے راگناتھ کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی لیکن اس نے ضبط کرتے ہوئے پانی کے نیچے آگ جلا دی تھی اور خاموش بیٹھا اپنی پیٹھ سہلا رہا تھا۔ سردار اسنگھ نے منشی کو ایک غلیظ گالی دیتے ہوئے اس کی طرف قدم بڑھائے۔ اب منشی خان کے چہرے سے بھی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی اور اس کی جگہ کرخت سنجیدگی لے چکی تھی۔

''سردار جی! ہوش کے ناخن لو، یہ تمہارے باپ کی جاگیر نہیں بلکہ جیل خانہ ہے۔ تم خواہ مخواہ ہنگامہ آرائی پر تلے ہوئے ہو۔'' اس کے لہجے میں ابھی تک شائستگی کا عنصر موجود تھا مگر سردار اسنگھ کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

''ابے دو ٹکے کے وارداتیے! تمہاری یہ جرأت کہ سردار اسنگھ کے سامنے زبان چلاؤ۔'' اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ منشی پر اٹھ گیا تھا لیکن اسے حسرت ہی رہی کہ منشی کے منہ پر تھپڑ رسید کر سکے۔ منشی نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا تھا کہ وہ ذبح ہونے والے بکرے کی طرح چیخ پڑا۔ حلق سے نکلنے والی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ ''ابے حرامی! تُو نے میرا بازو کندھے سے اکھاڑ دیا ہے۔ اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' حقیقتاً اس کے بازو کا جوڑ شانے سے اکھڑ گیا تھا۔ اس کی زبان پر مغلظات اور چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے جبکہ منشی یوں خاموش کھڑا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اب سردار اگینگ کے باقی لوگوں کو بھی معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا اور وہ چاروں تاش چھوڑ کر منشی کی طرف لپکے تھے۔ ان کا انداز بڑا خونخوارانہ تھا لیکن انہیں شاید اندازہ نہیں تھا کہ ان کا مدِمقابل کوئی عام سا بدمعاش نہیں ہے۔

جونہی وہ اس کے قریب پہنچے منشی نے پلک جھپکتے میں چائے کے لئے رکھے ابلتے ہوئے پانی کا ڈبہ اٹھا کر سارا پانی ان کے چہروں پر پھینک دیا تھا۔ ان کے منہ سے نکلنے والی آوازیں بڑی دردناک تھیں۔ ابلتے ہوئے پانی نے چشم زدن میں ان کے جسم کے اکثر حصوں کو آبلوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ زخموں کی جلن سے وہ زمین پر ماہی بے آب کی مانند لوٹ رہے تھے۔ جبکہ سردار اسنگھ اپنی جگہ پر بت کی طرح ساکت ہو گیا تھا۔ وہ چند ثانئے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی حالتِ زار دیکھ رہا تھا اور جب صورتِ حال پوری طرح اس کی سمجھ میں آئی تو وہ جنونی انداز میں منشی خان کو گالیاں دینے لگا۔ منشی خان کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

اسی دوران باہر ڈیوٹی پر موجود سنتری نے سیٹی بجادی تھی جس کے جواب میں جیل میں چاروں طرف تسلسل کے ساتھ خطرے کی سیٹیاں بجنے لگیں اور چند لمحوں بعد پوری فضا جیل کے الارم کی بے ہنگم آواز سے گونج اٹھی۔ جیل کے اندر خطرے کا الارم انتہائی خطرے کی حالت میں بجایا جاتا ہے اور الارم کے دوران جیل حکام پوری قوت سے حالات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دوران اگر دس قیدی بھی جان سے مار دیئے جائیں تو جیل حکام پر کوئی خاص حرف نہیں آتا بلکہ سرسری سی محکمانہ تحقیقات کے بعد معاملہ داخل دفتر کر دیا جاتا ہے۔

اتنی دیر میں سردار اسنگھ اور اس کے ساتھی بھی پہلے جھٹکے سے کچھ سنبھل گئے تھے۔ سردارا سنگھ اور رام بہادر سنگھ نے اپنے ٹینوں میں سے پستول نکال لئے اور ان میں گولیاں بھرنے لگے۔ باقی تینوں چھوٹی چھوٹی کرپانیں نکال کر منشی کے قتل کے ارادے ظاہر کر رہے تھے مگر سردار اسنگھ کو چھوڑ کر باقیوں کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ زخموں کی جلن نے انہیں بے حال کر رکھا تھا اور لاکھ ضبط کے باوجود ان کے منہ سے بار بار سسکیوں کی آواز نکل رہی تھی۔ منشی خان نے اس صورتِ حال کا مکمل فائدہ اٹھایا اور آگے بڑھ کر ان چاروں کے منہ پر زوردار ہاتھ رسید کئے جس سے ان کے سارے کس بل نکل گئے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سردار اسنگھ کا دوسرا ہاتھ پکڑا اور اپنا پورا بوجھ اس کے بازو پر ڈال کر اس کا ہاتھ دبا دیا۔ کڑک کی آواز کے ساتھ کہنی کے جوڑ سے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ سردار جی مہاراج کی چیخ بڑی دردناک تھی مگر اب منشی پر مکمل وحشت سوار تھی۔ اس نے سردارا سنگھ کے دوسرے شکستہ بازو کا بھی وہی حشر کیا۔ سردارا سنگھ کی چیخ و پکار کے باوجود منشی کی وحشت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس نے چند لمحوں میں سردارا جی کی دونوں ٹانگیں بھی گھٹنوں کے پاس سے توڑ دی تھیں۔ راگناتھ سمیت بہت سے کمزور دل ملزمان دہشت سے

تقریباً بے ہوش ہو گئے تھے۔ جبکہ باقی ملزمان بھگوان سے شانتی کی پرارتھنا کر رہے تھے کیونکہ ان کے خیال میں منشی خان میں کسی راکشش کی روح حلول کر گئی تھی۔

اتنی دیر میں بڑی تعداد میں پولیس کے جوان وارڈ میں داخل ہو کر بیرک کے گرد پھیل گئے تھے۔ جیل سپرنٹنڈنٹ کی سرکردگی میں جیل کا پورا عملہ بھی باہر کھڑا سرگوشیوں کے ذریعے آئندہ حکمتِ عملی کی تشکیل میں مصروف تھا۔ ہیڈ وارڈن نے آگے بڑھ کر بیرک کا تالا کھول دیا اور چیف ہیڈ وارڈن کی معیت میں بہت سے سپاہی رائفلیں تانے بیرک کے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہتھیاروں کا رُخ اب منشی خان ہی کی طرف تھا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے باہر سے میگافون پر تمام قیدیوں کو وارننگ دی کہ اگر کسی نے گڑبڑ کی کوشش کی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ منشی سے کہا گیا کہ وہ ہاتھ اوپر اٹھا کر بیرک سے باہر نکل آئے۔ منشی خان نے حکم کی تعمیل کی۔ جیل سپرنٹنڈنٹ شانتی لعل نے سخت لہجے میں منشی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے یہ کیا غنڈہ گردی مچا رکھی ہے۔ تم لوگ ہماری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہو۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کو حکم دیا کہ منشی خان کو بیڑی لگا کر پھانسی کوٹھڑیوں میں منتقل کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس بیرک سمیت تمام جیل کی سخت تلاشی لی جائے اور قیدیوں کے پاس موجود کسی بھی قسم کا ہتھیار چاقو، چھری یا نشہ آور اشیاء قبضے میں لے لی جائیں اور تاحکم ثانی ہر ملزم کی بیرونی ملاقات بند کر دی جائے۔'' اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے اس نے حکم دیا۔ ''ہر قیدی سے چائے کا سامان وغیرہ ہر چیز قبضے میں کر لی جائے۔ یہ لوگ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔'' فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور منشی خان کو کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ یہ کال کوٹھریاں منشی خان کے لئے نئی نہیں تھیں کیونکہ ان سے اس کی آشنائی برسوں سے تھی۔

رات کو سونے کے لئے بستر (جو ایک دری اور چند کمبلوں پر مشتمل تھا) پر لیٹتے ہوئے اس کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ آج شام کا جھگڑا زیادہ مہنگا نہیں رہا کیونکہ اسے علم تھا کہ علی بھی ان ہی کوٹھڑیوں میں بند ہے۔ جس کی زندگی کے دن گنے جا چکے ہیں مگر جس کی آزادی کے لئے وجے اور امر سنگھ کسی بھی حد تک جانے کے لئے تلے بیٹھے ہیں اور منشی خان اس معاملے میں معاونت کا عہد کر چکا ہے۔ وہ کافی دیر اسی موضوع کے بارے میں سوچتا رہا۔ تب اس نے آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کی مگر باہر سے آنے والی گانے کی بے جے آواز سر پر ہتھوڑے برساتی محسوس ہو رہی تھی۔ باہر کوئی صاحب ''محبت کی

جھوٹی کہانی پر روئے، بڑی چوٹ کھائی جوانی پر روئے۔'' کی گردان میں مصروف تھے۔ منشی خان دل پر پتھر رکھ کر لتا منگیشکر کی مٹی پلید ہوتے دیکھتا اور سنتا رہا لیکن باہر موجود شخص کوئی زیادہ ہی دل جلا محسوس ہو رہا تھا یا پھر ''فنکار'' گھرانے سے تعلق رکھتا تھا البتہ کچھ دیر بعد خاموشی چھا گئی۔ منشی خان نے اطمینان کا سانس لیا اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا مگر باہر موجود مہاشے جی اب مکیش کی راکھ اڑانے پر آمادہ نظر آتے تھے۔ ''مجھ کو اس رات کی تنہائی میں آواز نہ دو، آواز نہ دو۔'' کی رٹ بلند ہوتی جا رہی تھی۔ منشی خان بھنا کر کھڑا ہو گیا اور دروازے کی سلاخوں کے پاس آ کر سخت لہجے میں بولا۔

''ابے او تان سین کے بچے! اِدھر سامنے آ کر ذرا بات سننا۔'' یک دم خاموشی چھا گئی تھی چند لمحوں بعد بڑھے ہوئے پیٹ کا ایک حوالدار پاؤں پٹختا ہوا سامنے آ کر چلایا۔

''ابے کیا بات ہے کیوں شور مچا رہے ہو؟''

منشی خان نے سختی کے ساتھ اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''او حوالدار جی! تم آرام سے ڈیوٹی نہیں دے سکتے۔ کیوں حلق پھاڑ رہے ہو۔''

حوالدار موصوف کا سیاہ چہرہ غصے میں مزید سیاہ ہو گیا تھا۔ اسے موسیقی کی اس ناقدری پر شدید رنج ہوا تھا اور تھوڑی دیر میں اس کا یہ رنج طیش میں تبدیل ہو گیا تھا۔ دروازے کے پاس آ کر دھاڑا۔

''ابے کون ہے تُو، تیری تو ایسی.....'' لیکن اس کے الفاظ درمیان ہی میں اٹک گئے تھے۔ شاید اس نے منشی خان کو پہچان لیا تھا۔ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''نمستے خان صاحب! یہ آپ ہیں مجھے معلوم نہ تھا۔ منشی خان جی! آپ تو جانتے ہی ہیں ہم غریبوں کے پاس سوائے ذہنی پریشانیوں کے ہوتا ہی کیا ہے۔ ان ہی ذہنی الجھنوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے الٹے سیدھے بول گنگنا رہا تھا۔''

منشی خان بھی نرم لہجے میں بولا۔ ''اچھا تو یہ تم ہو حوالدار مول سنگھ! کہو تمہارا کیا حال ہے؟''

مول سنگھ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ''مہاراج! ہمارے حال کیا ہونے ہیں۔ پریشانیوں کی ایک طویل رام کہانی ہے آپ سن کر کیا کریں گے؟''

منشی خان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''نہیں بتاؤ تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ شاید میں تمہاری کچھ سہائتا کر سکوں۔''

مول سنگھ ہمدردی پا کر پھوٹ پڑا۔ ''منشی جی! آپ کو علم نہیں میں پانچ بہنوں کا اکلوتا

بھائی ہوں۔ پتا جی تو عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں۔ البتہ بوڑھی ماں زندہ ہے۔ بڑی چار بہنوں کی شادی تو کر چکا ہوں۔ اگر چہ اس چکر میں خود وقت سے پہلے بوڑھا ہو چکا ہوں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مجھ پر تو جوانی کا دور آیا ہی نہیں۔ غمِ روزگار کے سبب لڑکپن کے بعد اگلا قدم براہِ راست بڑھاپے کی دہلیز پر پڑا تھا۔ خیر یہ صرف مجھ اکیلے کا مسئلہ نہیں بلکہ نچلے غریب طبقے کے اکثر افراد اس المیے کا شکار ہوتے ہیں۔ بہر حال بہنوں کی شادی کے سلسلے میں بال بال قرضے میں جکڑا ہوا ہے۔ چھوٹی بہن بھی جوان ہو چکی ہے۔ اس کی شادی بچپن میں ہی اپنے ملنے والوں میں طے کر دی تھی۔ مگر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ وہ لڑکا بڑا ہو کر گزشتہ ایک برس سے سینٹرل ریزروفورس میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے طور پر بھرتی ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔ کہتا ہے اگر جہیز میں 50 ہزار روپے نہیں دیئے گئے تو وہ میری بہن کو طلاق بھجوا دے گا۔ میں نے اور میری بوڑھی ماں نے ان لوگوں کے آگے ہاتھ بھی جوڑے ہیں کہ ہمارے پاس تو رہنے کے لئے جھونپڑا تک اپنا نہیں ورنہ وہ مکان بیچ کر ہی بہن کو وداع کر دیتے۔ مگر انہوں نے ایک نہیں مانی۔ میں نے اس لڑکے سے کہا بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا اسے اپنی تنخواہ میں سے 500 روپے ماہانہ بطور جہیز دیتا جاؤں گا مگر اس کا کہنا ہے کہ وہ قسطوں میں جہیز نہیں لے سکتا۔ ویسے بھی اس کے خیال میں میرے جیون کا کیا بھروسا ہے اگر میں کل کلاں کو مر گیا تو وہ جہیز کے بقایا پیسے کہاں سے وصول کرے گا۔ خاں صاحب! تم جانتے ہو کہ ہم ہندوؤں میں عورت دوسری شادی نہیں کر سکتی۔ اگر اس نے میری بہن کو طلاق بھجوا دی تو اس ابھاگن کے ساتھ میں بھی جیتے جی مر جاؤں گا۔''

منشی خان کو بھی سن کر افسوس ہوا تھا۔ ''مول سنگھ! چنتا نہ کرو۔ مالک پر بھروسا رکھو۔ تمہارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ وہ کسی طرح یقیناً تمہاری مدد کرے گا۔''

مول سنگھ کے لہجے میں بے یقینی اور مایوسی کا تاثر گہرا تھا۔ ''خان جی! بھگوان پر سے بھی وشواس اٹھتا جا رہا ہے۔ وہ بھی ہم جیسوں کی نہیں سنتا۔ میں نے تو بھگوان بدل کر بھی دیکھ لئے ہیں۔ پہلے صرف رام کی پوجا کرتا تھا۔ پچھلے چھ ماہ میں وشنو اور شیو کو بھی آزما کر دیکھ لیا ہے بلکہ پچھلے ماہ کی آدھی تنخواہ تو ''کرشن کنہیا'' کی نئی مورتی خریدنے میں ضائع ہو گئی ہے مگر مرلی والے نے بھی کوئی چمتکار نہیں دکھایا۔''

منشی خان نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ اس کی بھرپور مالی اعانت کرے گا اور اس کی بہن کی شادی کا مکمل خرچہ خود برداشت کرے گا۔ اس کے باوجود اگر اس کے بہنوئی نے کوئی نخرے دکھائے تو منشی کے آدمی ہلکی پھلکی ٹھکائی کے ذریعے اس کا دماغ

ٹھکانے پر لے آئیں گے۔ مول سنگھ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر تو مارے خوشی کے اس کے منہ سے بات تک نہ نکلی شدت جذبات سے اس کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔

''منشی جی! آپ تو بھگوان سمان ہیں۔ ایشور آپ کو اس کا صلہ دے۔''

منشی خان موضوع بدلتے ہوئے بولا۔''خیر چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ کہ آج کل کوٹھڑیوں میں کتنے اور کون کون سے لوگ بند ہیں؟'' مول سنگھ تو اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

''مہاراج! آج کل کوٹھڑیوں میں کل 37 آدمی ہیں جن میں سے نو تو پاکستانی ہیں جبکہ 20 افراد جن میں آپ بھی شامل ہیں جیل ڈسپلن کی خلاف ورزی پر بطور سزا کے یہاں بند ہیں۔ باقی 8 پھانسی کے ملزم ہیں۔''

منشی خان فوراً اپنے مطلب کی طرف آ گیا۔''پھانسی کے کون کون سے ہیں۔'' مول سنگھ نے جواباً آٹھ آدمیوں کے نام گنوا دیئے اور مزید معلومات فراہم کرنے کی غرض سے یہ بھی بتایا کہ ان میں چار کی اپیل ابھی راجستھان ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے اور دو کی اپیل سپریم کورٹ آف انڈیا کے زیر غور ہے۔ البتہ ایک مسلمان علی نامی کی رحم کی اپیل بھی مسترد ہو چکی ہے جسے 29 اکتوبر کو پھانسی پر لٹکانے کے بارے میں بلیک وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔

منشی نے سرسری انداز اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔''یہ آدمی کہاں کا رہنے والا ہے؟ اور اس نے کیا اپرادھ کیا تھا؟''

مول سنگھ بولا۔''وہ دوسہ کا رہنے والا مسلمان ہے۔ یہیں جے پور کے کسی کالج میں پروفیسر تھا جس نے تین ہندوؤں کی ہتیا کر دی تھی۔ ویسے دیکھنے میں تو کافی بھلا مانس لگتا ہے۔ سنا ہے کسی ہندو ناری کے چکر میں یہ قتل ہوئے تھے۔''

منشی نے بات یہیں ختم کرتے ہوئے کہا۔''اچھا بھئی اب تو نیند آ رہی ہے۔ باقی باتیں کل پر سہی لیکن تم فکر نہ کرو تمہارا مسئلہ سمجھو حل ہو گیا ہے۔'' مول سنگھ نے دوبارہ شکریہ ادا کیا اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اظہارِ تشکر کے طور پر اپنا سر منشی کے قدموں میں رکھ دیتا۔

اگلی صبح جیل سپرنٹنڈنٹ شانتی لعل پھانسی کوٹھڑیوں کے راؤنڈ پر آیا۔ باقی ملزمان سے رسمی طور پر حال پوچھ کر منشی کے سیل کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ منشی بھی احتراماً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شانتی لعل اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

''کہو منشی خان جی! کیسے مزاج ہیں؟'' اس کے لہجے میں ایک خاص قسم کی مسرت نمایاں تھی۔ منشی نے خوش دلی سے کہا۔

''ٹھیک ہی ہوں۔ ایک کال کوٹھڑی میں بند کسی آدمی کا جیسے مزاج ہونا چاہئے بالکل ویسے ہی ہیں۔''

شانتی لعل نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔''منشی خان! آپ فکر نہ کریں۔ آپ کو یہاں کوئی کشٹ نہیں ہوگا۔ میں نے سب ادھیکاریوں کو ہدایات دے دی ہیں آپ کا خصوصی احترام کیا جائے گا۔ کیونکہ آپ نے جو کام کیا ہے اس کے لئے میرے علاوہ جیل آئی جی رادھا کانت تک سبھی خوش ہیں۔ آپ نے ہمارا بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ سردارا اور اس کے ساتھیوں نے تو ہماری زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ ان کی وجہ سے جیل ڈسپلن تقریباً ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ ہم نے ان پر ہر قسم کی سختی کر کے دیکھ لی تھی مگر مجھے اعتراف ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ وہ خبیث ہماری بے عزتی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے مگر ہمارے ہاتھ قواعد وضوابط کی ڈوری سے اس بُری طرح بندھے ہوئے تھے کہ ہم ایک حد تک ہی سختی کر سکتے تھے۔ بیڑی، آڑا ڈنڈا اور کال کوٹھڑی سے زیادہ ہم کر ہی کیا سکتے تھے؟ علاوہ ازیں انتظامیہ میں موجود سکھ عناصر کی در پردہ ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ ہیں۔ بہرحال کل شام آپ نے ان کی بدمعاشی کا طلسم بڑی حد تک توڑ دیا ہے۔ ابھی تو وہ پانچوں جیل کے ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ صحت یاب ہونے کے بعد انہیں یا تو کسی دوسری جیل میں ٹرانسفر کر دیا جائے گا وگرنہ ان کا مستقل ٹھکانہ اب کال کوٹھڑیاں ہی ہوں گی۔''

منشی خان نے اس مفصل وضاحت کے جواب میں خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے واپس جاتے ہوئے کوٹھڑیوں کے انچارج، ہیڈ وارڈن اور نمبردار کو تاکید کی کہ منشی خان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہئے اور یہ جب بھی مجھ سے ملنا چاہیں تو مجھے فوراً اس کی اطلاع دی جائے۔

دوپہر کو خلیل منشی خان کی ملاقات کے لئے آیا۔ دونوں وقت اس کا کھانا باہر ہی سے آتا تھا۔ البتہ صبح ناشتے میں وہ سرکاری چائے پر ہی گزارا کرتا تھا۔ خلیل نے اسے بتایا کہ وجے اور امر سنگھ کی خواہش ہے کہ کسی بھی طرح علی کو فوراً فرار کرایا جائے کیونکہ گزرنے والا ہر لمحہ اسے موت کے قریب تر کرتا جا رہا ہے۔ منشی نے جواب میں دھیما آواز میں اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ دونوں کافی دیر تک سلاخوں کے آر پار بیٹھے سرگوشیوں میں مصروف رہے۔ ان کی گفتگو کا موضوع علی کی ذات ہی تھا۔ اسی روز شام کو خلیل نے وجے اور امر سنگھ کو تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا اور سردارا سنگھ کے ساتھ ہونے والی مڈبھیڑ کی تفصیلات بتائیں۔ اس کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے وجے بولا۔

''مسٹر خلیل! آپ باقی باتیں چھوڑیں صرف یہ بتائیں کہ آپ نے اپنے باس سے علی کی بابت بھی دریافت کیا یا نہیں؟''

خلیل وجے کے لہجے کی سختی کو نظر انداز کر کے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''جناب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کا حکم ہو اور اس پر عمل نہ ہو۔ میں نے اس بارے میں خان سے مفصل بات کی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ 27 اکتوبر کو دیوالی کے روز ان شاء اللہ علی جیل کے باہر ہوگا۔''

وجے کے لہجے کی تلخی برقرار تھی۔ ''کیوں منشی خان نے جیل میں استخارہ کیا ہے جو اسے یہ بشارت ہوئی ہے۔ یا اس کے ہاتھ میں کوئی جادوئی منتر آ گیا ہے جو دیوالی کے روز منشی خان کے کھل جا سم سم کہنے پر قید کے دروازے علی پر وا ہو جائیں گے اور علی باہر آ جائے گا۔ یار ہمیں تفصیل سے سب کچھ بتاؤ محض ہوائی باتیں کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔''

خلیل کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے وجے کا طنزیہ انداز پسند نہیں آیا۔ خود امر سنگھ کو بھی وجے کی یہ گفتگو اچھی نہیں لگی تھی۔ ''وجے! یہ وقت ایسی بے محل باتوں کا نہیں ہے۔''

''ہاں تو خلیل میاں! آپ بھی اشاروں کنایوں میں بات کرنے کی بجائے کھل کر بتائیں کہ آپ نے اور منشی خان نے اس بارے میں کیا طے کیا ہے؟''

خلیل نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا تھا غالباً وہ اپنے ذہن میں موزوں الفاظ ترتیب دے رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ اس کے بعد اس نے قدرے اختصار کے ساتھ مجوزہ منصوبہ بیان کر دیا۔ اسے سن کر دونوں کے چہرے کھل اٹھے تھے۔ وجے نے تو کرسی سے اٹھ کر باقاعدہ خلیل کو گلے لگا لیا تھا۔

''یار! تم تو بڑے ہی کام کے آدمی نکلے ہو ورنہ میں تو تمہیں اپنی طرح عقل سے پیدل سمجھتا تھا۔'' اس کی اس بات کو سن کر خلیل بھی مسکرا پڑا تھا چند لمحے پہلے اس کے ذہن میں آیا ہوا غبار صاف ہو گیا تھا۔ وجے بولا۔ ''خلیل میاں! تمہارا منصوبہ اچھا ہونے کے باوجود نقائص سے پاک نہیں ہے۔ اس میں کئی جگہ جھول ہے یا تم نے منصوبہ پوری طرح بیان نہیں کیا۔''

خلیل خوش دلی سے بولا۔ ''مسٹر وجے! اگر منصوبہ پوری طرح ظاہر کر دیا جائے تو وہ منصوبہ نہیں رہتا۔ آپ کو شاید علم نہیں کہ اگر ارادہ بتا دیا جائے تو وہ محض دھمکی بن کر رہ جاتا ہے لیکن آپ صرف دیکھتے جائیں اپنے دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں۔''

وجے کچھ کھسیانا سا ہو کر بولا۔ ''لگتا ہے چیونٹی کے بھی پر نکل آئے ہیں۔'' اسی قسم کی

ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان محفل اختتام کو پہنچی۔ اس کے بعد انتظامات کو آخری شکل دینے کے لئے خلیل وہاں سے روانہ ہو گیا۔ امر سنگھ وجے کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''لگتا ہے اب ذہن سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ ویسے مجھے تو یہ پلان کافی بہتر لگتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' وجے نے تائیدی انداز میں سر کو جنبش دی۔

''مجھے بھی قابلِ عمل نظر آتا ہے۔ اگرچہ بظاہر کچھ زیادہ ہی سیدھا سادہ سا ہے حالانکہ میں تو مار دھاڑ سے بھرپور شاہکار کی توقع کر رہا تھا۔''

امر سنگھ دھیرے سے بولا۔ ''نہیں ایسی آسان بات بھی نہیں ہے۔ بظاہر سادہ نظر آنے والے واقعات اکثر اوقات اتنے سیدھے اور آسان بھی نہیں ہوتے۔ اس کے لئے ہمیں منصوبے کی تمام جزئیات طے کرنی ہوں گی۔ کسی چھوٹی سی بات کو نظر انداز کرنا تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں اندازے کی ذرا سی غلطی سب کئے کرائے پر پانی پھیر سکتی ہے۔''

وجے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''خصوصاً منصوبے کا دوسرا حصہ یعنی علی اور اس کی بیوی بحفاظت پاکستان پہنچانا معمولی بات ہرگز نہیں۔ ہمیں تمام امکانات کو پیشِ نظر رکھنا ہو گا کسی بھی چیز کو 'انڈر ایسٹی میٹ' کرنے کے نتائج بڑے ہی بھیانک ہوں گے۔''

اگلے روز خلیل نے منشی خان سے مل کر 27 اکتوبر کی تاریخ کو حتمی شکل دے دی تھی۔ منشی خان ابھی تک کال کوٹھڑیوں میں ہی تھا لیکن اس کی بیڑی وغیرہ اتار دی گئی تھی بلکہ سپرنٹنڈنٹ نے تو اسے پیشکش بھی کی تھی کہ وہ چاہے تو قید تنہائی کی بجائے بیرک میں منتقل ہو سکتا ہے لیکن منشی نے شکریے کے ساتھ یہ پیشکش ٹھکرا دی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے دلیل اختیار کی تھی کہ قید تنہائی کا ماحول بیرک کے شور شرابے والے ماحول سے کہیں زیادہ صاف ستھرا اور پُرسکون ہے اس لئے وہ یہیں رہنا چاہتا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا البتہ اس کو یہ سہولت فراہم کر دی تھی کہ وہ دن میں ایک بار کسی بھی بیرک کا چکر لگا سکتا ہے سوائے جیل ہسپتال کے جہاں سردار اسنگھ وغیرہ زیرِ علاج تھے۔ شانتی لعل سپرنٹنڈنٹ اس پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہو گیا تھا۔

اس دن شام کو جب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ گنتی بند کرنے کے لئے معمول کے راؤنڈ پر آیا تو منشی خان نے درخواست کی کہ دیوالی کے روز وہ جیل کے تمام قیدیوں کو اظہارِ خیر سگالی کے طور پر خصوصی کھانا دینا چاہتا ہے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے جواب دیا کہ اگرچہ بظاہر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں مگر اس بارے میں قطعی فیصلہ جیل سپرنٹنڈنٹ ہی کر سکتے ہیں۔ میں تمہارا پیغام ان تک پہنچا دوں گا اور مجھے آشا بھی ہے کہ تمہاری یہ پیشکش شکریے کے ساتھ قبول کر لی

جائے گی۔''

منشی کو یقین تھا کہ یہ محض رسمی باتیں ہیں اور اس کی اس آفر کو یقیناً مان لیا جائے گا کیونکہ اکثر و بیشتر شہر کے مخیّر حضرات کھانے پینے کی کوئی چیز یا روزمرہ ضروریات کی اشیاء قیدیوں میں بانٹتے رہتے تھے اور اکثر مذہبی اور قومی تہواروں پر قیدی اس انتظار میں رہتے تھے کہ کب کوئی ''دریادل'' سیٹھ اپنی عاقبت سنوارنے کے لالچ میں گڑ، کھیر یا پھل وغیرہ جیل میں لاکر بانٹتا ہے۔

رات کے کھانے کے دوران خلیل نے بتایا کہ آج منشی خان نے جیل حکام سے بات کر کے اس بات کی اجازت لے لی ہے کہ دیوالی کے روز شام کا کھانا منشی خان مہیا کرے گا۔ اس سلسلے میں سپرنٹنڈنٹ جیل نے خلیل سے پوری تفصیل طلب کی تھی۔ وجے کے استفسار پر خلیل نے بتایا کہ ویسے تو بھارتی جیلوں میں سرکار کی طرف سے بھی دیوالی کے روز خصوصی کھانا (جسے جیل کی مروجہ زبان میں Special Diet کہا جاتا ہے) دیا جاتا ہے۔ دیوالی کے علاوہ ہولی، عیدالفطر اور 15 اگست (بھارت کا یوم آزادی) کے مواقع پر بھی خصوصی کھانا دیا جاتا ہے۔ یہ خصوصی کھانا 250 گرام حلوہ فی کس قیدی پر مشتمل ہوتا ہے۔ معمول کی عام دال روٹی کے علاوہ سال بھر میں ان چار تہواروں پر فی ملزم ایک پاؤ حلوہ بانٹ کر بھارت سرکار حاتم طائی کا ریکارڈ برابر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

وجے بولا۔ ''عیدالاضحیٰ کے موقع کو اس برہمنی حلوے سے مستثنیٰ رکھنے کا کارن کیا ہے؟''

خلیل نے پوری وضاحت سے جواب دیا۔ ''اصل میں ہندو مذہب (اگر اسے مذہب کہا جا سکے) میں گوشت یعنی ماس کھانا چند کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ عیدالاضحیٰ تو بنیادی طور پر جانوروں کی قربانی کے حوالے سے ہی جانی جاتی ہے اس لئے 'جیو ہتیا' کے اس 'مہا پاپ' میں بھارتی حکومت حصے دار نہیں بننا چاہتی۔ اس لئے جیل مینوئل میں اس عید کو خصوصی ایام کی فہرست سے باہر رکھا گیا ہے۔''

خلیل کے جانے کے بعد امر سنگھ نے وجے کو لکشمی کے گھر بھیجا۔ وجے کے پہنچنے تک رات کافی بیت گئی تھی اس لئے عمر اور کرن تو سو چکے تھے۔ البتہ لکشمی نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود چائے بنانے کے لئے کچن میں گھس گئی۔ اس دوران کمال الدین بھی ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ تینوں نے خاموشی سے چائے پی۔ وجے حیران تھا کہ دونوں میں سے کسی نے بھی علی کا ذکر نہیں چھیڑا تھا۔ غالباً وہ مکمل طور پر اس کی زندگی سے

مایوس ہو چکے تھے اور اپنے اوپر مصنوعی صبر کا لبادہ اوڑھنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھے۔ وجے ہی نے بات شروع کی۔

''لکشمی بہن! آپ ایک طویل سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ پرسوں ہمیں روانہ ہونا ہے۔''

لکشمی ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''وجے بھیا! میں نے تمام بیرونی سفر ختم کر دیئے ہیں اب ان باتوں سے کیا حاصل اور ہاں وجے بھیا! تم بتاؤ تم نے کبھی اپنی ذات کا سفر طے کیا ہے؟''

وجے اس کی بہکی بہکی باتیں سن کر خفیف سا مسکرایا اور سوچنے لگا اے عورت تُو کتنی عظیم ہے، کتنی عجیب ہے۔ تُو وہ ہستی ہے جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جنت واپس لے لی تھی کیونکہ تُو بذات خود جنت ہے۔ بلکہ بہشت کا مقام کتنا بھی بلند ہو وہ تیرے قدموں تلے ہے۔ تُو ہر روپ میں..... اب لکشمی اس کی طرف پوری طرح متوجہ تھی۔

''وجے بھیا! میں اپنی بہکی بہکی باتوں کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ غالباً آپ میری ذہنی کیفیت سے آگاہ ہی ہیں بہرحال آپ بتائیں کیسے تکلیف کی اتنی رات گئے آنے کی؟'' اس کی گفتگو میں ربط و تسلسل کا عنصر مکمل طور پر مفقود تھا۔ اب وجے نے مزید تاخیر مناسب نہ سمجھی۔

''کمال صاحب! میری بات ذرا دھیان سے سنیں۔ 27 اکتوبر کی شام کو آپ کا علی آپ کے درمیان ہوگا۔ البتہ زندگی کے باقی ایام سکون سے گزارنے کے لئے آپ کو یہ شہر چھوڑنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں آپ سب لوگوں کو ذہنی اور جسمانی طور پر ایک طویل سفر کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ جاتے ہوئے نقدی اور زیورات کے علاوہ کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔''

لکشمی اور کمال الدین کو وجے کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ البتہ لکشمی کے چہرے پر امید و بیم کی ملی جلی کیفیت تھی۔ ''وجے بھیا! زیورات کہاں سے آئے؟ وہ تو سب بک بکا کر علی کے مقدمے کے وکیلوں کی بھینٹ چڑھ گئے لیکن ہم نے زیورات اور مکانوں کو کیا کرنا ہے۔ خدا تمہاری زبان مبارک کرے اگر علی کو یہ نئی زندگی مل جائے تو ہم سمجھیں گے ہمیں دو جہان کی خوشیاں مل گئیں مگر نہ جانے کیوں بار بار امید پر ناامیدی غالب آ جاتی ہے۔ لگتا ہے آشاؤں کے ان سندر سپنوں کی تعبیر اتنی خوبصورت نہیں ہوگی۔ یقین نہیں آتا کہ مجھ جیسی ابھاگن اتنی خوش قسمت بھی ہو سکتی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ ضبط کے مصنوعی بندھن ٹوٹ گئے تھے۔

وجے نے اٹھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''لکشمی بہن! حوصلہ کرو تمہاری گردش کے دن ختم ہونے والے ہیں اور بھلے دن بہت قریب ہیں۔'' لکشمی جواب میں کچھ بھی نہ کہہ پائی۔ جاتے ہوئے وجے نے انہیں تاکید کی۔ ''ان دو دنوں میں وہ اپنی کسی بھی حرکت سے یہ تاثر پیدا نہ ہونے دیں کہ کوئی غیر معمولی واقعہ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔''

○.....❖.....○

خلیل کی آمد پر امر سنگھ کمرے میں ٹہلتے ہوئے رک گیا۔ ''کہو خلیل میاں! منشی خان کا کیا حال ہے؟ صورتِ حال میں کوئی غیر متوقع تبدیلی تو نہیں آئی؟''

خلیل نے صوفے پر بیٹھنے کے بعد سگریٹ سلگائی اور بولا۔

''امر سنگھ جی! آج خان سے کافی تفصیلی ملاقات رہی۔ وہ پوری طرح پُر امید ہیں کہ ہمیں کسی بڑی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ آپ نے منصوبے میں مخبوط الحواس شخص کی مشق والا جو اضافہ کیا ہے اسے سن کر منشی خان عش عش کر اٹھے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ اب تو مجھے بھی کامیابی کا یقین سا ہو چلا ہے۔ یقیناً آپ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔''

امر سنگھ اپنی تعریف کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن اگر ہمارے پلان کے مطابق مطلوبہ ''پاگل'' نہ ملا تو.....'' اس کے لہجے میں تشویش واضح طور پر جھلک رہی تھی۔ خلیل نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ مطمئن رہیں یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ صبح سے ہی ہمارے آدمی جے پور کے دماغی امراض کے ہسپتال اور اناتھ آشرم میں گھسے ہوئے ہیں اور کسی معقول پاگل کی تلاش کا سلسلہ جاری ہے۔ مجھے امید ہے آج شام تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

امر سنگھ کچھ دیر بنا کچھ کہے اسے دیکھتا رہا اور پھر گویا ہوا۔ ''لیکن ایک بات کا خاص دھیان رکھا جائے کہ وہ پاگل شخص علی کی ایج گروپ کا ہی ہو اور تن و توش کے اعتبار سے بھی ممکنہ حد تک مشابہہ ہونا چاہئے۔''

خلیل بولا۔ ''ہم نے پہلے ہی سے اس بات کو مدِ نظر رکھا ہے۔ گزشتہ روز ہی جیل میں علی کی تازہ تصاویر بنائی گئی تھیں اور انہی تصویروں کی بنیاد پر ذہنی معذور کی تلاش کا عمل جاری ہے۔''

وجے خاموشی سے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بات چیت جاری تھی کہ فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی۔ خلیل نے فون اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ اس کی یکطرفہ بات چیت سن کر وجے نے اندازہ لگایا کہ اس کے آدمیوں نے مطلوبہ ٹارگٹ حاصل کر لیا ہے۔

''ٹھیک ہے ان سب کو لے کر یہیں آ جاؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے خلیل نے ریسیور رکھ دیا۔ امر سنگھ اور وجے کی سوالیہ نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں۔

خلیل ایک طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''امر سنگھ جی! میرے آدمیوں نے تین ایسے آدمی تلاش کر لئے ہیں جن کا چہرہ مہرہ اور عمر تھوڑی بہت علی سے ملتی جلتی ہے وہ آدمی تھوڑی دیر میں یہاں ہوں گے۔''

ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد تین مخبوط الحواس افراد ان کے سامنے موجود تھے۔ ان سے بات چیت کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ ذہنی طور پر معذور ہیں۔ خلیل نے بتایا کہ اس کے آدمیوں نے جے پور مینٹل ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ کو معقول رقم دے کر انہیں حاصل کیا ہے۔ کافی چھان پھٹک کے بعد وجے اور امر سنگھ نے خلیل کے ساتھ مل کر ان میں سے ایک شخص کا انتخاب کیا تھا جو ان کے مطلوبہ معیار پر کسی حد تک پورا اترتا تھا۔ اب وہ تینوں کچھ مطمئن ہو گئے تھے کہ اگر کسی اچانک افتاد کا سامنا نہ ہوا تو ان کی کامیابی یقینی تھی۔

منشی خان جیل سپرنٹنڈنٹ کا لاڈلا بنا ہوا تھا اس لئے وہ دن میں کال کوٹھڑیوں میں آزادانہ نقل و حرکت کا مستحق قرار پایا تھا لیکن وہ حفظ ماتقدم کے طور پر اندرونی کوٹھڑیوں میں بند علی کی طرف ابھی تک نہیں گیا تھا۔ 27 اکتوبر کی صبح وہ احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پھانسی کی اندرونی کوٹھڑیوں میں داخل ہو گیا۔ پہلے وہ 32 نمبر کوٹھڑی میں موجود پھانسی کے قیدی کرم وکرم جیت سنگھ سے بات چیت کرتا رہا۔ اس کے بعد 29 نمبر کے سامنے پہنچا۔ جہاں سلاخوں کے ساتھ سر جھکائے علی بیٹھا ہوا تھا اس کے چہرے پر عجیب سی ویرانی اور آنکھوں میں وحشت تھی۔ سلام کرنے کے بعد منشی اس کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ علی اس کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا۔ اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

''ارے بھئی! میری باتیں سن بھی رہے ہو یا نہیں؟''

علی کچھ دیر خلا میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا پھر منشی پر نگاہیں جما کر آہستگی سے بولا۔ ''سب کچھ سن رہا ہوں بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اب صرف سن ہی تو سکتا ہوں اور کر بھی کیا سکتا ہوں؟''

اس کے لہجے کی بے چارگی نے منشی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کچھ دیر نمبردار ہر دواری لعل پاس کھڑا ان کی باتیں سنتا رہا تھا لیکن پھر غالباً وہ اس خشک اور بے مقصد گفتگو سے اکتا کر دوسری طرف چلا گیا تھا۔ منشی خان نے علی کو بتایا کہ اس کے والد اور پتنی اس کی رہائی کے لئے پوری

کوشش کر رہے ہیں۔علی کا چہرہ بھی اس کی آواز کی طرح سپاٹ تھا۔

''کیا اب بھی کسی قسم کی کوشش کا سمے باقی ہے؟منشی خان جی آپ خواہ مخواہ مجھے طفل تسلیاں دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ویسے میرے والد اور لکشمی نے اپنی بساط سے بڑھ کر مجھے بچانے کی جدوجہد کی ہے لیکن مقدرات تو اٹل ہوتے ہیں۔اب تو کل میں اپنے بچوں کا چہرہ آخری بار دیکھوں گا۔ میری تو ہمت نہیں پڑ رہی ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ میری اور ان کی یہ آخری ملاقات ہے۔ کیسے ان کا سامنا کر پاؤں گا۔'' اس کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

''منشی بھائی! جب مجھے اپنے معصوم بچوں اور وفاشعار بیوی کا خیال آتا ہے تو میں وقت سے پہلے مر جاتا ہوں۔آخر ان کا میرے بعد کیا بنے گا۔ ہندو بالادستی کے اس معاشرے میں ان کا مستقبل کیا ہوگا؟ اس قسم کے سوالیہ نشان مجھے پاگل کئے ہوئے ہیں اور گھونٹ گھونٹ موت میرے حلق سے نیچے اتر رہی ہے۔'' علی کی آنکھیں خشک تھیں مگر آواز رو رہی تھی۔''منشی بھائی! ہمیں صرف مسلمان ہونے کی سزا دی جا رہی ہے ورنہ قانونی نکتہ نظر سے تو اپنے دفاع میں جارج کو مار دینا کسی بھی اخلاقی یا قانونی معاشرے میں قابلِ تعزیر بات نہیں ہے لیکن خیر کوئی بات نہیں۔'' اس کا لہجہ قدرے بے ربط سا ہو گیا تھا۔''منشی خان جی! سنا ہے خدا کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا مگر شاید ہندو بھارت میں فطرت نے بھی اپنے اصول بدل لئے ہیں؟''

منشی خان اسے دلاسہ دیتے ہوئے بولا۔''مسٹر علی! میں تمہاری طرح پڑھا لکھا انسان تو نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ قوانینِ فطرت کبھی نہیں بدلتے اور خدا کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف بھی نہیں دیتا۔''

''لیکن منشی خان! میں ایک کمزور انسان ہوں، میرا حوصلہ اتنا نہیں جو اس بڑی آزمائش کے قابل ہو۔''

منشی خان اٹھتے ہوئے بولا۔''اس رونے دھونے کو چھوڑو اور جو کچھ مانگنا ہے خدا سے مانگو، یقیناً تم مایوس نہیں ہو گے۔''

اسی دوران حجام آ گیا تھا تا کہ تمام پھانسی ملزمان کی ہفتہ وار شیو کر سکے۔اس لئے منشی خان وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ایک گھنٹے بعد جب منشی دوبارہ علی کی کوٹھڑی کی طرف گیا تو دیکھا کہ علی شیو وغیرہ کرانے کے بعد ایک کونے میں بیٹھا دنیا و مافیہا سے بے خبر قرآن کی تلاوت میں مصروف تھا اور کچھ پُرسکون نظر آ رہا تھا۔

دیوالی کا تہوار ہونے کی بنا پر چاروں طرف ماحول میں ایک تبدیلی کا احساس ہو رہا تھا۔

دیوالی ہندوؤں کا سب سے بڑا تہوار ہے۔ یہ دسہرے سے بیس روز بعد منایا جاتا ہے اس روز رام چندر جی راون کے مقابلے میں فتح یاب ہو کر سیتا اور لکشمن کے ساتھ واپس اپنی راجدھانی پہنچے تھے اس لئے ہندو رام کی فتح کا جشن مناتے ہیں۔ چاروں طرف چراغاں کیا جاتا ہے۔

27 اکتوبر کو خلیل صبح ہی سے کافی مصروف تھا۔ سہ پہر چار بجے تک کھانے کی دیگیں جیل کی ڈیوڑھی کے باہر پہنچا دی گئی تھیں۔ کھانے میں کھیر، پوری اور آلو کی بھجیا شامل تھی۔ جیل سپرنٹنڈنٹ نے اجازت دی تھی کہ کھانا بانٹنے کی نگرانی کے لئے خلیل اپنے ساتھ مزید چار آدمی لا سکتا ہے اس کے علاوہ ان کی معاونت کی ذمہ داری چیف ہیڈ وارڈن پرشوتم داس اور سینئر قیدی نمبرداروں کو سونپی گئی تھی۔ قیدیوں کو صبح ہی سے معلوم تھا کہ آج بڑا کھانا ہے اس لئے دوپہر کا معمول کا کھانا بھی بہت کم مقدار میں کھایا گیا تھا تاکہ شام والی کھیر کے لئے پیٹ میں جگہ برقرار رہے۔ مزید براں صبح ہی سے تقریباً تمام قیدی اور عام سپاہی وغیرہ بھنگ پی پی کر نہال ہو رہے تھے تاکہ دیوالی کی خوشیوں کو دوبالا کیا جا سکے۔ عام چھٹی ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ قیدیوں کی ٹولیاں کمبل بچھائے تاش اور جوئے کی بازیوں میں مصروف تھیں۔ منشی خان نے حوالدار مول سنگھ کے ذریعے افیم اور بھنگ کی بڑی مقدار منگوالی تھی۔ تقریباً تمام جیل میں عموماً اور کال کوٹھڑیوں میں خصوصاً بھنگ اور افیم مذہبی خیر سگالی کے جذبے کے تحت مہیا کر دی گئی تھی۔ تمام قیدی منشی خان کو دعائیں دے رہے تھے اور بھگوان سے اس کی درازیٔ قید کی پرارتھنا میں مصروف تھے۔ ہے ایشور! تو منشی خان جیسے مہاپُرشوں کو ہمیشہ کے لئے جیل میں رکھ تاکہ ہر دیوالی اور ہولی پورے مذہبی جوش وخروش سے منانے کا سامان مہیا ہوتا رہے۔

سہ پہر سوا چار بجے خلیل امر سنگھ اور خلیل کے دو ماتحتوں سمیت پانچ آدمی جیل کی ڈیوڑھی میں موجود تھے۔ پانچواں شخص وہی پاگل تھا جسے گزشتہ روز ''دریافت'' کیا گیا تھا۔ اس نے بھی نہا دھو کر صاف کپڑے پہنے ہوئے تھے البتہ میک اَپ کے ماہر منشی کے ایک ماتحت نے بڑی مہارت سے اس کے چہرے پر بے ڈھنگی سی داڑھی مونچھوں کا اضافہ کر دیا تھا جس سے اس کے چہرے کے اصل نقش ونگار کسی حد تک پس پردہ چلے گئے تھے۔ جیل کی ڈیوڑھی میں موجود جیلر اور ماتحت سٹاف نے بڑی گرم جوشی سے ان کا سواگت کیا کیونکہ منشی کی طرف سے جیلر، چیف ہیڈ وارڈن اور دوسرے سینئر سٹاف میں وسکی کی ایک ایک بوتل اور پانچ سو روپے فی کس نذرانہ بٹ چکا تھا۔ سونے پر سہاگہ وہ مزیدار کھیر تھی جس کی ایک دیگ کا صفایا ڈیوڑھی سٹاف پہلے ہی اپنی صوابدید کے مطابق کر چکا تھا۔ خلیل وغیرہ کی گنتی کرنے کے بعد

انہیں اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ انہوں نے کھانا پہلے تمام بیرکوں میں بانٹا۔ اس کے بعد پھانسی کوٹھڑیوں کے لئے مخصوص دیگیں کوٹھڑیوں کے احاطے میں پہنچا دی گئیں۔ جہاں منشی خان نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کھانا تقسیم کیا۔ بھنگ کے نشے نے پہلے ہی سب کے معدوں میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ اس لئے تمام قیدی بمع سنتری اور نمبردار کے کھیر پر ٹوٹ پڑے تھے اور تھوڑی دیر میں خالی پلیٹ اور بھرے ہوئے پیٹوں کے ساتھ ''ہل من مزید'' کی آس میں مزید کھیر طلب کرنے کے گناہ گار ہو رہے تھے۔ ان کی توقع سے زیادہ ہر چیز فراہم کر دی گئی تھی۔

پھانسی کوٹھڑیوں میں بٹنے والی کھیر میں نیند آور شربت غیر معمولی مقدار میں شامل کیا گیا تھا۔ اس لئے آدھ گھنٹے کے اندر ہی نشہ اپنا رنگ دکھانے لگا تھا کہ کوئی قیدی مسلسل گانا گانے میں مست تھا اور کوئی بھجن اور قوالیوں میں طبع آزمائی میں مصروف جبکہ کچھ بدبخت رونے میں لگے ہوئے تھے۔ یہ بات کسی نے بھی محسوس نہ کی کہ امر سنگھ نے حوالدار کی کمر سے چابیوں کا گچھا نکال لیا ہے اور 29 نمبر کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر حیران و پریشان علی کو باہر آنے کا اشارہ کر رہا ہے۔ خلیل نے اپنے ساتھ لائے ہوئے ذہنی معذور ''رامو'' کو 29 نمبر کوٹھڑی کے اندر دھکیل دیا تھا البتہ اس سے پہلے اس کے منہ پر واقع داڑھی مونچھیں علی کے چہرے پر منتقل ہو گئی تھیں۔ ابتداء میں علی نے تعجب کا اظہار کیا تھا مگر شاید جلد ہی پوری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سب کچھ اسی کے لئے ہو رہا ہے۔ اپنی نگاہوں میں بہت سارے سوالوں کو سمیٹے ہوئے وہ ان سے تعاون کر رہا تھا۔ اس سارے عمل کے دوران کسی قسم کی گھبراہٹ یا جلد بازی کا مظاہرہ نہیں ہوا تھا نہ ہی غیر ضروری تساہل برتا گیا۔ 29 نمبر کوٹھڑی کا تالہ باہر سے بند کرنے کے بعد چابیوں کا گچھا واپس حوالدار کی کمر میں بیلٹ کے ساتھ ٹانگ دیا گیا۔

منشی خان کو بھی اس کی کوٹھڑی میں بند کر کے تالا لگا دیا گیا تھا۔ اب تمام کوٹھڑیاں پہلے کی طرح بند تھیں اور اندر ملزمان کی گنتی بھی پوری تھی۔ 29 نمبر میں بند رامو بھی دیگر سبھی ملزمان اور ملازمین کی طرح اپنی کوٹھڑی کے اندر بے سدھ پڑا تھا کیونکہ اسے زیادہ دیر بے ہوش رکھنے کے لئے نیند آور انجکشن لگا دیا تھا۔ وہ پانچوں بڑے پُراعتماد قدموں کے ساتھ واپس ڈیوڑھی میں پہنچے تھے۔ صرف علی کے چہرے پر کسی قدر گھبراہٹ تھی مگر کسی نے اس کی حالت کو قابلِ توجہ نہ سمجھا۔

ڈیوڑھی کے اندر چیف ہیڈ وارڈن نے ان کی گنتی کی رسمی کارروائی پوری کی اور باہر جانے کے لئے ''آؤٹ پاس'' بنا دیا۔ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق ڈیوڑھی کے اندر حوالدار مول سنگھ نے اپنی ڈیوٹی لگوا رکھی تھی۔ اس نے کسی دوسرے کو بھی علی کی اڑی ہوئی رنگت کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور ان کے لئے باہر کا دروازہ کھول دیا۔ خلیل نے چیف ہیڈ وارڈن کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے کہا۔

''چیف صاحب! کل صبح میرے آدمی خالی دیگیں وغیرہ لے جائیں گے۔'' کسی کو شبہ نہیں ہوا تھا۔ بہت بڑی گڑبڑ ہو چکی ہے۔ وہ پانچوں باہر نکل آئے اندر سے تو سبھی کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے مگر علی کی حالت زیادہ ہی پتلی تھی کیونکہ وہ بے چارا جرائم کی دنیا کا آدمی نہیں تھا۔ امر سنگھ نے باہر نکل کر کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے پانچ ہو چکے تھے، شام کی تاریکی نے دن کے اجالے کو سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔

گیٹ پر موجود ویگن میں بیٹھنے تک انہیں پورا خدشہ تھا کہ ابھی پیچھے سے کوئی آواز انہیں رکنے کا کہے گی اور وہ دھر لئے جائیں گے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی منشی کے ماتحت نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ تھوڑی دیر میں ایم آئی روڈ سے ہوتے ہوئے وہ ''سندھی کیمپ'' بس سٹاپ کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک دوسری گاڑی میں وجے، لکشمی، کمال الدین اور علی کے دونوں بچے موجود تھے۔ چند لمحوں میں علی، امر سنگھ اور خلیل ان کی ویگن میں منتقل ہو گئے اور گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

آدھے گھنٹے میں ان کی ویگن شہر کی حدود سے باہر نکل آئی تھی۔ اب اس کا رخ ''سکیر'' کی طرف تھا۔ شہر میں چاروں طرف تاحدِ نظر چراغاں تھا۔ دیوالی کی روشنیاں عجیب بہار دکھا رہی تھیں۔ راستے میں آنے والے تمام دیہات بھی بقعۂ نور بنے ہوئے تھے۔ تمام بنئے اور سیٹھ اپنی دولت کو سامنے رکھے لکشمی پوجا میں مصروف تھے۔ وجے کو لگ رہا تھا واقعی آج کی رات لکشمی کی ہے۔ دوسری طرف ویگن کے اندر کا منظر بہت عجیب تھا۔ علی اور لکشمی بت بنے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ ان کی زبانیں گنگ تھیں مگر نگاہیں زبان بن گئی تھیں۔

علی لکشمی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا زمانے کی سختیاں لکشمی کے بھولپن کو ختم کر چکی ہیں، حلیہ ہی بدل گیا ہے۔ بظاہر اب اور تب کے درمیان سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا مگر وقت کا ظالم ہاتھ قیامت کی چال چل چکا تھا۔ لکشمی کی مسکراہٹ کہیں منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ کمال الدین کی بوڑھی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ وہ کرن اور عمر کو اپنے ساتھ چپکائے روئے جا رہا تھا وفورِ مسرت سے سب لوگ سحر زدہ سے نظر آ رہے تھے۔

وجے نے ہی بولنے میں پہل کی۔ ''امر سنگھ جی! آج ہی بین الاقوامی سرحد کی طرف جانا مناسب بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہم چند روز کے لئے کہیں رک جاتے اور اس ہنگامے کے نتیجے میں اٹھی ہوئی گرد بیٹھنے کا انتظار کرتے تو کیا حرج تھا؟''

امر سنگھ نے اسے درمیان میں ہی ٹوکتے ہوئے کہا۔ ''نہیں، ہم فوری طور پر پاک بھارت سرحد عبور کرنے کی کوشش کریں گے۔ آج رات دیوالی کی وجہ سے پولیس اور بارڈر فورس والے نسبتاً لاپرواہوں گے۔ اس کے علاوہ پولیس کو الجھانے کے لئے خلیل نے کچھ اور انتظامات بھی کئے ہیں۔ مثلاً اسی وقت جے پور سے چار مختلف گاڑیاں مختلف اطراف میں محوِ سفر ہیں اور ہر گاڑی میں ہماری طرح پانچ آدمی ایک جوان عورت اور دو بچے موجود ہیں۔ پولیس کو یہ فیصلہ کرنے میں کافی وقت پیش آئے گی کہ پھانسی کا مفرور ملزم علی کس راستے سے فرار ہونے کی کوشش میں ہے۔ ایک گاڑی مدھیہ پردیش کے شہر فی میچ کی طرف رواں دواں ہے جہاں سینٹرل ریزرو فورس کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس کے علاوہ دوسری گاڑی آگرہ سے ہوتی ہوئی متھرا جائے گی جہاں وہ لوگ عیدگاہ مسجد متھرا سے متصل دھرم شالہ میں قیام کریں گے اور اپنا نام علی، لکشمی اور کمال الدین ہی بتائیں گے۔ تیسری گاڑی کوٹا اور بوندی کی طرف جا رہی ہے اور علی الصبح وہاں پہنچ کر ہوٹل میں قیام کریں گے اس کے علاوہ تقریباً اسی وقت جے پور کے چند ویران مقامات پر بموں کے دھماکے ہوں گے۔ ان تمام حرکتوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ پولیس کی توجہ اور قوت کسی ایک نکتے پر مرتکز نہ ہو سکے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ رات کسی وقت بھی علی کے فرار کا بھانڈا پھوٹ جائے گا جس کے بعد ہماری تلاش کا عمل پورے زور و شور سے جاری ہو جائے گا۔''

وجے کے ذہن میں کھٹکنے والی بات سوال کا روپ دھار کر سامنے آ گئی۔ ''لیکن اس سارے معاملات کا سیدھا الزام منشی خان پر نہیں آئے گا؟''

امر سنگھ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یقیناً ایسا ہو گا لیکن منشی کو براہِ راست ملوث کرنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ وہ خود تو دوسروں کی طرح پھانسی کوٹھڑی میں بند ہے، البتہ اس فرار کی پشت پناہی کا الزام یقیناً اس پر آئے گا لیکن عدالت میں اسے ملزم ثابت کرنا ناممکن ہو گا اور وہ کچھ دنوں میں ضمانت وغیرہ پر رہا ہو جائے گا کیونکہ وہ ایک بارسوخ شخص ہے اس پر مستزاد اس کا منظم گروہ ہے اور ویسے بھی تیسری دنیا کے ممالک میں قانون صرف بے حیثیت لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔''

○.....❖.....○

دیوالی کی شام جے پور جیل میں شام چھ بجے قیدیوں کی گنتی حسبِ معمول ہوئی تھی اور گنتی پوری ہونے کے بعد جیل بند کر دی گئی تھی کسی کے وہم میں بھی نہیں تھا کہ ایک پھانسی کا ملزم کم ہو چکا ہے۔ رات دس بجے جب گارڈ تبدیل ہوئی اور نئی گارڈ نے چارج سنبھالا اور پھانسی کوٹھڑیوں میں تعینات نئے حوالدار نے ایک ایک کوٹھڑی کا تالہ حسبِ معمول ہلا کر چیک کیا۔ شاید وہ حوالدار کچھ زیادہ ہی پارسا تھا جس نے دیوالی کے روز بھی نشہ نہیں کیا تھا اور اپنی ڈیوٹی دیانتداری سے نبھانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ تب تک 29 نمبر کوٹھڑی کا ملزم نشے کی زد سے باہر آ چکا تھا اور دروازے کی سلاخوں سے چپکا باہر دیکھ رہا تھا۔ حوالدار مرلی دھر نے آ کر تالہ چیک کیا اور قدرے حیرانگی سے ''رامو'' کو دیکھنے لگا کیونکہ بلب کی تیز روشنی میں اسے رامو کے خدوخال واضح نظر آ رہے تھے۔ اس نے رامو سے اس کا نام پوچھا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ کہنے لگا۔

''مجھے بھوک لگی ہے، کچھ کھانے کو لا دو۔''

وہ مکمل ہوش میں تھا حالانکہ امر سنگھ نے اسے کافی تیز انجکشن لگایا تھا مگر شاید پاگلوں میں قوتِ مدافعت کچھ زیادہ ہوتی ہے جو وہ اتنی جلد نشے کی کیفیت سے نکل آیا تھا۔ حوالدار نے فوراً نمبردار کو بلایا۔

''ہردواری لعل! کیا 29 نمبر والے علی کو آج ہی پھانسی دے دی گئی تھی؟''

ہردواری لعل آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔ ''نہیں تو، آپ کو کس نے کہا ہے؟''

حولدار بولا۔ ''تو پھر وہ کہاں ہے اور 29 نمبر میں کون بند ہے؟''

ہردواری لعل کو حوالدار کی ذہنی کیفیت پر شک ہونے لگا تھا۔

''مہاراج! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ 29 نمبر میں علی ہی تو بند ہے۔'' لیکن جب ہردواری لعل نے حوالدار کے ساتھ آ کر 29 نمبر کے اندر جھانکا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ دونوں نے دوبارہ تمام کوٹھڑیوں کو اچھی طرح چیک کیا مگر علی کہیں بھی دستیاب نہ ہو سکا فوراً ڈیوڑھی پر اطلاع دی گئی اور دس منٹ کے اندر جیل سپرنٹنڈنٹ سے لے کر چیف ہیڈ وارڈن تک سب وہاں موجود تھے۔ یہ یقین ہونے کے بعد کہ علی فرار ہو چکا ہے جیل میں خطرے کا الارم پوری قوت سے بجنے لگا تھا۔

دوسری طرف ایک ٹویوٹا ویگن طوفانی رفتار سے رات کی تاریکی کو چیرتی ہوئی گنگا نگر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سوئے دار سے کوئے یار کا یہ سفر پوری تیز رفتاری سے جاری تھا۔ راستے میں آنے والے بیکر، چورو اور ہنومان گڑھ کے شہر پیچھے رہ گئے تھے۔ گاڑی میں موجود سب

لوگوں کے دلوں کی دھڑکن ایک ہی رفتار سے چل رہی تھی۔ سڑک بہت زیادہ اچھی تو نہ تھی لیکن اس کے باوجود ماہر ڈرائیور نے ساڑھے تین سو میل کا سفر تقریباً نو گھنٹوں میں طے کر لیا تھا۔ تین بجے صبح ویگن ضلع گنگا نگر کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ سورت گڑھ کے نواحی گاؤں سروپ سر میں امر سنگھ کا دوست سمگلر ترلوچن سنگھ اپنی حویلی میں ان کا ہی انتظار کر رہا تھا وہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ اس کی رہنمائی میں وہ تھوڑی دیر میں ''پرتھوی راجپورہ'' گاؤں پہنچ چکے تھے۔ جہاں سے پاک بھارت سرحد صرف چار میل دور تھی۔ ترلوچن سنگھ نے بتایا کہ اس نے بی ایس ایف (BSF) کی مرزا والا پوسٹ کے سبھی لوگوں کو دیوالی کی خوشی میں شراب اور شباب کے سبھی سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ اس لئے بارڈر پر کسی ناکے وغیرہ کا خطرہ نہیں ہے۔

امر سنگھ بولا۔ ''تب تو ہمیں وقت ضائع کئے بنا سرحد عبور کرنی ہو گی۔ اس وقت چار بجے ہیں ہم ساڑھے چار بجے تک وہاں پہنچ سکتے ہیں۔''

وجے بولا۔ ''جو حکم مہاراج! ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں ہوتا ہے ہم تو حکم کے غلام ہیں۔''

فوراً ان کی گاڑی ترلوچن سنگھ کی جیپ کے پیچھے چھوٹی سی کچی سڑک پر آگے بڑھ رہی تھی۔ چاروں طرف فصلیں اور کھیت تھے۔ مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ سے فضا میں عجیب سا رنگ بکھرا ہوا تھا اس چار میل کے سفر میں پون گھنٹے سے زیادہ صرف ہوئے تھے۔ کیونکہ معمولی سی آہٹ پر بھی وہ گاڑی روک کر کھڑے ہو جاتے تھے اور ترلوچن سنگھ کے سیفٹی سگنل کے بعد آگے بڑھتے تھے۔ آخری ایک میل انہیں پیدل ہی طے کرنا پڑا تھا۔

خلیل اور علی نے کرن اور عمر کو کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ آخر وہ ''نو مینز لینڈ'' (No mans Land) کے قریب پہنچ گئے۔ ایک چھوٹی سی نہر بھارت کو پاکستان سے الگ کر رہی تھی۔ ترلوچن سنگھ کی رہنمائی میں انہوں نے نہر عبور کی۔ چند فٹ کے فاصلے پر پاکستان تھا اور چند لمحوں بعد وہ بحفاظت جنتِ ارضی پاکستان کی سرزمین پر تھے۔ نہر کے دوسرے کنارے پر کھڑے خلیل اور ترلوچن سنگھ نے انہیں اشارے سے خدا حافظ کہا تھا اور فوراً واپس مڑ گئے تھے۔ وہ پیدل ہی آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے۔ اس وقت علی اور لکشمی کی حالت قابلِ دید تھی۔ وفورِ جذبات سے ان کی زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔

تبھی دور منڈی صادق گنج کے کسی نواحی گاؤں سے مؤذن اللہ کی بڑائی بیان کرنے لگا تھا۔ فجر کی اذان کی آواز انہیں اپنی روح کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ علی اور لکشمی زمین پر سجدہ ریز ہو کر پاک مٹی کو بوسہ دے رہے تھے اور بعد میں کھڑے ہو کر امر سنگھ

اور وجے کے ہاتھ چومنے لگے تھے۔ الفاظ نے اپنی اہمیت کھو دی تھی۔ [illegible] ان اور مر[illegible] سے [illegible]
چہروں پر عجیب سا نور بکھر گیا تھا، ان دونوں نے وجے اور امر [illegible] کے [illegible] باہیں ڈال کر
ان کا ماتھا چوم لیا تھا اور ان کو ایسے محسوس ہوا تھا جیسے انہیں دنیا جہان کی خوشیاں مل گئی ہوں۔
ان کی روح میں سکون اور مسرت کا ایک ایسا احساس محسوس ہوا تھا جس کا [illegible] الفاظ میں ممکن
نہیں۔ جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔

[illegible] تھے۔ امر سنگھ علی اور لکشمی ساتھ چلتے ہوئے نہ جانے کس بات پر کھلکھلا [illegible]
وجے کا شانہ تھپکتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو، آج صرف اور صرف لکشمی کا
دن ہے۔“

پانچ سال بعد 1987ء میں ہونے والے لسانی ہنگاموں کے بعد جب وجے اس
خاندان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے حیدرآباد پہنچا اور انہیں بحفاظت پاکر واپس گجرات
جا رہا تھا تو اس کا ذہن کافی بوجھل تھا کیونکہ لکشمی کے پوچھے ہوئے بہت سے سوالات کا جواب
اس کے پاس موجود نہیں تھا۔ خصوصاً لسانی اور گروہی منافرت کے حوالے سے لکشمی نے قومی
سلامتی اور باہمی اتحاد کے بارے میں کئی چبھتے سوال اٹھائے تھے لیکن اس کے باوجود وجے
مستقبل سے مایوس نہیں تھا اسے یقین تھا کہ تاریکیوں کے یہ بادل جلد چھٹ جائیں گے اور
مملکتِ خداداد اور اس کے باسی روشنیوں کے سفر میں پہلو بہ پہلو اپنی ذمہ داریاں نبھائیں
گے۔

''را''

گزشتہ چند برسوں سے پاکستان میں ''را'' کا نام غیر معروف نہیں رہا۔ وطنِ عزیز میں رُونما ہونے والے اکثر ناخوشگوار واقعات و حادثات کے دوران یہ نام بکثرت استعمال ہوتا رہا ہے لیکن اس کے باوجود عام پاکستانی کے نزدیک یہ لفظ ایک معمے سے کم نہیں۔ اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ بھارت کی سب سے بااثر سیکرٹ سروس کا نام ہے مگر اس سے زیادہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ آخر یہ ہے کیا بلا؟ اس کے وجود کا پس منظر کیا ہے؟ اور اس کا نیٹ ورک کس شکل میں موجود ہے۔ موجودہ حالت تک پہنچنے کے لئے اس تنظیم کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑا۔

اصل میں ''را'' کا نام اس وقت سامنے آیا جب 1969ء میں حکمران کانگرس دو واضح دھڑوں میں بٹ گئی۔ عام حلقوں نے شروع میں اسے درخورِ اعتنا نہیں جانا مگر اس کے بعد سے آج تک واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو اس سے منسوب کیا جاتا رہا ہے۔

''را'' کی تشکیل کے وقت بھارتی حکمرانوں کے سامنے یہ مشکل مرحلہ تھا کہ اس نئے خفیہ ادارے کی سربراہی کن ہاتھوں میں دی جائے کیونکہ بھارتی خفیہ اداروں میں بہت کم نام اس کے اہل سمجھے جارہے تھے۔ نگاہ ''کاؤ'' پر آ کر رک گئی کیونکہ حکومت کی نظر میں اس سے بہتر انتخاب موجود نہیں تھا۔ ''رامیشوغر ناتھ کاؤ'' انٹیلی جنس بیورو (IB) میں تعیناتی کے دوران اپنی شاطرانہ صلاحیتوں کی بنا پر دنیائے انٹیلی جنس میں نمایاں ہو کر ابھرے تھے۔ ساٹھ کے عشرے میں انہوں نے بھارت ماتا کے لئے سراغرسانی کا سارا بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ افریقی ملک ''گھانا'' غالباً یکم جولائی 1960ء کو آزاد ہوا تھا۔ اس کے صدر ''نکرومہ'' نہرو کے قریبی دوست تھے۔ انہوں نے نہرو جی سے درخواست کی کہ نو آزاد ملک کے انٹیلی جنس نظام کی تشکیل کے لئے بھارت معاونت کرے۔ نہرو بخوشی رضامند ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے دو افراد بھجوائے گئے۔ وہ ''کاؤ'' اور ''شنکرن نائر'' تھے۔ ان ہی دو افراد نے بعد کے برسوں میں ''را'' کی تشکیل کی۔ کاؤ نے گھانا کی خفیہ ایجنسیوں کا تانا بانا بُنا اور اس کی بنیادی تشکیل میں

بڑی عرق ریزی سے کام کیا۔ بعد میں ''نائر'' نے اس کام کو آگے بڑھایا۔

آٹھ سال بعد ان دونوں کو کیبنٹ سیکرٹریٹ میں ''ریسرچ اینڈ انیلسز ونگ'' کی تشکیل کے فرائض سونپے گئے۔ ان کے سابقہ تجربات نے اس معاملے میں ان کی رہنمائی کی۔ 21 ستمبر 1968ء کی سہ پہر ایک حکومتی فرمان کے ذریعے ''را'' نامی ادارے کا قیام عمل میں آیا۔ کاؤ اور نائر کو آئی جی کے دیگر 250 افسران کے ہمراہ اس نئے ادارے میں ٹرانسفر کر دیا گیا۔

پہلا کام ''را'' کے ہیڈ کوارٹر کے لئے موزوں جگہ کی تلاش تھا۔ دہلی کے نارتھ بلاک کی عمارت میں موجود ایک حصے کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اسے ساؤتھ بلاک کا خصوصی وِنگ قرار دیا گیا۔ ایک سروس ڈھانچے کا قیام بھی عمل میں آیا۔ ابتدائی طور پر دو ڈیسک ترتیب دیئے گئے جو پاکستان ڈیسک اور چین ڈیسک کے ناموں کے تحت وجود میں آئے کیونکہ ابتدائی طور پر یہی دو ٹارگٹ ممالک بھارت کی نظر میں تھے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے تلخ تجربے نے بھارتی حکمرانوں پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ مطلوبہ معلومات جمع کرنے، ریسرچ اور تجزیے کے انڈین انٹیلی جنس سسٹم میں کافی خامیاں موجود ہیں۔ ''شنکرن نائر'' نے اپنے آئی جی کے دونوں کے تجربات کی روشنی میں معاملات کو آگے بڑھایا کیونکہ آئی جی کی ملازمت کے دوران موصوف نے پاکستان کے بارے میں ''انٹیلی جنس کولیکشن'' کے فرائض انجام دیئے تھے اور اس میں موجود خامیوں سے اسے پوری آگاہی تھی۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ آئی جی کے لئے مناسب افراد کی ریکروٹنگ کا پہلا مروجہ طریقہ کار تبدیل کر دیا۔ اس کی بجائے مختلف محکموں، مختلف شعبہ ہائے حیات سے متعلقہ افراد اور ماہرین کی تلاش کا طریقہ کار وضع کیا گیا۔ اگرچہ یہ ایک مشکل امر تھا مگر جانفشانی سے اس کام کو انجام دیا گیا۔ اس معاملے میں ادارے کو تجارتی بنیادوں پر چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ آغاز میں ''را'' کو دو مختلف محکموں کی رقابت کا سامنا بھی کرنا پڑا کیونکہ سی آئی اور آئی جی کے سینئر حکام نے اس نئے ادارے کے قیام کو اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کے لئے ایک چیلنج قرار دیا تھا۔

1969ء میں کانگریس کے انتشار نے حکومتی ڈھانچے کو بُری طرح متاثر کیا۔ ملٹری انٹیلی جنس کے چیف بریگیڈیئر ''ایم این بترا'' جو بنیادی طور پر سگنل کور کے آدمی تھے۔ وہ اس سے پہلے وزارت خارجہ کے تحت انڈین فارن سروس کے آدمیوں کو انٹیلی جنس مقاصد کے لئے ترجیحی بنیادوں پر ٹرینڈ کرتے تھے۔ ''ریونیو انٹیلی جنس'' جو بنیادی طور پر وزارتِ خزانہ کے ماتحت تھی اسے وزارتِ داخلہ کے تحت کر دیا گیا جبکہ ''را'' کو کیبنٹ سیکرٹریٹ کا حصہ بنا

دیا گیا۔ اسے براہِ راست وزیراعظم ہند کے ماتحت رکھا گیا جس سے دوسرے اداروں میں ایک طرح کا حسد پیدا ہو گیا۔

ابتدا میں دو کروڑ کے نسبتاً حقیر بجٹ سے ''را'' کی شروعات ہوئی۔ 1969ء میں دو کروڑ بجٹ اور 250 افراد سے اس تنظیم کا آغاز ہوا لیکن بہت تھوڑے عرصہ میں یہ بجٹ بڑھ کر دس کروڑ ہو گیا اس کے علاوہ بھی ایک بہت بڑا ''سیکرٹ فنڈ'' اس کے تصرف میں دے دیا گیا جس کا صحیح شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ فنڈ کسی قسم کے ''آڈٹ'' کے احاطہ اختیار سے باہر ہے۔ جلد ہی اس کی افرادی قوت سات ہزار سے بھی تجاوز کر گئی۔ بھارت اپنی مجموعی آبادی کے تناسب سے تقریباً 25 پیسے فی فرد اس ادارے پر خرچ کرنے لگی۔ ''را'' کے ڈائریکٹر کو اَپ گریڈ کر کے سیکرٹری کے حوالہ کر دیا گیا۔ جس کے پاس کسی بھی وفاقی سیکرٹری سے کہیں زیادہ مالی اور انتظامی اختیارات تھے اور جو صرف وزیراعظم کے سامنے جواب دہ تھا۔ اس تبدیلی نے کارکردگی بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا کیونکہ روایتی بیوروکریسی کے انداز اور سرخ فیتے کی نذر ہونے والا بہت سا وقت بچ گیا تھا۔

ابتدائی طور پر تو اس ادارے کے فرائض میں صرف ٹارگٹ ممالک سے متعلق معلومات جمع کرنا تھا لیکن جلد ہی اسے بھارتی فارن پالیسی کے ایک آپریشنل وِنگ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اسی کے نتیجے میں بنگلہ دیش اور سکم کے معاملات اتنی آسانی سے بھارت کے حق میں طے ہو گئے اگرچہ انڈین فارن انٹیلی جنس ایجنسی کے قیام کا تصور کوئی نئی بات نہیں تھا۔ اس قسم کے شعبے امریکی سی آئی اے سابقہ سوویت ''کے جی بی'' اور برطانوی سیکرٹ سروس ''ایس آئی ایس'' (SIS) میں موجود تھے۔ اس آپریشنل وِنگ کے قیام نے بھارت میں انٹیلی جنس کے مروجہ تصور کو بہت وسیع کر دیا اور اس کا کردار روز بروز اہم ہوتا گیا اور بیرون ممالک اس کے فرائض ہمہ جہتی ہوتے چلے گئے۔ خصوصاً بنگلہ دیش کے قیام کے سلسلے میں اس ادارے نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کے بعد تو صورتِ حال یہ ہوتی چلی گئی کہ جہاں پر نارمل سفارتی ذرائع ناکام ہو جاتے ہیں وہاں حصولِ مقصد کے لئے بھارتی حکومت ''را'' کو آگے کر دیتی ہے۔ اس معاملے میں ٹارگٹ ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کا مقابلہ ہر سطح پر کیا جاتا ہے۔ نئی دہلی میں ہونے والی بھارتی وزیراعظم مرار جی ڈیسائی اور اسرائیلی وزیر دفاع ''موشے دایان'' کی 1978ء میں خفیہ میٹنگ اس قسم کے آپریشن کی مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ ''را'' کے بنیادی فرائض مندرجہ ذیل قرار پائے تھے۔

(i) تمام ملحقہ ممالک میں سیاسی اور دفاعی معاملات کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر اور ان

کے بھارت پر اثرات کا مطالعہ اور اس سلسلے میں بھارتی خارجہ پالیسی کے رہنما اصولوں کی تشکیل۔

(ii) ''را'' کے ذمے دونوں بڑے کمیونسٹ بلاکوں سابقہ روس اور چین پر گہری نظر رکھنا شامل تھا۔ روس کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد اس شق پر نظر ثانی کی گئی۔

(iii) پاکستان کو ہتھیاروں کی فراہمی پر ترجیحی بنیادوں پر نظر۔ امریکہ، چین اور مغربی یورپ کے ممالک کے ذریعے پاکستان کو اسلحہ کی فراہمی۔

(iv) بیرونی دنیا میں مقیم بھارتی باشندوں کے ذریعے ہر ملک میں طاقتور بھارتی لابی کا قیام تا کہ یہ ممالک ہر معاملے میں بھارت کے لئے نرم گوشہ رکھیں۔

(v) بہت اعلیٰ درجہ کی پیچیدہ اور جدید ٹیکنالوجی پر مبنی معلومات کا حصول مندرجہ بالا تمام مقاصد مختلف ذرائع کے ذریعے حاصل کئے جاتے ہیں۔ معلومات کے حصول کے بعد ان کے تجزیوں کے لئے خصوصی سیل قائم ہیں۔

''را'' کے لئے افراد کی ریکروٹنگ نہایت احتیاط سے کی جاتی ہے۔ جیسے جیسے اس ادارے کا کام بڑھا یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ ادارے کا مستقل ہیڈ کوارٹر قائم کیا جائے اس کے علاوہ مستقل سروس کیڈر بھی بنایا جائے۔ شروع میں تو اس کا عملہ زیادہ تر دوسرے خفیہ اداروں سے آیا تھا۔ جلد ہی گریڈوں وغیرہ کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ ''را'' میں موجود پولیس کے محکمے کے افراد تو ریگولر ضابطوں اور سنیارٹی قواعد کے پابند تھے مگر دوسرے بہت سے افراد (خصوصاً مسلح افواج کے افراد) عجیب تضاد کا شکار تھے۔ انہیں صرف اس وقت ترقی دی جاتی تھی جب انہیں واپس اصل محکموں میں بھیجا جاتا تھا لیکن یہ کوئی حل نہیں تھا۔ اس سے بہت سے مسائل کھڑے ہو گئے۔

1975ء کے آخر میں ایک مستقل ''فارن انٹیلی جنس سروس'' کی سکیم تیار ہوئی تا کہ تنظیم کو ٹھوس انتظامی بنیاد مہیا کی جا سکے تا کہ مختلف سروس رولز میں موجود قباحتیں دور ہو سکیں۔ آخر حکومت نے ''را'' ایگزیکٹو لیڈر کے قیام کا فیصلہ کر لیا لیکن اس سکیم کے نافذ ہونے سے پہلے جنتا پارٹی اقتدار میں آ گئی اور یہ تجویز سرد خانے کی نذر ہو کر رہ گئی۔ اس طرح سے اس سکیم پر گرد جمتی چلی گئی اور ''را'' میں ایڈہاک بنیادوں پر تقرر کا عمل ہنوز جاری ہے اور مختلف افراد ''آفیسران سپیشل ڈیوٹی'' کے نام سے ہی اپنے فرائض انجام دیتے ہیں اگرچہ اس کا ذمے دار اس تنظیم کا ابتدائی چیف ہی ہے۔ جس نے اس محکمے کے قیام کے وقت اس پہلو پر غور کرنا گوارا نہ لیا۔ اس تنظیم میں موجود چند بڑے نقائص میں یہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

اس ادارے کا بنیادی کام تو معلومات کا حصول اور ان کا تجزیہ ہی ہے جو بھارت کی سلامتی کے لئے ''سیف گارڈ'' کا کام دے سکیں۔ شروع ہی سے اس ادارے کا میدانِ عمل بیرون ملک (بھارت) ہی رہا ہے۔ اس لئے اس نے بھارت کے داخلی معاملات میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام نہیں دیا۔ بہرحال اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایک ''جوائنٹ انٹیلی جنس کمیٹی'' کا قیام عمل میں آیا اس کے علاوہ ڈائریکٹر آف فارن انٹیلی جنس کا عہدہ وجود میں آیا۔ مذکورہ کمیٹی اور ڈائریکٹر دونوں وزیراعظم کو جوابدہ تھے۔ ''را'' کے ڈائریکٹر کے تحت حکومت بھارت کا ایک ایڈیشنل سیکرٹری اس بات کا ذمے دار قرار پایا کہ وہ تمام معاملات کو بطریق احسن چلائے۔ اس ادارے کی ہیئت کچھ یوں ہے ''آفس آف سپیشل آپریشن'' OSO اس کا کام مختلف ممالک سے خفیہ معلومات حاصل کرنا، داخلی سلامتی جس کا انچارج ڈائریکٹر جنرل آف سکیورٹی، الیکٹرانک، ٹیکنیکل سیکشن اور جنرل ایڈمنسٹریشن کا انچارج بھی وفاقی سیکرٹری سطح کا افسر ہوتا ہے۔

ڈائریکٹر جنرل سکیورٹی کے تحت دو اہم شعبے ہیں۔ (i) ایوی ایشن ریسرچ سینٹر (ARC)، (ii) سپیشل سروس بیورو (SSB)۔

ایڈیشنل سیکرٹری (جو ایڈیشنل ڈائریکٹر ''را'' ہوتا ہے) کے تحت پانچ جوائنٹ سیکرٹری ہیں جو ''را'' کے جوائنٹ ڈائریکٹران کہلاتے ہیں۔ چار جوائنٹ ڈائریکٹرز دنیا کے چار مختلف حصوں کے انچارج ہیں جبکہ پانچواں جوائنٹ ڈائریکٹر الیکٹرانکس سیکشن کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس کے علاوہ انٹرنل سکیورٹی سیکشن اور انتظامی امور بھی اسی جوائنٹ ڈائریکٹر کی زیرنگرانی ہیں۔ شروع میں کاؤنٹر انٹیلی جنس بھی اسی ادارے کی ذمہ داری گردانی گئی تھی مگر بعد میں اسے آئی بی (IB) کو منتقل کر دیا گیا۔ چاروں جوائنٹ ڈائریکٹرز خصوصی عدالتوں پر مبنی ڈیسک کے انچارج ہیں۔ ''ایریا ون'' پاکستان ہے۔ ''ایریا ٹو'' چین اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک پر مشتمل ہے۔ ''ایریا تھری'' مشرق وسطیٰ اور افریقی ممالک کے بارے میں ہے جبکہ ''ایریا فور'' میں دنیا کے باقی تمام ممالک آتے ہیں۔ ڈیسک کے انچارج ڈیسک آفیسر کہلاتے ہیں جو ہیڈ کوارٹر اور اوورسیز ٹھکانوں اور ان کے سربراہوں میں رابطے کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ بیرونی ممالک میں موجود ''اسٹیشن چیف'' کا رابطہ براہِ راست ڈیسک آفیسر سے ہوتا ہے جو اپنی زیرنگرانی ''کیس آفیسر'' اور دیگر عملے کی مختلف سفارت خانوں میں کسی موزوں بہروپ میں تعینات کرتا ہے۔ ڈیسک آفیسر کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ ''اسٹیشن چیف'' کو الاٹ کئے گئے پراجیکٹ کا مکمل ریکارڈ رکھے۔ ''کیس آفیسر'' ڈیسک آفیسر کو مطلوبہ معلومات مہیا کرتا

ہے۔ عام طور پر ایک ''کیس آفیسر'' کے ذمے ایک وقت میں ایک ہی پروجیکٹ ہوتا ہے اگر چہ بعض اوقات اسے ایک سے زیادہ پراجیکٹس پر بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ کیس آفیسر کے ماتحت ''پرنسپل ایجنٹ'' ہوتا ہے جو ایجنٹ اور کیس آفیسر کے مابین رابطے کا فریضہ انجام دیتا ہے اور عام طور پر یہ اسی ملک کا شہری ہوتا ہے جس سے ''ایجنٹ'' کا تعلق ہوتا ہے۔

''جاسوسی'' ایک ایسا کھیل ہے جس کا لائحہ عمل متعین کرنا خاصا کٹھن کام ہے۔ ''ایسی معلومات کا حصول جو نارمل ذرائع سے حاصل نہ ہوسکتی ہوں لیکن ملکی سلامتی کے لئے ان کا حصول اشد ضروری ہو'' غالباً یہی اس کھیل کی مختصر تعریف ہے۔ دور جدید میں کسی بھی فارن انٹیلی جنس ادارے کے فرائض بہت بڑھ گئے ہیں۔ سادہ سی معلومات کے حصول سے لے کر خصوصی اہمیت کے آپریشنز سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔ اس لئے ایک جاسوس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے اور اس کی تربیت پر بھی خصوصی زور دیا جانے لگا ہے۔ اسی لئے ''را'' نے سب سے پہلا ٹریننگ سکول ''گوداویا ہوسٹل'' میں قائم کیا۔ یہ نئی دہلی کے ایک کنارے پر واقع ''آنند پربت'' سے ملحقہ ہے۔ بظاہر یہ شکستہ سی عمارت ایک طویل عرصہ تک ''را'' کا جاسوسی ٹریننگ سکول رہا ہے۔ ابتدائی طور پر برطانوی دور میں آئی بی (IB) کے افسران کی تربیت کے لئے اس عمارت کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اگر چہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جیلوں کی کال کوٹھڑیوں کو بھی ٹریننگ سینٹرز کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اسی نظریے کے تحت آئی بی کے لئے ''آنند پربت'' کا انتخاب ہوا تھا۔ ''را'' کے قیام کے بعد ریکروٹس کی تربیت کے لئے کچھ عرصہ اسے استعمال کیا گیا لیکن جیسے جیسے اس ادارے کی نشوونما ہوتی گئی اس کی ضروریات بڑھتی چلی گئیں۔ اس لئے جنوبی دہلی میں..... سینما گھر کے عقب میں واقع رہائشی علاقے میں ایک نئی عمارت کا انتخاب ہوا کچھ عرصہ یہ ٹریننگ سکول رہا لیکن جلد ہی حفاظتی نقطۂ نظر سے اسے بھی تبدیل کر دیا گیا۔

1970ء کے اوائل میں نسبتاً ایک وسیع و عریض جگہ کا انتخاب اس مقصد کے لئے کیا گیا۔ بھارتی ائرفورس کے ایک سابق سربراہ کی ملکیت یہ عمارت ''وسنت وہار'' کے رہائشی علاقے میں تھی۔ جب ''را'' کا ٹریننگ سکول ''وسنت وہار'' میں منتقل ہو گیا تھا اسی دوران یہ کوشش بھی جاری تھی کہ ''را'' کی اپنی گیارہ منزلہ عمارت کی تعمیر بھی جلد مکمل ہو جائے۔ اس عمارت کے دونوں اطراف پانچ پانچ منزل پر مشتمل ''انیکسیاں'' تھیں۔ تھیوری یہ تھی کہ ''را'' کے تمام تر تنظیمی دفاتر اس میں منتقل کر دیئے جائیں تا کہ ایک ہی چھت کے نیچے ایسٹیبلشمنٹ اور آپریشنل ونگ آ جائیں۔ اس کی بنیاد حفاظتی نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ معاشی بھی قرار پائی

تھی۔اس سے پہلے ''را'' کے مختلف شعبوں کو آپسی رابطے میں کافی دقت پیش آتی تھی۔کیونکہ دفاتر پورے دہلی میں پھیلے ہوئے تھے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ ''را'' کا چیف سینٹرل سیکرٹریٹ کے ''ساؤتھ بلاک'' میں بیٹھتا تھا۔ جو ''وجے چوک'' میں واقع ہے جبکہ باقی افسران ''ایسٹ بلاک'' کے آفس کمپلیکس کی دومنزلہ عمارت ہوتے تھے اور ''سپیشل آپریشنز سیکشن'' واقع تھ ''رام کرشن پورم'' کے علاقے میں جبکہ کچھ دفاتر شہر کے سب سے بڑے شاپنگ سینٹر ''کناٹ پیلس'' میں تھے۔ اس کے علاوہ ''ایف آئی سی سی آئی'' (FICCI) بلڈنگ میں بھی اس کے دفاتر تھے جہاں آج کل ''نیچرل ہسٹری میوزیم'' ہے۔ یہ تمام کرائے کی عمارتیں تھیں۔''را'' کے نئے کمپلیکس کی تعمیر کا منصوبہ تیار ہوا اور منظور بھی ہو گیا۔ 1976ء میں اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس کو پردہ راز میں رکھنے کے لئے تعمیر کا ٹھیکہ ملٹری انجینئرنگ سروس (MES) کے سپرد ہوا۔

ٹریننگ سکول (جسے عرف عام میں ''سیف ہاؤس'' کہا جاتا ہے) میں بنیادی طور پر پانچ بڑے انسٹرکٹرز تھے جو اس کا مستقل سٹاف تھا جن میں ڈائریکٹر ٹریننگ بھی شامل تھا۔ 1973ء کے بعد اس کی ذمے داری ''ڈائریکٹوریٹ جنرل آف سکیورٹی'' کے سپرد کر دی گئی۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے ''ٹیکنیکل آپریشنل ٹریننگ سینٹر'' بھی موجود ہیں جہاں خصوصی کورسز ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دوسرے اداروں کے ماہرین بھی خصوصی ٹریننگ مہیا کرتے ہیں لیکن زیادہ تر تمام ٹریننگ ایک ہی چھت کے نیچے پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ ابتدا میں ''را'' کے انسٹرکٹرز کو کئی مسائل کا سامنا بھی کرانا پڑا کیونکہ شروع میں یعنی 1968ء میں ''را'' میں شامل کئے گئے افسران مختلف محکموں سے تعلق رکھتے تھے۔ بہت سارے پولیس سے آئے تھے جبکہ آئی بی اور مسلح افواج سے بھی کافی لوگ تھے۔ اپنے پہلے والے محکموں سے انہیں یکسر مختلف نوعیت کی ٹریننگ ملی تھی۔ اس لئے زیر تربیت افسران کو نئے سرے سے مختلف معیار کی تربیت حاصل کرتے وقت انہیں کافی ذہنی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹریننگ دیتے وقت امریکی، برطانوی اور روسی جاسوسوں کو بطور مثال سامنے رکھا جاتا تھا جس سے بھارتی جاسوسوں کی ایک نئی کھیپ وجود میں آئی۔ شروع میں برطانوی اور امریکی انٹیلی جنس کورسز کی بنیاد پر ٹریننگ دی گئی مگر 1973ء کے بعد ''را'' کے ٹریننگ کورسز مکمل طور پر تبدیل کر دیئے گئے اگرچہ بنیادی اصول تو پہلے والے ہی تھے۔ اب بہت سے نئے افراد بھرتی کئے گئے۔ مختلف جسمانی اور ذہنی وضع قطع کے افراد تنظیم میں شامل کئے گئے۔

اعلیٰ سول سرونٹس، منتظم، ماہرین، اساتذہ اور صاحب علم سبھی لوگ اس ''کارِ خیر'' میں

ب چھان پھٹک کر شامل کر لئے گئے اکثر لوگ کسی نہ کسی خاص شعبے کے ماہرین ہیں۔
رحال اب نمایاں پالیسی میں یہ تبدیلی رُونما ہوئی کہ حاصل کردہ معلومات کا تجزیہ اب پوری
رح ہیڈ کوارٹر کی ذمہ داری قرار پائی۔

بڑے سائنٹفک انداز سے تربیت کے کام کو آگے بڑھایا گیا۔ تربیت حاصل کرنے کے
د اکثر افراد کو ڈیسک آفیسر کے تحت فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں اور آغاز میں عموماً نچلی سطح پر
ام ہوتا ہے۔ اس کے بعد انہیں فیلڈ میں مختلف ممالک میں ''اسسٹنٹ کیس آفیسر'' کے طور
بھجوایا جاتا ہے ہر فرد کو کم از کم دو سال کے لئے ڈیسک آفیسر یا کیس آفیسر کی ماتحتی میں کام
کرنا پڑتا ہے۔ ایک بار فیلڈ میں تعیناتی کے بعد وہ اسٹیشن چیف کی ماتحتی میں چلا جاتا ہے۔
چاہے اس کا ''کور'' بظاہر کسی بھی بھارتی سفارت خانے کے تحت ہو اور اس کی حیثیت سرکاری
ہو یا نیم سرکاری۔ اس کا بنیادی کام یہی ہوتا ہے کہ وہ خام معلومات حاصل کرے۔ شروع میں
وہ اکثر ''دوست'' ممالک کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے اور یہ ''حق دوستی'' ادا
کرتے کرتے وہ اپنے کام میں اتنا طاق ہو جائے کہ دشمن ممالک میں بھی کام کر سکے۔ اس
کے بعد اس شخص کو کسی بھی جگہ ''ریذیڈنٹ ایجنٹ'' کے طور پر تعینات کر دیا جاتا ہے اور کوئی
مخصوص علاقہ اس کے احاطہ اثر میں دے دیا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے ٹارگٹ
علاقے میں ہی رہائش پذیر ہو مثلاً مصر کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے والا را ایجنٹ
بیروت یا بغداد میں بھی رہائش پذیر ہو سکتا ہے۔ ''را'' کا وہ ایجنٹ عام طور پر مقامی ملک کے
عام قوانین کی سختی سے پابندی کرتا ہے اس طرح سے وہ متعلقہ معاشرے میں ایک معزز شہری
کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے لیکن اس کا سربراہ رابطہ متعلقہ فیلڈ ایجنٹ، کیس آفیسر اور اسٹیشن
چیف سے ہوتا ہے۔ کیس آفیسر کی تحویل میں ''آپریشنل ریکارڈ'' ہوتا ہے اور وہ عموماً اپنی پوری
توجہ متعلقہ پراجیکٹ پر مرکوز رکھتا ہے۔ یہ کام وہ ''پرنسپل ایجنٹ'' کے ذریعے انجام دیتا ہے جو
متعلقہ ملک کا ہی شہری ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے وہ مزید ایجنٹ ریکروٹ کرتا ہے۔

اصل کام یہی مقامی ایجنٹ ہی کرتے ہیں۔ یہ ایجنٹ بعض اوقات موقع پر ہی بھرتی کئے
جاتے ہیں وگرنہ پہلے ہی سے ''را'' کی ''ریزرولسٹ'' میں موجود ہوتے ہیں۔ اس بات کا
فیصلہ یا تو اسٹیشن چیف موقع پر ہی کرتا ہے یا دہلی میں موجود ''را'' کا ہیڈ کوارٹر اس کو اس بارے
میں ہدایات فراہم کرتا ہے۔ ایجنٹ کا بنیادی وصف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی پہنچ متعلقہ
ٹارگٹ تک بخوبی ہو۔ یہی کسی بھی مقامی ایجنٹ کا سب سے بڑا میرٹ ہوتا ہے کیونکہ جب
تک وہ ایجنٹ ٹارگٹ ادارے یا مقام کے اندر موجود نہ ہو ڈھنگ سے کام نہیں کر سکتا۔ یہ

بات مدِنظر رکھنے کی ہے کہ یہ ایجنٹ بھارت کا شہری نہیں ہوتا بلکہ وہ مقامی باشندوں میں ہی سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی بھارتی باشندے کے لئے یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ وہ پاکستان کے ایٹمی اہمیت کے اداروں میں با آسانی داخل ہو سکے۔ اس لئے یا تو وہ پاکستانی باشندہ ہوگا یا کسی تیسرے ملک کا باشندہ جو اس ادارے میں پہلے سے کام کر رہا ہو۔

بعض اوقات یہ ایجنٹ بھارت کے علاوہ بیک وقت کسی دوسرے غیر ملکی ایجنسی کے لئے بھی کام کر رہے ہوتے ہیں لیکن ایسی صورت میں وہ جلد ہی بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''را'' والے کچھ ''فری لانسرز'' ایجنٹ حضرات سے بھی رابطہ میں ہوتے ہیں۔ اس قسم کا فری لانسر بیک وقت ''را'' کے مختلف سٹیشن چیفس کے تحت کام کر رہا ہوتا ہے مگر دہلی کا ''را'' ہیڈ کوارٹر عام طور پر ایک سٹیشن چیف کو دوسرے کے بارے میں لاعلم رکھتا ہے تاکہ کسی ایک کے پکڑے جانے کی صورت میں پورا گروہ ہتھے نہ چڑھ جائے۔ اگرچہ انتہائی ایمرجنسی کی صورت میں باہمی رازداری کے اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس قسم کے فری لانسر کا رابطہ ایجنٹ سے براہِ راست ہوتا ہے۔ کسی قسم کے ''کٹ آؤٹس، درمیان میں نہیں ہوتے۔ یہ کوئی سٹوڈنٹ بھی ہو سکتا ہے، ٹریول ایجنٹ، جرنلسٹ، ائرلائن کا ملازم، بزنس مین بلکہ کوئی آرٹسٹ بھی لیکن اس کا آفیسر عموماً اس کے کوڈ نام ہی سے واقف ہوتا ہے۔ اس قسم کے فری لانسرز حضرات کو ''را'' والے کسی خاص حوالے سے، کسی مخصوص تعصب کے نام پر متحرک کرتے ہیں۔ کوئی خاص لسانی، مذہبی یا علاقائی تعصب اس معاملے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پیسہ اس طرح کے معاملے میں ثانوی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ ''را'' اپنے اس حربے میں کافی مختلف ہوتا ہے اور ایسے لوگ کسی خاص تعصب کے زیر اثر اس تنظیم کے لئے بڑے مفید اور کارگر ہوتے ہیں۔

سابقہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش میں تبدیل کرنے کی سازش کے دوران اس عنصر نے سب سے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب بھی وطنِ عزیز میں مختلف مذہبی گروہوں اور لسانی تنظیموں کے افراد کو اسی حربے سے زیر اثر کیا جاتا ہے لیکن سٹیشن چیف وغیرہ کو ایسے افراد سے ایک فاصلہ قائم رکھنے کا حکم ہوتا ہے کیونکہ ایسے گمراہ افراد کے ضمیر کسی موڑ پر بیدار بھی ہو جاتے ہیں جس سے وہ اپنے ان آقاؤں ''را کے افسران'' پر بھی پل پڑتے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات پاکستان میں رُونما ہو چکے ہیں۔ بہرحال اس معاملے میں ''را'' کی بنیادی حکمتِ عملی یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ ایسے افراد سے معلومات خریدیں وہ ان افراد کو ہی خرید لیتے ہیں۔ اس طرح بجائے کسی خاص معلومات کے، معاوضے کے انہیں ماہانہ بنیادوں پر مستقل

تنخواہ ادا کی جاتی ہے تاکہ یہ لوگ ایک بار ''را'' کے چنگل میں پھنسنے کے بعد رہائی کا سوچ بھی نہ سکیں۔ جس سے ایک طرف تو ایسے افراد ہمیشہ کے لئے اس مافیا کے مرہونِ منت ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ اگر کسی مرحلے پر ان کا مردہ ضمیر انگڑائی لینے کی کوشش کرے تو اسے بلیک میل کرنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔

''را'' کے ان سٹیشن چیفس کو بعض اوقات مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ اہم مقامی آدمی کوئی اہم معلومات اس شرط پر دینے کی ہامی بھرتا ہے کہ وہ یہ معلومات ''را'' کے اسٹیشن چیف کی بجائے متعلقہ ملک میں بھارتی سفارت خانہ کے ذمہ دار افراد تک براہِ راست پہنچانا چاہتا ہے۔ اس صورت میں ''را'' کے متعلقہ افسران کے لئے تھوڑی مشکل صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ عام طور پر انڈین فارن سروس کے افسران ''را'' کے ان افراد کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ''را'' والے ان کی نگرانی اور حرکات وسکنات پر بھی نگاہ رکھتے ہیں اس کے علاوہ وہ براہِ راست معلومات حاصل کرنے کے رسک سے بھی بچنا چاہتے ہیں۔

ایک وقت تھا جب ''را'' کا سٹیشن چیف اور انڈین ہائی کمشنر یا سفیر کی آپس میں گاڑھی چھنتی تھی مگر اب بھارتی سفیر اور دیگر سفارتی عملہ مقامی سیاسی جماعتوں سے رابطے کو ترجیح دیتا ہے مگر حتی الامکان دوسرے کسی قسم کے ایڈونچر سے بچنے کا خواہاں ہوتا ہے کیونکہ ان سفارتی حضرات کی اکثر سخت نگرانی کی جاتی ہے اور ایسی حرکتوں کے دوران پکڑے جانے کا اندیشہ قوی ہوتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ برس اسلام آباد میں ''راجیش متل'' کے ساتھ ہوا۔ اس لئے یہ سفارتی عملہ مخصوص حالات میں اہم دستاویزات کو براہِ راست حاصل کرنے کی بجائے ''ڈیڈ ڈراپس'' کے ذریعے حاصل کرتا ہے یعنی وہ مقامی ایجنٹ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ کاغذ یا دستاویز کسی بھی مخصوص مقام مثلاً (کسی ائیر لائن کے ٹوائلٹ، ٹرین کی سیٹ، ہوٹل یا شاپنگ سینٹر میں) پر چھوڑ جاتا ہے جہاں سے وہ اہم بھارتی نمائندہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔

''را'' کے افراد معلومات کے حصول کے لئے دونوں ذرائع استعمال کرتے ہیں یعنی سی آئی اے (امریکی) کا ہتھکنڈہ کہ وہ اعلیٰ افسران اور تاجروں کے ذریعے مطلوبہ معلومات حاصل کرتے ہیں جبکہ سابقہ روس کی ''کے جی بی'' والے کلرکوں، ٹائپسٹوں اور نائب قاصدوں پر سارا تکیہ کرتے تھے۔ ''را'' اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ان دونوں قسم کے طریقہ ہائے واردات سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مطلوبہ اہم اداروں میں کام کرنے والے

الیکٹریشن، ٹیلی فون آپریٹر اور پلمبرز وغیرہ کے ذریعے بھی معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

آغاز میں کچھ عرصہ تک ''را'' میں خواتین کی ریکروٹمنٹ کو معیوب سمجھا جاتا تھا مگر یہ بات قصہ پارینہ بن چکی ہے اور اکثر ''را'' کے سٹیشن چیفس اور کیس آفیسرز کی بیویاں و دیگر خواتین بھی اس نیک کام میں ان کی بھرپور معاونت کرتی ہیں اور اس کے عوض انہیں معقول اور مستقل تنخواہیں ملتی ہیں۔ اس لئے آج کل خاوند، بیوی کی ٹیم کے تصور کو بڑی پذیرائی حاصل ہو رہی ہے بلکہ اب تو پڑھی لکھی اور روشن خیال بھارتی خواتین اس ''قومی خدمت'' میں ترجیحی بنیادوں پر حصہ لے رہی ہیں۔

اگرچہ بھارت میں کاؤنٹر انٹیلی جنس کے فرائض آئی بی (انٹیلی جنس بیورو) انجام دیتی ہے لیکن ''را'' کے اندر بھی کاؤنٹر انٹیلی جنس کا ایک سیل قائم ہے جس کی ذمے داری اس تنظیم کے اندر نگاہ رکھنے کی ہے تاکہ اگر ادارے کے اندر کسی قسم کی کوئی سازش پروان چڑھے تو اسے جڑ سے اکھیڑا جا سکے لیکن ''را'' کے اس کاؤنٹر انٹیلی جنس کو کسی بھی فرد کی گرفتاری کے اختیارات حاصل نہیں اس کے لئے اسے بہرطور آئی بی سے ہی رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی ''را'' کے اندر غداری کے بہت زیادہ واقعات نہیں ہوئے۔ ماسوائے ''روی ناتھ سوتی'' کے جو 13 دسمبر 1974ء کو باغی ہو گیا تھا۔ وہ میجر رینک کا تھا۔ وہ 1970ء میں اس تنظیم میں آیا تھا اور پاکستان ڈیسک میں ایڈیشنل ڈائریکٹر کے طور پر بھی کچھ عرصہ کام کرتا رہا تھا لیکن 1974ء میں وہ فرار ہو کر کینیڈا پہنچ گیا اور وہاں سیاسی پناہ کی درخواست کر دی۔ شنید ہے کہ کچھ عرصہ بعد ''را'' کے ایجنٹوں نے اسے وہیں قتل کر دیا۔ اسی طرح کائیکا رام کشپ کا معاملہ ہے جو نومبر 1979ء میں بھارتی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا تھا۔

''را'' میں قائم ''ڈس انفارمیشن سیل'' انتہائی کامیابی سے کام کر رہا ہے اور ٹارگٹ ممالک کو اس کے ذریعے دوررس نتائج کے حامل نقصانات پہنچائے جا رہے ہیں۔ انٹیلی جنس زبان میں ڈس انفارمیشن کا مطلب یہ ہے کہ ٹارگٹ ممالک میں وہ معلومات پھیلائی جائیں جو اس کی جڑیں کھوکھلی کر دیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ''آپ لوگوں کو اس بات کا یقین دلا دیں جس بات کا یقین آپ اپنے نقطۂ نظر سے دلانا چاہتے ہیں۔'' یہ معلومات پرنٹ میڈیا، سفارتی ذرائع، سیاستدانوں اور ان افراد کے ذریعے پھیلائی جاتی ہیں جن کی رائے بظاہر مؤثر سمجھی جاتی ہے۔ ڈس انفارمیشن کی اس مہم نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ مغرب کے غیر جانبدار ماہرین کی آج بھی یہ پختہ رائے ہے کہ بھارتی افواج دسمبر 1971ء میں قطعاً اس پوزیشن میں نہیں تھیں کہ وہ اتنی سرعت کے ساتھ مشرقی پاکستان پر

قبضہ کر لیتیں۔ مغربی ممالک نے اپنے ان تجزیوں سے اس وقت کی حکومت پاکستان کو بھی آگاہ کر رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ نسبتاً مطمئن تھی لیکن ''را'' کی منصوبہ بندی کے تحت اطلاعات اس منظم ڈھنگ سے پھیلائی گئیں جن سے یہ تاثر واضح ہوتا گیا کہ مشرقی پاکستان کی فتح صرف چند دنوں کا معاملہ ہے۔ اس مہم نے پاکستانی فوج کی ذہنی کیفیت کو بھی بُری طرح متاثر کیا اور مکتی باہنی وغیرہ کے مورال کو مزید بلند کر دیا۔ یقیناً بھارت صرف ''را'' کی بدولت ہندو تاریخ کی سب سے بڑی فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ سندھ میں چند برس سے جاری بے چینی کا سہرا بھی اسی تنظیم کے سر ہے۔

''را'' پر نسبتاً بُرا وقت 1977ء میں مرار جی ڈیسائی کی حکومت کے دوران آیا، جب انہوں نے اس ادارے کے بہت سے فنڈ کم کر دیئے اور اس کے سربراہ کے بہت سے اختیارات پر قدغن لگا دی۔ اسی دوران میں یکے بعد دیگرے ''را'' کے تین سربراہ الگ کر دیئے گئے۔ کاؤ، شنکرن نائر اور سنتوک کمار قدرے بے دل ہو کر تنظیم سے الگ ہوئے مگر جنوری 1980ء میں اندرا گاندھی کی واپسی سے ''را'' کا عہد شباب لوٹ آیا اور یہ پھر اپنی مکروہ سرگرمیوں میں مصروف ہو گئی۔

اب اس کا میدانِ عمل پاکستان اور چین کے علاوہ جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک خصوصاً سری لنکا، مالدیپ اور نیپال قرار پائے۔ اسی کی بدولت آج تک سری لنکا خانہ جنگی کی سی کیفیت کا شکار ہے لیکن اس کے باوجود ''را'' کی تاریخ صرف کامیابیوں سے مزین ہی نہیں ہے بلکہ بہت سی ذلتیں بھی اس کے حصے میں آئی ہیں۔ پڑوسی ممالک کے متعلقہ اداروں خصوصاً پاکستان نے حتی المقدور ہر سطح پر اس کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنایا ہے اور اسے اپنے زخم چاٹنے پر مجبور کیا ہے۔ گزشتہ ماہ اس کے سربراہ مسٹر این تریمین نے ''را'' سے علیحدہ ہوتے ہوئے اپنے استعفیٰ میں ''را'' کی بہت سی ناکامیوں کا اعتراف کیا ہے۔

○.....ختم شد.....○

Pakistanipoint.com
Waqar Azeem

ارشد علی ارشد کے شرربار قلم سے

دیدبان

بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں سے گندھی ایک تیز رفتار ایکشن اور تہلکہ خیز کہانی

- پاکستان، فلسطین اور اسرائیل تک پھیلی ہوئی ناقابل فراموش کہانی۔
- لہو کو گرما دینے والے واقعات، اور آنکھوں کو وا کرنے والے انکشافات۔
- پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا احوال۔
- پاکستان کو درپیش اندرونی و بیرونی خطرات سے پردہ چاک کرنے والی کہانی۔
- مسلمان اور شیطان کے درمیان چھڑی ہوئی ازلی جنگ کا احوال ایک عجیب انداز میں۔
- ایک ایسے مردِ آہن کی کہانی جس نے اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔

یہ خوبصورت ناول ماہنامہ نئے اُفق کراچی میں بھی شائع ہو رہا ہے

اپنے ہاکر یا قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں

ناشر

علی میاں پبلیکیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247414

علی بکسٹال

نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور